مرکز برائے فاصلاتی و آنلائن تعلیم، یونیورسٹی آف جموں، جموں

کلاس ایم۔اے

سمسٹر اول

مضمون : اردو ادب کی تاریخ — یونٹ : I-IV

کورس نمبر : 101 — سبق : ۱۔۱۴

پروفیسر (ڈاکٹر) شہاب عنایت ملک
کورس کوآرڈی نیٹر، ایم اے اردو، سی، ڈی، او، ای
صدر شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی، جموں

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ
انچارج ٹیچر، اردو
سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں

© جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ اس کتاب کا کوئی حصہ کسی شکل میں جموں یونیورسٹی کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔

مضمون نگار:

1۔ **ڈاکٹر اعجاز حسین شاہ**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ پی جی کالج راجوری

2۔ **ڈاکٹر برکت علی**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ پی جی کالج ڈوڈہ

اڈیٹنگ/ پروف ریڈنگ:۔

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ

انچارج ٹیچر، اردو، سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں۔

Syllabus and Courses of Study in the Subject of Urdu under NON-CBCS Scheme (CDOE)

SEMESTER- I
COURSE CODE URD-101

Examination to be held in December 2025, 2026 and 2027

Title :- History of Urdu Literature	اردو ادب کی تاریخ	Credits: 4
Duration of Examination: 2:30 hours		Maximum Marks : 100
		(a) Semester Exam: 70
		(b) Internal Assessment 30

Objectives:-
This Course envisages to make the contents conversant with the history of Urdu Literature. Efforts shall be made to provide the students full information about The Urdu literature and prominent trends.

Unit–I

ا۔ اُردو شاعری کا آغاز و ارتقاء (جنوبی ہند)

۲۔ اُردو شاعری کا آغاز و ارتقاء (شمالی ہند)

۳۔ اُردو شاعری کی اصلاحی تحریکات

Unit–II

ا۔ اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء (جنوبی ہند)

۲۔ اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء (شمالی ہند)

۳۔ بھگتی تحریک (امیر خسرو، کبیر داس، گورو نانک اور میراں بائی)

۴۔ فورٹ ولیم کالج اور قدیم دلی کالج کی خدمات

Unit–III

ا۔ دبستانِ دلی کی خصوصیات

۲۔ دبستانِ لکھنو کی خصوصیات

۳۔ اُردو کے دیگر ادبی مراکز (پنجاب، عظیم آباد اور حیدر آباد)

Unit–IV

۱۔ تحریکِ آزادی اور اُردو شاعری

۲۔ انجمن پنجاب لاہور

۳۔ اُردو شاعری اور قومی یکجہتی (نظیر اکبر آبادی، حالی، چکبست)

There will be 2 Internal Assessment Assignments carrying total weightage of 30% marks
The formet of Assessment Assignments is given below:
ASSIGNMENT 1: Long Answer Questions (15x1=15 Marks)
Out of the two questions given, the learner has to attempt andy one questions in 800-1000 words.
Assignment 2: Short Answer Questions (7.5x2=15 Marks)
The learner has to attempt all the two questions. Words limit 350-450 words.

Mode of Examination:-

There are four units in the course No:-101

Mode of the examination:-The term end examination shall carry 70% marks in each course the format of the question paper is given below.

Term End Examination would be of 70 marks. Two short type questions from Unit I and II having 7 marks each be asked. Two descriptive type questions from Unit III and IV of 14 marks each be asked. Two short type questions from Unit III and IV having 7 marks each be asked. 14 objectives type questions of 14 marks carrying 1 mark each be also asked from Unit III and IV.

حوالہ جاتی کُتب Books Recommended:

۱۔ اُردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کردار۔ مولوی عبدالحق۔

۲۔ اُردو شاعری کا سماجی پس منظر۔ ڈاکٹر اعجاز حسین

۳۔ دلی میں اُردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پس منظر۔ ڈاکٹر محمد حسن

۴۔ تاریخ ادب اُردو۔ رام بابو سکسینہ

۵۔ گذشتہ لکھنو۔عبدالحلیم شرر۔

۶۔ دلی کا دبستان شاعری۔ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی۔

۷۔ لکھنو کا دبستان شاعری۔ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔

۸۔ قومی شاعری کے سو سال۔علی جواد زیدی۔

۹۔ اُردو شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر۔سید مجاور حسین۔

۱۰۔ اُردو شاعری کا مزاج۔ڈاکٹر وزیر آغا۔

۱۱۔ دکن میں اُردو۔نصیرالدین ہاشمی

۱۲۔ تاریخ ادب اُردو۔جمیل جالبی

۱۳۔ حالی،شبلی اور آزاد(تحقیق کے آئینے میں)۔ڈاکٹر چمن لعل

۱۴۔ ترقی پسند ادب۔عزیز احمد

۱۵۔ ترقی پسند ادب۔علی سردار جعفری

۱۶۔ اُردو نثر کا آغاز وارتقا۔ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ

۱۷۔ قدیم دلی کالج۔مولوی عبدالحق

۱۸۔ قدیم دلی کالج۔مالک رام

۱۹۔ اُردو ادب میں ترقی پسند تحریک۔ڈاکٹر خلیل الرحمان اعظمی

۲۰۔ جدیدیت اور اُردو ادب۔مرتبہ۔آل احمد سرور

۲۱۔ جدیدیت کی فلسفیانہ اساس۔ڈاکٹر شمیم حنفی

۲۲۔ بیسویں صدی کے اُردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات۔ پروفیسر ظہور الدین

۲۳۔ ہندی ادب کی تاریخ۔ ڈاکٹر محمد حسن

۲۴۔ اُردو ادب کی تاریخ۔ پروفیسر ضیاء الرحمٰن صدیقی۔

فہرستِ ابواب

یونٹ۔1

1۔ اردو شاعری کا آغاز وارتقاء (جنوبی ہند) ____ 7

2۔ اردو شاعری کا آغاز وارتقاء (شمالی ہند) ____ 22

3۔ اردو شاعری کی اصلاحی تحریکات ____ 37

یونٹ۔2

4۔ اردو نثر کا آغاز وارتقاء (جنوبی ہند) ____ 66

5۔ اردو نثر کا آغاز وار آقاء (شمالی ہند) ____ 91

6۔ کہ بھگتی تحریک (امیر خسرو، کبیر داس، گورو نانک اور میراں بائی) ____ 108

7۔ فورٹ ولیم کالج اور قدیم دلی کالج کی خدمات۔ ____ 122

یونٹ۔3

8۔ دبستان دلی کی خصوصیات ____ 132

9۔ دبستان لکھنو کی خصوصیات ____ 143

10۔ اردو کے دیگر ادبی مراکز (پنجاب، عظیم آباد اور حیدر آباد)۔ ____ 155

یونٹ۔4

11۔ تحریک آزادی اور اردو شاعری ____ 169

12۔ انجمن پنجاب لاہور ____ 184

13۔ اردو شاعری اور قومی یکجہتی (نظیر اکبرآبادی، حالی، چکبست) ____ 195

14۔ قومی یکجہتی کے علمبردار (نظیرؔ، حالیؔ اور چکبستؔ) ____ 211

سبق:1 اردو شاعری کا آغاز وارتقاء (جنوبی ہند)

ساخت

1.0 اغراض ومقاصد
1.1 تعارف
1.2 اردو شاعری کا آغاز وارتقاء (جنوبی ہند)
1.2.1 سرگرمی ا۔(آو! اپنی معلومات کو جانچیں)
1.2.2 عادل شاہی سلطنت
1.2.3 قطب شاہی سلطنت
1.2.4 سرگرمی ۲۔(آو! اپنی معلومات کو جانچیں)
1.3 عمومی جائزہ/ خلاصہ
1.4 آپ نے کیا سیکھا؟
1.5 فرہنگ
1.6 خود جانچ سوالات
1.7 مشقی سوالات
1.8 مشقی سوالات کے جوابات/ جوابات (سرگرمی ۲۔ا)
1.9 امدادی کتب

1.0: اغراض ومقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ میں درج ذیل صلاحیتیں پیدا ہوں گی:

ا۔ جنوبی ہند (دکن) میں اردو شاعری کے آغاز اور تاریخی پس منظر سے آگاہی حاصل کرسکیں گے۔

۲۔ دکنی اردو کی لسانی تشکیل اور اس کے ادبی ارتقاء کو سمجھ سکیں گے۔

۳۔ بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی ادوار میں اردو شاعری کی ترقی کا تنقیدی مطالعہ کرسکیں گے۔

۴۔ دکن کے اہم شعرا مثلاً نظامی بیداری، محمد قلی قطب شاہ، نصرتی، غواصی، ابن نشاطی، ولی دکنی اور سراج اورنگ آبادی کی شعری خدمات کا تعارف حاصل کرسکیں گے۔

۵۔ دکنی اردو شاعری کے موضوعات، اسلوب اور فنی خصوصیات کو جانچ سکیں گے۔

۶۔ دکنی شاعری میں ہندوستانی تہذیب، مقامی رنگ اور تصوف کے اثرات کو سمجھنے کے اہل ہوں گے۔

۷۔ اردو شاعری کے ارتقائی سفر میں دکن کے کردار اور اس کی تاریخی اہمیت کو واضح کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

۸۔ شمالی ہند کی اردو شاعری پر دکنی شاعری کے اثرات کا شعور پیدا ہوگا۔

1.1: تعارف

اردو زبان و ادب کی تاریخ میں جنوبی ہند خصوصاً دکن کو ایک امتیازی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ شمالی ہند میں اردو کے فروغ سے بہت پہلے دکن کی سرزمین نے اردو کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اسے ادبی اظہار، فکری وسعت اور تہذیبی رنگارنگی عطا کی۔ یہی وہ خطہ ہے جہاں اردو شاعری نے باقاعدہ نشوونما پائی اور ابتدائی شعری اصناف، خصوصاً مثنوی، غزل اور نظم کی صورت میں اپنے نمایاں نقوش چھوڑے۔ دکنی اردو، جو مقامی بولیوں، عربی، فارسی اور سنسکرت کے امتزاج سے وجود میں آئی، رفتہ رفتہ ایک توانا ادبی زبان بن گئی۔ بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی ادوار میں درباری سرپرستی، صوفیانہ فکر اور مقامی تہذیب کے امتزاج نے اردو شاعری کو فکری گہرائی اور فنی پختگی عطا کی۔ اس عہد میں مذہب، تصوف، عشق، حسن، تہذیب اور سماجی زندگی اردو شاعری کے اہم موضوعات بن کر سامنے آئے۔ زیرِ نظر سبق میں جنوبی ہند میں اردو شاعری کے آغاز، ارتقاء، نمایاں ادوار اور اہم شعرا کی خدمات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، تاکہ اردو شاعری کی ابتدائی تشکیل اور اس کے فکری و فنی پس منظر کو واضح طور پر سمجھا جاسکے۔

1.2: اردوشاعری کا آغاز وارتقاء (جنوبی ہند)

اردوزبان وادب کی تاریخ میں جنوبی ہند (دکن) کواوّلین مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔شمالی ہند میں اردو کے فروغ سے قبل جنوبی ہند کی سرزمین نے اس زبان کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اسے فکری،تہذیبی اورادبی سطح پر ایک مضبوط بنیاد فراہم کی۔جنوبی ہند (دکن) کی اردو جسے ابتداء میں دکنی یا دکنی اردو کہا جاتا تھا، مقامی بولیوں،عربی، فارسی اور سنسکرت کے امتزاج سے وجود میں آئی اور رفتہ رفتہ ایک ادبی زبان کی صورت اختیار کر گئی۔یہی وہ خطہ ہے جہاں اردوشاعری نے باقاعدہ طور پر آنکھ کھولی اوراپنے ابتدائی نقوش ثبت کیے۔ ۱۲۰۰ تا ۱۷۰۰ء کے درمیانی زمانے میں جنوبی ہند میں اُردوشعروادب کی ترقی کی رفتار شمالی ہند کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیز رہی۔اس کا سبب دکن کی تمام سلطنتوں کا اس زبان کے تئیں ہمدردانہ رویہ ہے۔ان سلطنتوں کے بادشاہوں نے صرف اس زبان کے ادیبوں اور شاعروں کی سرپرستی ہی نہیں کی بلکہ بہت سے بادشاہ خود شاعر تھے جنھوں نے اردوشاعری کے سرمائے میں قابل قدر اضافہ کیا۔جنوبی ہند میں علاءالدین خلجی اور ملک کافور کے حملوں سے اُردوزبان کے لئے راہ ہموار ہوئی لیکن صحیح معنوں میں اس کی ترقی کے امکانات اس وقت روشن ہوئے جب شاہ محمد بن تغلق نے دولت آباد کواپنا پایہ تخت بنایا اور علماء و فضلاء اور صوفیائے کرام کی ایک بڑی جماعت دہلی سے دکن منتقل ہوئی۔اتنی بڑی آبادی کے دکن پہنچ جانے سے نئی عوامی زبان کو پھلنے پھولنے کا بہترین موقع نصیب ہوا۔

دکن میں تصنیف وتالیف کا باقاعدہ سلسلہ بہمنی سلطنت کے قیام کے بعد شروع ہوا، ابتدائی تصانیف شیخ عین الدین گنج العلم کے مذہبی رسائل کی شکل میں نظر آتی ہیں جوانھوں نے مذہبی احکام سے متعلق تصنیف کئے تھے۔اس کے بعد بندہ نواز گیسودراز (۱۳۱۲تا۱۴۲۲ء) کا نام آتا ہے۔جو دہلی سے گلبرگہ تشریف لائے۔ان کی ''شکارنامہ'' اور ''تلاوت الوجود'' نامی تصانیف ابتدائی کتب میں شمار ہوتی ہیں۔ان کتابوں کے موضوعات مذہب وتصوف سے متعلق ہیں۔ان میں عربی وفارسی الفاظ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔نظم کی کچھ تصانیف بھی ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، بعد کے مصنّفین نے بندہ نواز گیسودراز کی تصانیف کومشتبہ قرار دیا ہے پھر بھی ان کی تمام کاوشوں کوشبہ کی بنیاد پر رد نہیں کیا جاسکتا۔بزرگان دین کی تحریروں میں یقیناً ادبی شان نہیں ہے لیکن لسانی نقطہ نظر سے ان کی اہمیت مسلم ہے۔جنوبی ہند کی شاعری میں بہمنی دور کی سب سے مستند اوراہم تصنیف نظامی بیداری کی'' کدام راؤ پدم راؤ'' نامی مثنوی ہے۔جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''اس دور کی سب سے پہلی تصنیف جواب تک دریافت ہوئی،فخر دین نظامی کی مثنوی'' کدم راو پدم

راوٗ'' ہے۔اس مثنوی کا اب تک ایک نسخہ معلوم ہے، جو ناقص ال اوسط ہے اور کم از کم دو تین صفحات شروع اور آخر کے بھی کم ہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اس مثنوی کا اصل نام کیا تھا۔''

بہمنی سلطنت کے زوال اور پانچ ٹکڑوں میں تقسیم ہو جانے کے بعد جنوبی ہند یعنی دکن میں عادل شاہی، قطب شاہی، نظام شاہی، برید شاہی اور عماد شاہی حکومتیں قائم ہوئی۔ ان میں علم و ادب کے حوالے سے دو حکومتیں عادل شاہی اور قطب شاہی خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ عادل شاہی ریاست بیجاپور میں اور قطب شاہی ریاست گولکنڈہ میں قائم ہوئیں۔ عادل شاہی سلطنت کے کئی بادشاہ خود علم وفضل سے بہرہ ور تھے۔ خصوصاً عادل شاہ ثانی اور علی عادل شاہ ثانی کی فیاضی وقدر دانی کی وجہ سے سیکڑوں عالم وفاضل اور شاعر وادیب ان کے دربار میں جمع ہو گئے جن کی کوششوں سے فارسی زبان کے ساتھ ساتھ اردو زبان کے شعری و ادبی سرمائے میں کافی اضافہ ہوا۔

1.2.1: سرگرمی ۱۔(آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

۱۔ اردو زبان و ادب کا اوّلین مرکز کس خطے کو مانا جاتا ہے؟

(الف) دہلی (ب) لکھنؤ (ج) جنوبی ہند (دکن) (د) پنجاب

۲۔ دکنی اردو کن زبانوں کے امتزاج سے وجود میں آئی؟

(الف) سامری اور ترکی (ب) عربی، فارسی، سنسکرت اور مقامی بولیاں (ج) ہندی اور انگریزی (د) سنسکرت اور یونانی۔

۳۔ دکن میں اردو کے فروغ کے لیے کس سلطان نے دولت آباد کو پایہ تخت بنایا؟

(الف) علاالدین خلجی (ب) فیروز شاہ تغلق (ج) محمد بن تغلق (د) اکبر اعظم۔

۴۔ بہمنی دور کی سب سے قدیم مستند مثنوی کون سی ہے؟

(الف) گلشن عشق (ب) پھول بن (ج) کدم راوٗ پدم راوٗ (د) سیف الملوک و بدیع الجمال۔

۵۔ ''کدم راوٗ پدم راوٗ'' کے مصنف کون ہیں؟

(الف) نصرتی (ب) نظامی بیداری (ج) غواصی (د) ابن نشاطی۔

1.2.2:عادل شاہی سلطنت

عادل شاہی دور میں مصنف کی حیثیت سے پہلا نام شاہ میراں جی کا ہے جو شمس العشاق کے نام سے جانے جاتے ہیں، اصول واعمالِ تصوف سے متعلق ان کی تصانیف میں سب سے اہم ''مرغوب القلوب'' ہے۔ ان کے صاحب زادے برہان الدین جانم نے بھی اپنی نثری و شعری تصانیف کے ذریعہ اردو کے سرمائے میں اضافہ کیا' کلمتہ الحقائق'' , ''بہشت مسائل''اور''ذکرجلی''ان کی نثری تصانیف ہیں جب کہ''سکھ مہیلا''،''وصیت البادی'اور''ارشادنامہ''ان کی مشہور شعری تصانیف ہیں۔ برہان الدین جانم کے ساحب زادے امین الدین اعلی نے بھی کئی شعری ونثری تصانیف چھوڑیں ان میں بیشتر کا موضوع تصوف ہے''محبت نامہ''،''رموز السالکین''،''گنج مخفی''اور''وجودیہ''ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے بڑے صوفی ادیبوں اور شاعروں میں میراں جی خدا نما، شاہ محمد قادری، سید میران حسینی، شاہ معظم وغیرہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں، مذکورہ ادیبوں اور شاعروں کی بعض تصنیفات کو محققین نے مشتبہ قرار دیا ہے لیکن تمام تصنیفات کو غیر مستند قرار دینا کسی طرح مناسب نہیں۔

ابھی تک عادل شاہی سلطنت کے جن ادیبوں اور شاعروں کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں سے بیشتر کی تصانیف کا موضوع مذہبی احکام و رموز تصوف ہیں۔ یہ کتابیں ادبی شعور کے تحت نہیں لکھی گئیں جس کی وجہ سے ان میں ادبیت کی کمی محسوس ہوتی ہے۔لیکن اس عہد میں ایسی تخلیقات کی کمی نہیں جو ادبی شعور کے تحت لکھی گئیں اور ان میں ادبیت نمایاں ہے۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے گیتوں پر مبنی ایک کتاب "نورس" لکھی یہ کتاب سولھویں صدی کے اواخر یا سترہویں صدی کے اوائل کی تصنیف ہے۔ ابراہیم عادل شاہ کے لڑکے محمد عادل شاہ کو شعر وشاعری سے کافی دلچسپی تھی۔ بہت سے شاعران کے دربار میں جمع ہو گئے تھے جن میں رستمی، ملک خوشنود، عبدل اور مقیمی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ رستمی کی طویل نظم "خاور نامہ" اس کی فنکارانہ صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے۔ چوبیس ہزار اشعار پر مشتمل مثنوی کی شکل میں لکھی گئی یہ طویل نظم ایک فارسی نظم کا ترجمہ ہے۔ ملک خوشنود نے امیر خسرو کی ایک فارسی تصنیف پر مبنی ایک مثنوی "ہشت بہشت" لکھی، عبدل نے بادشاہ کی مدح میں "ابراہیم نامہ" کے نام سے ایک مثنوی لکھی جو اپنی ادبی شان کے ساتھ ساتھ اس لیے بھی اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں اس دور کی عصری زندگی سمٹ آئی ہے اور بیجاپور کی تہذیب وزندگی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ مقیمی نے ''چندر بدن'' اور "مہیار" لکھ کر اردو زبان کے ادبی سرمائے میں اضافہ کیا۔ علی عادل شاہ ثانی کا کلام ''کلیات شاہی'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس عہد کا سب سے بڑا شاعر ملک الشعراء نصرتی تھا جس کی شاعرانہ صلاحیتوں کا

اعتراف نقادوں نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ کیا۔اس کی شاہکار تصنیف ''علی نامہ'' ہے جس میں اس نے بادشاہ وقت کی فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ اس کی دوسری تصنیف ایک عشقیہ مثنوی ''گلشن عشق'' ہے جس میں کنور منوہر اور مدمالتی کے حسن وعشق کی داستان مذکور ہے۔ان کی تیسری مثنوی ''تاریخ اسکندری'' ہے۔ان مثنویوں کے علاوہ غزلوں کا دیوان اور قصائد کے مجموعے اس کی فنکارانہ صلاحیتوں کی گواہی دیتے ہیں۔نصرتی کی تصانیف سے ان کی قادرالکلامی اور فن پر ان کے عبور کا اندازہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ناقدین نے اسے اردو شعر وادب کی تاریخ میں نمایاں حیثیت کا حامل قرار دیا ہے۔ان شعراء کے علاوہ امین کا مجموعہ کلام ''جوہرالاسرار'' عرفانی حقائق سے لبریز ہے۔سیوا نے واعظ کاشفی کی ''روضتہ الشہداء'' کا منظوم ترجمہ کر کے اپنی صلاحیت کا ثبوت پیش کیا۔ ہاشمی نے چھ ہزار اشعار پر مشتمل فسانہ ''یوسف وزلیخا'' کو منظوم کر کے اپنی فنکارانہ صلاحیت کا ثبوت دیا،اس منظوم داستان کو دکنی ادب میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

1.2.3: قطب شاہی سلطنت

بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت کی طرح گولکنڈ وکی قطب شاہی سلطنت میں بھی اُردو زبان وادب کو کافی فروغ ہوا۔ بڑے بڑے شاعر اور اربابِ کمال اس سلطنت سے وابستہ رہے۔اس خاندان کے تین بادشاہ محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ اردو شعر وادب کی تاریخ میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس دور کے بعض اہم شعراء کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا جارہا ہے۔جس سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ اس خاندان نے اُردو شعر وادب کے ارتقاء میں کتنا نمایاں کردار ادا کیا ہے۔محمد قلی قطب شاہ اس خاندان کا پانچواں ب حکمران تھا جو اردو کا بڑا شاعر تھا۔اس نے پچاس ہزار اشعار کہے جن میں سے اکثر دکنی اردو میں ہیں۔ان کو اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ان کی کلیات میں مثنوی، مرثیہ، غزل ہر ایک صنف سخن سے متعلق تخلیقات شامل ہیں۔ان کی زبان میں کافی پختگی اور کلام میں ایک خاص ادبی شان موجود ہے۔ان کی شاعری میں ہندوستانیت کی روح جلوہ گر ہے۔ ہندوستانی زندگی کی مختلف پہلوؤں کی رنگا رنگ تصویریں ان کے کلام میں جا بجا نظر آتی ہیں اور ان کا بیشتر کلام رنگ ومستی اور سرشاری میں ڈوبا ہوا ہے۔ان کی غزلیں اور نظمیں تہذیبی نقوش کی رنگا رنگی اور موضوعات کے تنوع کی وجہ سے آج بھی قابل توجہ ہیں۔

عبداللہ قطب شاہ کو بھی علم وادب سے گہرا لگاؤ تھا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں ان کے دیوان موجود ہیں۔ ملا وجی قطب شاہی دور کا سب سے باکمال نثر نگار اور شاعر گزرا ہے۔اس کی مثنوی ''قطب مشتری'' اس کی شاعرانہ صلاحیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے .اس مثنوی میں

انھوں نے قلی قطب شاہ کے عشق کی داستان بیان کی ہے۔اس مثنوی میں اس دور کے تمدن کی اچھی تصویر ملتی ہے۔ملا وجہی کو حیات جاوداں بخشنے والی کتاب ''سب رس'' ہے جس میں انھوں نے تمثیلی پیرائے میں تصوف کے مسائل بڑے دلکش انداز میں بیان کئے ہیں۔نثری ادب میں یہ کتاب ایک شاہ کار کی حیثیت رکھتی ہے۔لسانی نقطۂ نظر سے بھی اس کتاب کی کافی اہمیت ہے۔اس کی زبان مقفع و مسجع ہے لیکن اس میں ایک مخصوص ادبی شان موجود ہے۔اس کتاب کے سبب ملا وجہی کو اردو کا پہلا داستان نگار ہونے کا شرف حاصل ہوا۔قطب شاہی دور کا ایک اور بڑا شاعر غواصؔی ہے۔اس نے قصیدے، غزلیں، نظمیں، رباعیاں، اور مراثی کہے۔ ''سیف الملوک و بدیع الجمال''، ''طوطی نامہ''اور''مینا ستونتی''، جیسی مثنویاں تخلیق کرنے کا اعزاز انھیں حاصل ہے۔ ادبی حلقوں میں ان کی شہرت ان کی مشہور عشقیہ مثنوی ''سیف الملوک و بدیع الجمال'' کی وجہ سے ہے، یہ مثنوی الف لیلہ کی نثری داستان سے ماخوذ ہے۔مثنوی کے اشعار سادہ مگر دلکش ہیں۔غواصؔی نے مناظر فطرت اور جذباتی کیفیات کو بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔اس مثنوی سے غواصؔی کی قادرالکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔دو ہزار اشعار پر مشتمل یہ مثنوی اپنے اسلوب کی سلامت روانی اور شعری نزاکتوں کی بدولت کہیں زیادہ ترقی یافتہ معلوم ہوتی ہے۔

قطب شاہی عہد کا ایک بڑا شاعر ابن نشاطؔی ہے، جس نے اپنے فنی شعور اور فارسی رنگ و آہنگ سے دکنی اردو کو ایک نئی آب و تاب اور ادبی شان بخشی۔ان کی ادبی شان اور شاعرانہ صلاحیت کا جیتا جاگتا ثبوت اس کی بے مثال مثنوی ''پھول بن'' ہے، یہی مثنوی ان کی شاعری کا پہلا اور آخری نمونہ ہے۔تصویر کشی اور جذبات نگاری کے بہترین نمونے اس مثنوی میں ملتے ہیں۔ان مذکورہ شعراء کے علاوہ ملا قطبی، تحسین الدین نوری اور فائز کا بھی اس دور کے قابل ذکر شعراء میں شمار ہوتا ہے۔عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں کے خاتمہ کے بعد دکن مغلوں کے زیر اقتدار آ گیا۔ مغلوں کے عہد میں بھی دکن میں شعر و شاعری کا دور دورہ رہا۔اس دور میں عاجزؔ، بحریؔ، امینؔ، ولی ویلوری اور وجدیؔ وغیرہ جیسے کئی قابل ذکر شعراء گذرے ہیں اس دور کے شاعروں میں ولؔی دکنی اور سراؔج اورنگ آبادی کو جو شہرت ملی وہ کسی اور کو نصیب نہ ہوئی۔ولؔی دکنی کو اردو شاعری میں ایک معتبر مقام حاصل ہے۔ان کے ہم عصر اور بعد کے شعراء نے بھی انھیں اپنا استاد مانا ہے۔ان کی زبان بہت صاف، شستہ اور نکھری ہوئی ہے۔ان کے بیانات میں شیرینی اور حلاوت ہے۔حسن و عشق کے بیانات میں انھوں نے اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا جوہر دکھایا ہے۔عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی دونوں کا رنگ ان کی شاعری میں ملتا ہے۔اُردو غزل کو نیا رنگ و آہنگ اور نئی جہت دینے میں اولیت کا سہرا ولی دکنی کے سر ہے۔

دکنی شعراء میں ولؔی کے بعد سب سے بڑے شاعر سراؔج اورنگ آبادی ہیں۔سراؔج اورنگ آبادی کے کلیات میں غزلیں، قصیدے، مثنویاں، رباعیاں اور ترجیع بند اشعار شامل ہیں۔عشق ان کی شاعری کا بنیادی محور ہے۔جذبہ عشق اور سوز محبت کی وجہ سے ان کی شاعری اور

شخصیت میں بے نیازی اور خاکساری کی کیفیات پیدا ہوگئی ہیں۔سراؔج نے یوں تو چھوٹی بڑی بارہ مثنویاں لکھی ہیں لیکن "بوستان خیال" ان کی ایک طویل اور اہم عشقیہ مثنوی ہے۔جس میں سراؔج نے کسی فرضی قصے کو موضوع بنانے کے بجائے اپنے ذاتی واقعات کی ترجمانی کی ہے۔اس طرح مصنف کی ذاتی زندگی کی طرح ''بوستان خیال" عشق مجازی سے شروع ہوکر عشق حقیقی پر ختم ہوتی ہے۔جمیل جالبی کے مطابق سراؔج کا ضخیم کلیات جو تقریباً ساڑھے تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔سو، دوسو اشعار کو چھوڑ کر تصورِ عشق خالصتاً مادی اور مجازی ہے۔سراؔج کا تصورِ محبوب دکنی اردو کے دوسرے شاعروں کی طرح ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ۱۲۰۰ء سے ۱۷۰۰عیسوی تک کا زمانہ دکنی شعر و ادب کی ترقی وفروغ کا بہترین زمانہ ثابت ہوا۔۔اظہار کی بھرپور صلاحیت نہ رکھنے والی زبان نے آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے ایک ایسی زبان کا درجہ حاصل کرلیا جو ہر طرح کے جذبہ واحساس کی ترجمانی کرنے کے لائق ہوگئی۔اس دور میں جہاں مذہب وتصوف سے متعلق نثری رسالے تصنیف ہوئے وہیں دوسری اصناف شاعری میں بھی بہترین غزلیں اور مثنویاں لکھی گئیں جو فنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اپنے مقامی رنگ اور ہندوستانی عناصر کی وجہ سے بعد میں لکھی جانے والی مثنویوں سے کسی طرح کم نہیں۔اسی طرح وؔلی اور سراؔج کی غزلیں بھی اپنی فکری وفنی خوبیوں کی وجہ سے آنے والے شعراء کے لئے نمونے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

1.2.4:سرگرمی ۲۔(آو!اپنی معلومات کو جانچیں)

۱۔ عادل شاہی دور میں "نورس" نامی کتاب کس نے لکھی؟

(الف) محمد عادل شاہ (ب) علی عادل شاہ ثانی (ج) ابراہیم عادل شاہ ثانی (د) نصرتی۔

۲۔ علی نامہ" کس شاعر کی تصنیف ہے؟

(الف) غواصؔی (ب) نصرتؔی (ج) رستمؔی (د) عبدلؔ۔

۳۔ اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر کسے کہا جاتا ہے؟

(الف) وؔلی دکنی (ب) سراؔج اورنگ آبادی (ج) محمد قلی قطب شاہ (د) ابن نشاطؔی۔

۴۔ سب رس" نامی نثری شاہکار کس ادیب کی تصنیف ہے؟

(الف) غواصؔی (ب) ملاوجہؔی (ج) ابن نشاطؔی (د) نصرتؔی۔

۵۔ "سیف الملوک وبدیع الجمال" کس شاعر کی مثنوی ہے؟

(الف) نصرتی (ب) ابن نشاطی (ج) غواصی (د) ولی دکنی۔

۶۔ "پھول بن" نامی مثنوی کس شاعر نے لکھی؟

(الف) ملا وجہی (ب) نصرتی (ج) ابن نشاطی (د) عبدل۔

1.3: عمومی جائزہ/خلاصہ

یہ سبق اردو شاعری کی تاریخ کے اس ابتدائی اور نہایت اہم دور کا احاطہ کرتا ہے جس کا تعلق جنوبی ہند (دکن) سے ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ اردو زبان و ادب کی باقاعدہ ادبی تشکیل شمالی ہند سے پہلے دکن میں ہوئی۔ بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی ادوار میں اردو شاعری کو درباری سرپرستی، صوفیانہ فکر اور مقامی تہذیب کے امتزاج سے فروغ حاصل ہوا۔ سبق میں دکنی اردو کی لسانی ساخت، شعری اصناف (مثنوی، غزل، قصیدہ، نظم وغیرہ) اور اہم شعرا و ادبا کی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ، نصرتی، غواصی، ابن نشاطی، ولی دکنی اور سراج اورنگ آبادی جیسے شعرا نے اردو شاعری کو فکری گہرائی، فنی پختگی اور تہذیبی وسعت عطا کی۔ اس سبق سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ دکن اردو شاعری کا محض ابتدائی مرکز ہی نہیں بلکہ اس کی فکری و فنی بنیادوں کا اصل سرچشمہ بھی ہے۔

1.4: آپ نے کیا سیکھا؟

اس سبق کے مطالعے سے ہمیں درج ذیل اہم نکات سیکھنے کو ملتے ہیں:

۱۔ اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز جنوبی ہند (دکن) میں ہوا۔

۲۔ دکنی اردو، مختلف مقامی اور غیر مقامی زبانوں کے امتزاج سے وجود میں آئی۔

۳۔ صوفیائے کرام اور علما نے اردو زبان کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا۔

۴۔ بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی ادوار اردو شاعری کے سنہری ادوار ثابت ہوئے۔

۵۔ دکنی شاعری میں مذہب، تصوف، عشق، حسن اور مقامی تہذیب نمایاں موضوعات ہیں۔

٦۔ محمد قلی قطب شاہ اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔

٧۔ مثنوی دکنی شاعری کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ صنف رہی۔

٨۔ ولی دکنی نے اردو غزل کو نیا اسلوب اور نئی سمت عطا کی۔

٩۔ سراج اورنگ آبادی نے عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی تک کے سفر کو شاعری میں پیش کیا۔

١٠۔ دکنی شاعری نے شمالی ہند کی اردو شاعری کی فکری و فنی تشکیل پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

1.5 : فرہنگ

لفظ۔		معنی
1۔ ارتقاء	:	بتدریج ترقی
2۔ دکنی	:	جنوبی ہند کی اردو
3۔ سرپرستی	:	حفاظت و اعانت
4۔ تصوف	:	روحانی پاکیزگی کا راستہ
5۔ مثنوی	:	دو مصرعوں والی طویل نظم
6۔ تہذیب	:	سماجی و ثقافتی روایات
7۔ فکری	:	سوچ سے متعلق
8۔ فنی	:	فن سے متعلق
9۔ لسانی	:	زبان سے متعلق
10۔ مقفع	:	ہم قافیہ نثر
11۔ مسجع	:	ہم آواز جملوں والی نثر
12۔ قادرالکلامی	:	زبان وادب پر مکمل عبور

13۔ تمدن : معاشرتی نظام

14۔ ہندوستانیت : مقامی ہندوستانی رنگ

15۔ عشقِ مجازی : دنیاوی محبت

16۔ عشقِ حقیقی : خدا سے محبت

17۔ داستان : طویل خیالی قصہ قصہ

18۔ شعری نزاکت : شاعری کی لطافت

19۔ تخلیق : نیا ادب پیدا کرنا

20۔ آہنگ : لہجہ اور صوتی ترتیب

1.6: خود جانچ سوالات

اردو شاعری کے آغاز میں جنوبی ہند (دکن) کو اوّلین مرکز کیوں قرار دیا جاتا ہے؟

دکنی اردو کن زبانوں کے امتزاج سے وجود میں آئی؟

بہمنی سلطنت نے اردو زبان و ادب کے فروغ میں کیا کردار ادا کیا؟

محمد قلی قطب شاہ کو اردو شاعری میں کون سا تاریخی امتیاز حاصل ہے؟

ولی دکنی نے اردو غزل کو کس طرح نیا رنگ و آہنگ عطا کیا؟

1.7: مشقی سوالات

ا۔ جنوبی ہند میں اردو شاعری کے ارتقاء کے اسباب پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

۲۔ عادل شاہی دور کی اردو شاعری کا فکری و فنی جائزہ پیش کریں۔

۳۔ قطب شاہی دور کے اہم شعرا اور ان کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالیں۔

۴۔ دکنی اردو شاعری میں تصوف اور ہندوستانی تہذیب کے اثرات کا تجزیہ کریں۔

۵۔ ولی دکنی اور سراج اورنگ آبادی کی شاعری کا تقابلی مطالعہ پیش کریں۔

1.7.0: مشقی سوالات کے جوابات

سوال 1: جنوبی ہند میں اردو شاعری کے ارتقاء کے اسباب پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

جواب: جنوبی ہند (دکن) میں اردو شاعری کے ارتقاء کے متعدد سیاسی، سماجی، تہذیبی اور مذہبی اسباب ہیں۔ سب سے اہم سبب دکن کی سلطنتوں، خصوصاً بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی حکمرانوں کی علم و ادب سے وابستگی اور اردو زبان سے ہمدردانہ رویہ تھا۔ ان حکمرانوں نے شعرا اور ادبا کی نہ صرف سرپرستی کی بلکہ بعض خود بھی شاعر تھے، جس کے نتیجے میں اردو شاعری کو فروغ ملا۔ دوسرا اہم سبب دہلی سے دکن کی طرف علما، فضلا اور صوفیائے کرام کی ہجرت ہے، جو محمد بن تغلق کے دور میں عمل میں آئی۔ ان علما و صوفیا نے عوام سے قریبی تعلق قائم کیا اور عوامی زبان میں مذہبی و اخلاقی افکار پیش کیے، جس سے اردو شاعری کو قبولِ عام حاصل ہوا۔ اس کے علاوہ دکن کا کثیر الثقافتی ماحول، مختلف زبانوں اور تہذیبوں کا امتزاج اور مقامی بولیوں کا اثر اردو شاعری کے ارتقاء میں معاون ثابت ہوا۔ یوں جنوبی ہند اردو شاعری کی اولین اور مضبوط بنیاد بن گیا۔

سوال 2: عادل شاہی دور کی اردو شاعری کا فکری و فنی جائزہ پیش کریں۔

جواب: عادل شاہی دور اردو شاعری کی تاریخ کا ایک اہم اور زرخیز عہد ہے۔ اس دور میں اردو شاعری کو درباری سرپرستی حاصل ہوئی اور شعرا نے مذہبی، تصوفی، عشقیہ اور تہذیبی موضوعات کو شاعری کا حصہ بنایا۔ ابتدا میں اس دور کی شاعری پر تصوف اور مذہب کا غلبہ رہا، جیسا کہ شاہ میراں جی، برہان الدین جانم اور امین الدین اعلی کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے۔ فنی اعتبار سے عادل شاہی دور میں مثنوی کو خاص فروغ حاصل ہوا۔ نصرتی، رستمی، ملک خوشنود اور عبدل جیسے شعرا نے مثنوی کو فکری وسعت اور فنی پختگی عطا کی۔ نصرتی کی "علی نامہ" اور "گلشن عشق" اس عہد کی نمائندہ تخلیقات ہیں۔ زبان سادہ، رواں اور مقامی رنگ سے آراستہ ہے، جو دکنی اردو کی شناخت بن گئی۔ اس طرح عادل شاہی دور اردو شاعری کے فکری استحکام اور فنی نکھار کا زمانہ ثابت ہوا۔

سوال 3: قطب شاہی دور کے اہم شعرا اور ان کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالیں۔

جواب: قطب شاہی دور اردو شاعری کا ایک درخشاں عہد ہے۔اس دور کے سب سے نمایاں شاعر محمد قلی قطب شاہ ہیں، جو اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ان کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب، مقامی زندگی اور رنگ و مستی کی جھلک نمایاں ہے۔ان کے کلام میں غزل، مثنوی، مرثیہ اور نظم جیسی اصناف شامل ہیں۔اس دور کے ایک اور اہم شاعر ملا وجہی ہیں، جن کی مثنوی "قطب مشتری" اور نثری شاہکار "سب رس" اردو ادب میں بے مثال حیثیت رکھتے ہیں۔غواصی نے "سیف الملوک و بدیع الجمال" جیسی عشقیہ مثنوی تخلیق کر کے اپنی قادرالکلامی کا ثبوت دیا۔ابن نشاطی کی مثنوی "پھول بن" فنی نزاکت اور تصویری حسن کی عمدہ مثال ہے۔ان شعرا کی خدمات نے اردو شاعری کو فکری گہرائی اور فنی بالیدگی عطا کی۔

سوال4: دکنی اردو شاعری میں تصوف اور ہندوستانی تہذیب کے اثرات کا تجزیہ کریں۔

جواب: دکنی اردو شاعری پر تصوف کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔صوفیائے کرام نے عوامی زبان میں روحانی افکار پیش کیے، جس کے باعث اردو شاعری میں عشقِ حقیقی، اخلاقی پاکیزگی اور انسان دوستی کے عناصر نمایاں ہوئے۔شاہ میراں جی، برہان الدین جانم اور امین الدین اعلیٰ کی شاعری تصوف سے بھرپور ہے۔اس کے ساتھ ساتھ دکنی شاعری میں ہندوستانی تہذیب کا عکس بھی نمایاں ہے۔مقامی رسوم، تہوار، قدرتی مناظر، عوامی زندگی اور ہندوستانی سماج کی تصویریں شاعری میں جگہ پاتی ہیں۔محمد قلی قطب شاہ کی شاعری اس کی بہترین مثال ہے۔یوں تصوف کی روحانیت اور ہندوستانی تہذیب کے امتزاج نے دکنی اردو شاعری کو ایک منفرد شناخت عطا کی۔

سوال5: ولی دکنی اور سراج اورنگ آبادی کی شاعری کا تقابلی مطالعہ پیش کریں۔

جواب: ولی دکنی اور سراج اورنگ آبادی دونوں دکنی اردو شاعری کے نمایاں ستون ہیں، تاہم ان کی شاعری کے رجحانات میں فرق پایا جاتا ہے۔ ولی دکنی نے اردو غزل کو نیا رنگ و آہنگ عطا کیا اور اس صنف کو فکری وسعت اور لسانی شستگی بخشی۔ان کی شاعری میں عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی دونوں کے رنگ ملتے ہیں اور زبان سادہ، شیریں اور دلکش ہے۔

اس کے برعکس سراج اورنگ آبادی کی شاعری میں عشق مرکزی حیثیت رکھتا ہے، جو بتدریج عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کی طرف سفر کرتا ہے۔ان کی مثنوی "بوستان خیال" ان کے ذاتی تجربات کی آئینہ دار ہے۔سراج کی شاعری میں سوز، گداز اور روحانی کیفیت زیادہ نمایاں ہے۔ اس طرح ولی دکنی نے اردو غزل کی بنیاد مضبوط کی جبکہ سراج اورنگ آبادی نے اسے فکری و روحانی گہرائی عطا کی۔

1.8: جوابات (سرگرمی۔۱)

۱۔ جنوبی ہند (دکن)

۲۔ عربی، فارسی، سنسکرت اور مقامی بولیاں

۳۔ محمد بن تغلق

۴۔ کدم راؤ پدم راؤ

۵۔ نظامی بیداری

1.8.1: جوابات (سرگرمی ۲)

۱۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی

۲۔ نصرتی

۳۔ محمد قلی قطب شاہ

۴۔ ملا وجہی

۵۔ ابن نشاطی

۶۔ ابن نشاطی

۷۔ مثنوی

1.9: امدادی کتب

۱۔دکن میں اردو — نصیر الدین ہاشمی

۲۔مقدمہ تاریخ زبان اردو — مسعود حسین خان

۳۔دکنی ادب کی تاریخ — عبدالقادر سروری

۴۔حیدرآباددکن میں اردوشاعری(1960 تک)	—	ناہیدہ سلطانہ
۵۔دکنی اردو: تاریخ اور ساخت	—	رتھ لیلا شمٹ
۶۔دکن میں اردوشاعری	—	جمیل جالبی
۷۔دکنی ادب کا ارتقا	—	گیان چند جین

سبق2۔اردوشاعری کا آغاز وارتقاء (شمالی ہند)

ساخت

2.0 اغراض ومقاصد

2.1 تعارف

2.2 اردوشاعری کا آغاز وارتقاء(شمالی ہند)

2.2.1 شمالی ہند میں اردوشاعری کا عہد زریں

2.2.2 سرگرمی(آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

2.3 شمالی ہند کی معاصر اردوشاعری

2.4 عمومی جائزہ

2.4.1 آپ نے کیا سیکھا؟

2.5 فرہنگ

2.6 خود جانچ سوالات/امتحانی سوالات

2.7 مشقی سوالات

2.7.1 مشقی سوالات کے جوابات

2.8 جواباتِ سرگرمی

2.9 امدادی کتب

2.0: اغراض ومقاصد

اس سبق کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ آپ شمالی ہند میں اردو شاعری کے آغاز، ارتقاء اور مختلف تاریخی مراحل سے گہری واقفیت حاصل کریں اور یہ سمجھ سکیں کہ اردو شاعری کس طرح برصغیر کی تہذیبی، سماجی اور فکری تبدیلیوں کی عکاس رہی ہے۔ اس کے ذریعے آپ میں یہ شعور پیدا کرنا مقصود ہے کہ اردو شاعری صرف فنی اظہار نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیبی اور فکری روایت ہے جس میں زبان، معاشرہ اور تاریخ ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ مزید برآں، اس سبق کا مقصد شمالی ہند کے دو بڑے دبستانوں دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ کے فکری وفنی امتیازات کو واضح کرنا، اہم شعرا کے انفرادی اسلوب اور ادبی خدمات کو سمجھانا اور اردو شاعری میں رائج مختلف رجحانات جیسے ایہام گوئی، تصوف، اصلاحِ زبان، داخلیت اور مقصدیت کا تنقیدی مطالعہ کروانا ہے۔ اس سبق کے ذریعے آپ میں تحقیقی وتنقیدی صلاحیت کو فروغ دینا اور اردو شعری روایت کے تسلسل اور تبدیلی کے عمل کو سمجھنے کی اہلیت پیدا کرنا بھی پیشِ نظر ہے۔

2.1: تعارف

اردو شاعری برصغیر کی تہذیبی، لسانی اور فکری تاریخ کی ایک نہایت اہم اور نمائندہ روایت ہے، جس کا آغاز اور ارتقاء براہِ راست شمالی ہند کی سماجی وثقافتی فضا سے وابستہ ہے۔ یہ وہ خطہ ہے جہاں صدیوں تک مختلف قومیں، زبانیں اور تہذیبیں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ رہیں اور اسی تہذیبی اختلاط کے نتیجے میں اردو زبان نے ایک مستقل اور توانا ادبی زبان کی حیثیت اختیار کی۔ شمالی ہند میں بولی جانے والی مقامی زبانیں، کھڑی بولی، برج، اودھی، اور ان پر فارسی وعربی زبان وادب کے اثرات نے مل کر اردو شاعری کے لیے ایک ایسی فضا فراہم کی جس میں احساس، تخیل اور فکر کا حسین امتزاج ممکن ہوا۔ اردو شاعری کا ابتدائی نقش امیر خسرو کے ریختہ کلام میں نمایاں ہوتا ہے، جہاں زبانِ عوام پہلی بار شعری اظہار کا وسیلہ بنتی ہے۔ اس کے بعد اگرچہ ایک طویل عرصے تک شعری سرگرمی نسبتاً محدود رہی، تاہم اٹھارہویں صدی میں ولی دکنی کی دہلی آمد نے شمالی ہند میں اردو شاعری کو باضابطہ طور پر فروغ دیا۔ اس دور سے دہلی اور بعد ازاں لکھنؤ اردو شاعری کے بڑے مراکز بن کر سامنے آئے، جہاں دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ نے فکری وفنی سطح پر اردو شاعری کو نئی جہات عطا کیں۔

شمالی ہند کی اردو شاعری میں ایہام گوئی، تصوف، داخلیت، خارجیت، معاملہ بندی، اصلاحِ زبان اور فکری بالیدگی جیسے رجحانات وقتاً فوقتاً نمایاں ہوتے رہے۔ میر، سودا، درد، غالب، ناسخ، آتش، انیس، دبیر اور داغ جیسے عظیم شعرا نے اردو شاعری کو نہ صرف فنی اعتبار سے نکھارا بلکہ

اسے سماجی شعور، فلسفیانہ گہرائی اور تہذیبی وقار سے بھی ہمکنار کیا۔ بعد کے ادوار میں علی گڑھ تحریک، علامہ اقبال اور ترقی پسند تحریک کے اثرات نے اردو شاعری کو محض جذباتی اظہار سے نکال کر فکری، سماجی اور مقصدی ادب کی سمت موڑ دیا۔ یہ سبق شمالی ہند میں اردو شاعری کے آغاز سے لے کر جدید فکری رجحانات تک کے ارتقائی سفر کو ایک منظّم اور تحقیقی تناظر میں پیش کرتا ہے، تاکہ طلبہ اردو شاعری کی تاریخی تشکیل اور فکری معنویت کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

2.2: اردو شاعری کا آغاز وارتقاء (شمالی ہند)

اردو زبان و ادب کی تاریخ برصغیر کی تہذیبی، لسانی اور فکری تاریخ سے گہرا ربط رکھتی ہے۔ شمالی ہند وہ خطہ ہے جہاں مختلف زبانیں، تہذیبیں اور ثقافتیں صدیوں سے باہم آمیزش کے عمل سے گزرتی رہی ہیں۔ اسی تہذیبی اختلاط کے نتیجے میں اردو زبان نے جنم لیا اور رفتہ رفتہ ایک توانا ادبی زبان کی صورت اختیار کی۔ اردو شاعری کا آغاز بھی اسی سرزمین سے ہوا، جہاں عوامی بولیوں، فارسی اور عربی روایتوں نے مل کر ایک نئی شعری فضا تشکیل دی۔ شمالی ہند میں تیرہویں صدی کے آخر میں امیر خسرو کا کلام ملتا ہے۔ انہوں نے اپنے گیت، غزلیں اور پہیلیاں زبان دہلی میں تخلیق کیں، اس طرح امیر خسرو اردو اور شمالی ہند کا وہ پہلا شاعر ہے جس نے اُردو میں ریختہ گوئی کی روایت قائم کی جس میں کھڑی بولی کی جھلک نظر آتی ہے۔ امیر خسرو سے منسوب مندرجہ ذیل ریختہ میں کھڑی بولی کا روپ واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے:

ز حال مسکیں مکن تغافل در آئے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں نہ دارم اے جاں نہ لیہو کا ہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلت چوں عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

امیر خسرو کی شاعری کے بعد شمالی ہند میں تین سو سال تک سناٹا چھایا رہا۔ گرونانک، کبیر، نام دیو اور میراں بائی سے منسوب بعض اشعار میں کھڑی بولی کا نکھرا ہوا روپ نظر آتا ہے لیکن شمالی ہند میں مستقل شعری تصنیف کے طور پر محمد افضل افضل (افضل پانی پتی یا افضل جھنجھانوی) کی "بکت کہانی" سامنے آتی ہے۔ مسعود حسین خاں نے'' بکٹ کہانی '' کو شمالی ہند میں اُردو کا پہلا مستند نمونہ قرار دیا ہے۔

بکٹ کہانی'' کے بعد شمالی ہند کی دوسری اہم تصنیف آغا روشن علی کا عاشور نامہ ہے جو 1888ء میں لکھا گیا، اس کو ڈاکٹر مسعود حسین خاں

نے شائع کیا۔ روشن علی کے ''عاشور نامہ" کا تذکرہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''تاریخ ادب اردو" میں کیا ہے اور سفارش حسین کی کتاب "اُردو میں مرثیہ'' میں بھی اس تصنیف کا ذکر ملتا ہے۔ اٹھارہویں صدی میں دہلی میں ولی دکنی کی آمد کو شمالی ہند میں اُردو شاعری کا باقاعدہ آغاز قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ شمالی ہند میں ولی دکنی کے زیراثر جن شعراء نے اُردو میں طبع آزمائی کی ان میں سب پہلے دو اہم نام مرزا جعفر زٹلی اور فائز دہلوی کے ہیں۔ جعفر زٹلی نے اربابِ اقتدار پر طنز کے تیکھے وار کیے ہیں اور اپنے عہد کے مسائل کو بڑے اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ اس زمانے میں ایک بڑے شاعر فائز دہلوی ہیں جن کے اشعار میں تغزل کی پوری شان موجود ہے۔ جعفر زٹلی اور فائز دہلوی کے بعد اٹھارہویں صدی کے اوائل میں حاتم، آبرو، مضمون، شاکر، ناجی اور یکرنگ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ایہام گوئی ان شعراء میں بطور خاص شامل تھی۔ آبرو اور حاتم کا کلام اس معنی میں اس دور کا صحیح نمائندہ ہے۔ جگہ جگہ پر ہندی تشبیہوں، استعاروں اور ہندی الفاظ کا استعمال بھی زیادہ ہوا ہے۔

ولی دکنی کا دیوان دہلی پہنچنے کے بعد ایسا مقبول ہوا کہ اس کے اشعار زبان زدعام گئے۔ اس دیوان کو دیکھ کر دہلی کے شعرا میں یہ ولولہ پیدا ہوا کہ وہ بھی ایسی ہی شاعری اور ایسا ہی دیوان مرتب کریں۔ اس سے پہلے شمال والوں نے فارسی طرز پر مرتب کیا جانے والا دیوان اردو نہیں دیکھا تھا۔ ولی دکنی کا یہ دیوان ان کے سامنے پہلا باقاعدہ اردو دیوان تھا جیسا کہ حاتم کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے جس شخص نے اس فن میں سب سے پہلے دیوان مرتب کیا وہ (ولی) تھا۔ اس کی غزلیں تو اُردو میں تھیں لیکن مزاج، آہنگ، ترکیب و بندش اور مضامین کے اعتبار سے وہ فارسی غزلوں کی طرح تھیں۔ ولی دکنی کی غزلوں میں ترکیبات، تشبیہات اور استعارات اس قدر چست اور دلکش ہیں کہ شعر میں جان ڈال دیتے ہیں۔ انھوں نے نئی نئی تشبیہات وضع کیں جس نے ایک طرف کلام کی اہمیت وقدر میں اضافہ کیا تو دوسری طرف اُردو کے دامن کو وسیع کیا۔ ولی دکنی کے کلام میں ہندوستانی عنصر نمایاں ہے۔ ہندوستانی تلمیحات، فارسی محاورات وتراکیب اور ہندی الفاظ کو بھی انھوں نے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

ولی کا ایک بلاواسطہ اثر دہلی کی شاعری پر یہ پڑا کہ شمالی ہند میں شعر گوئی کی ابتدا ان شعرا کے ہاتھوں ہوئی جنھوں نے ولی کے اتباع میں شعر کہنا شروع کیا۔ ولی کی تقلید میں دلی کا ہر شاعر صاحب دیوان ہونا چاہتا تھا لیکن انھیں ریختہ پر عبور نہ تھا اس لیے ایہام گوئی کا سلسلہ شروع ہوا جس کا زمانہ میر وسودا کے وقت تک رہا۔ ولی کے دیوان میں فارسی شعراء کے دواوین کی طرح حقیقی جذبات واحساسات کی ترجمانی تھی۔ فلسفہ و تصوف بھی تھا، حسن وعشق بھی تھا اور زندگی کے عام تجربات ومشاہدات بھی تھے۔ اس کلام کو دیکھ کر نئے شعراء کو یوں محسوس ہوا کہ یہی وہ شاعری ہے جس کی انھیں تلاش تھی اور یہ کہ وہ خود بھی ایسی ہی شاعری کر سکتے ہیں کیوں کہ یہ شاعری فارسی کے بجائے اُردو میں تھی۔ دیوان ولی نے ان

شعراء کی تخلیقی قوتوں کو اک کھلا راستہ دکھا دیا۔ دیوان ولی کا یہ اثر براعظم کے سارے اردو شعراء پر پڑا یوں دیوان ولی سب کے لیے ایک نمونہ بن گیا۔ دکن میں سراج اورنگ آبادی اور ان کے مصاصرین اسی رنگ سخن کی پیروی کر کے اس پر فخر کر رہے تھے۔ دہلی میں آبرو، ناجی مضمون، حاتم، یکرنگ اور فائز وغیرہ دیوان ولی کو آنکھوں کا سرمہ بنائے ہوئے تھے۔ اس طرح شمالی ہند میں ابتدائی دور میں اردو شاعری دکنی اثرات کے زیرِ سایہ پروان چڑھی لیکن شمالی ہند میں اس نے جلد ہی اپنی جداگانہ شناخت قائم کر لی۔ دہلی، آگرہ، لکھنؤ اور دیگر مراکزِ علم وادب اردو شاعری کے فروغ میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ شمالی ہند میں اردو شاعری چار ادوار پر مشتمل ہے۔ ابتدائی دور کے شاعروں میں ولی کے بعد جعفر زٹلی اور فائز دہلوی وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ ان شعراء نے ابتدائی دور میں فحاشی اور ہنرل گوئی کی طرف توجہ دی۔ دوسرے دور کے شعرا میں خان آرزو، آبرو، مضمون، یک رنگ، حاتم، شاکر اور ناجی نے ایہام گوئی کو فروغ دیا۔ ان شعراء نے ولی کے اثرات کو تیزی سے قبول کیا اور عام بول چال کی زبان (ریختہ) میں ایسی غزلیں کہیں جس سے عوام اور خواص دونوں لطف اندوز ہوئے۔ اس عہد میں ایہام گوئی کا بہت رواج ہو گیا تھا اور یہ شاعری کی ترقی کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ تھی۔ آخر کار اس کے خلاف ردعمل شروع ہوا۔ خود حاتم نے اپنے دیوان سے ایہام گوئی کے اشعار خارج کر کے ''دیوان زادہ'' کے عنوان سے دیوان مرتب کیا۔ شمالی ہند کے تیسرے دور میں مرزا مظہر جان جاناں نے ایہام گوئی کے خلاف با قاعدہ ایک تحریک چلا کر اردو شاعری کو اس اصطلاح سے نجات دلائی۔ اب شاعری تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کرنے لگی۔ اس لئے بعض ناقدین نے مظہر جان جاناں کو دبستان دہلی کا بانی قرار دیا ہے۔ میر، سودا اور درد اس عہد کے نمائندہ شاعر ہیں۔ ان شعراء نے اُردو غزل کو داخلیت، خارجیت اور تصوف کی فضا سے مالا مال کیا۔ میر نے آپ بیتی کے پیرائے میں جگ بیتی کو پیش کیا۔ سودا نے شہر آشوب لکھ کر دہلی کی بربادی کا مذاق اڑایا اور درد چونکہ صوفی تھے اس لئے انہوں نے تصوف کے سائے میں پناہ لی۔

شمالی ہند میں نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں سید ہلی کی بربادی پر اس دور کا خاتمہ ہوا۔ اس شہر میں رہنا دشوار ہو گیا تو خواجہ میر درد کو چھوڑ کر باقی اہل کمال دہلی کو خیر آباد کہہ کر لکھنؤ چلے گئے۔ ان میں میر ضاحک، سوز اور سودا وغیرہ تو پہلے ہی اودھ پہنچ کر یہاں کے مشاعروں میں مقبولیت حاصل کر چکے تھے لیکن یہ شعراء اپنے مخصوص دہلوی طرز فکر پر قائم رہے۔ ان کے بعد میر حسن، جرات، انشاء اور تمکین وغیرہ لکھنو پہنچتے ہیں اور یہیں سے دبستان لکھنو کی بنیاد پڑتی ہے۔ جرآت کا مزاج ہمیشہ سے معاملہ بندی کی طرف مائل تھا۔ لکھنو کے رنگین ماحول میں شاعری کا یہ انداز بہت مقبول ہوا اور دوسرے شاعر بھی اسی رنگ میں رنگتے چلے گئے۔ لکھنو کے غیر سنجیدہ ماحول سے اخلاقی قدروں کا ایسا زوال ہو گیا کہ انشا اور

مصحفی کی شاعرانہ چشمک نے دشنام اور ہنرل گوئی کی شکل اختیار کر لی۔ مصحفی اور جرآت نے دوغزلہ اور سہ غزاہ کی رسم کو بھی ایجاد کیا۔

شمالی ہند میں کچھ عرصے بعد خصوصاً دہلی میں شعر وسخن کی محفلیں پھر سے آراستہ ہونے لگیں۔ دبستان دہلی کے چوتھے دور کو پروفیسر نورالحسن نقوی نے اُردو شاعری کا دورِ عروج" کہا ہے۔اس عہد کے شعراء میں ایک طرف شاہ نصیر، ذوق اور ظفر نظر آتے ہیں، جن کی زیادہ توجہ زبان وبیان پر رہی۔ دوسری طرف غالب اور مومن جیسے شہوار ہیں۔ غالب نے اُردو غزل کو ذہن دیا، سوچنا سکھایا اور ایک ایسا اسلوب عطا کیا جو فکر کی گرمی کا ساتھ دے سکے۔ مومن نے خالص عشقیہ شاعری کی اور اُردو غزل کو نازک خیالی، معاملہ بندی اور مضمون آفرینی سے پوری طرح روشناس کروایا۔ شمالی ہند میں دوسری طرف ناسخ اور آتش نے دبستان لکھنو کی بنیاد ڈالی۔ یہ دونوں خالص لکھنوی شاعر ہیں جو یہیں کی خوشگوار فضا میں پلے بڑھے تھے۔ان دونوں کے شاگردوں کا اپنا اپنا وسیع حلقہ تھا۔ ناسخ کا عظیم کارنامہ اصلاح زبان ہے۔اسی لئے ہمارے اکثر ناقدین نے انہیں ادبی ڈکٹیٹر" قرار دیا ہے۔ لکھنو کی انفرادیت انہی کے دم سے ہے۔ انہوں نے زبان کے قوائد وضوابط مقرر کر کے جس لفظ یا محاورے کو رد کیا وہ زبان سے خارج کر دیا گیا۔ ناسخ کے شاگردوں میں وزیر، برق، رشک، بحر اور منیر وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔ آتش صوفیانہ اور قلندرانہ مزاج رکھتے تھے۔ انہوں نے شاعری کو مرصع سازی‘‘ سے تعبیر کیا ہے۔ان کے نزدیک شعر کہنا موتی پرونے کے برابر ہے۔انہوں نے شاعری میں سنجیدہ، پاکیزہ اور صوفیانہ مضامین داخل کر کے لکھنو کی خامیوں کو سدھارنے کی کوشش کی ہے۔ رند، نسیم اور شوق وغیرہ آتش کے اہم شاگرد ہیں۔

شمالی ہند میں اور خاص کر لکھنو میں غزل کے علاوہ دوسری اصناف کو بھی فروغ ملا۔ پنڈت دیا شنکر نسیم نے مثنوی گلزار نسیم‘‘ لکھ کر بقائے دوام کے دربار میں جگہ پائی۔ میر حسن اور نسیم کے بعد مرزا شوق اردو کے تیسرے بڑے مثنوی نگار ہیں زہر عشق اس کا زندہ ثبوت ہے۔ دبستان لکھنو نے غزل اور مثنوی کو ہی نہیں بلکہ صنف مرثیہ کو بھی بلندیوں تک پہنچایا۔اس دبستان نے انیس اور دبیر جیسے شعراء پیدا کیے جنہوں نے مرثیہ کو وہ عروج بخشا کہ اُس کے بعد آج تک اس صنف میں مزید اضافہ نہ ہوسکا۔ داغ دہلوی شمالی ہند کے آخری شاعر ہیں۔ ان کے نزدیک زبان کا چٹخارہ ہی شعر کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اس لئے زبان واسلوب کے حوالے سے داغ کا شمار دبستان دہلی کے نمائندہ شعراء میں ہوتا ہے۔

داغ دہلوی کے بعد شمالی ہند میں اردو شاعری ایک واضح تبدیلی کے مرحلے میں داخل ہوتی ہے۔ اس دور میں کلاسیکی دہلی مکتبِ شاعری کی وہ فضا باقی نہیں رہتی جو محاورے کی صفائی، عشقیہ مضامین اور استادانہ رکھ رکھاؤ پر قائم تھی۔ سیاسی زوال، سماجی انتشار اور تہذیبی ٹوٹ پھوٹ نے شاعروں کو نئے سوالات سے دوچار کیا، جس کے نتیجے میں شاعری کا مزاج بتدریج رومانیت سے نکل کر فکری اور سماجی شعور کی طرف مائل ہونے لگا۔ اگرچہ

ابتدا میں جگر مرادآبادی، اصغر گونڈوی اور سیماب اکبرآبادی جیسے شعرا نے داغ کی غزل کی روایت کو آگے بڑھایا، مگر یہ روایت اب محض ایک ادبی تسلسل تھی، اس میں نئی زندگی کی حرارت کم دکھائی دیتی ہے۔

اسی زمانے میں علی گڑھ تحریک کے اثرات شاعری پر مرتب ہونے لگے، جس نے اردو ادب کو جدید تعلیم، عقلیت اور اصلاحِ معاشرہ کے تصورات سے روشناس کرایا۔ شاعری میں مقصدیت کا رجحان پیدا ہوا اور نظم کو اظہار کا زیادہ موزوں ذریعہ سمجھا جانے لگا۔ شاعر فرد کے ذاتی جذبات کے ساتھ ساتھ قوم، تہذیب اور اجتماعی مسائل پر بھی توجہ دینے لگے۔ یہ وہ مرحلہ تھا جہاں اردو شاعری محض ذاتی واردات کے بیان سے آگے بڑھ کر سماجی ذمہ داری کا احساس اختیار کرتی ہے۔ علامہ اقبالؔ کے ظہور کے ساتھ شمالی ہند کی اردو شاعری ایک ہمہ گیر فکری انقلاب سے گزرتی ہے۔ اقبالؔ نے شاعری کو فلسفہ، تاریخ اور ملت کے شعور سے ہم آہنگ کیا اور فرد کو خودی، عمل اور حرکت کا پیغام دیا۔ ان کی شاعری نے اردو نظم اور غزل دونوں کو فکری وسعت عطا کی اور شاعری کو خواب و خیال کے بجائے بیداری اور عمل کا وسیلہ بنا دیا۔ اقبالؔ کے بعد شاعری میں فکر کی گہرائی اور مقصد کی شدت مزید نمایاں ہو جاتی ہے۔

بعد ازاں ترقی پسند تحریک کے اثر سے شمالی ہند کی اردو شاعری سماجی حقیقت نگاری کی طرف مائل ہوتی ہے، جہاں استحصال، غربت، طبقاتی کشمکش اور انسانی مسائل کو شعری اظہار ملتا ہے۔ اس طرح داغؔ دہلوی کے بعد اردو شاعری شمالی ہند میں محض روایت کی پاسدار نہیں رہتی بلکہ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کرتی ہوئی ایک ہمہ جہت فکری اور فنی ارتقاء کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ میر، سودا، غالب، آتش، ناسخ، انیس، دبیر اور میر حسن کی انفرادیت اور اجتہادی شان اور فکر و فن کے حسین امتزاج کی وجہ سے آج بھی عظیم شعراء تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان کے فن کی تابناکی سے شمالی ہند ہی نہیں بلکہ پورے برصغیر کا ایوان ادب جگمگا رہا ہے۔

2.2.2: شمالی ہند میں اردو شاعری کا عہد زریں

شمالی ہند میں اردو شاعری کا عہدِ زرّیں اردو ادب کی تاریخ کا وہ درخشاں اور یادگار دور ہے جس میں اردو شاعری فکری گہرائی، فنی پختگی اور تہذیبی وقار کے اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچی۔ اس عہد کا تعلق بنیادی طور پر اٹھارہویں صدی کے وسط سے لے کر انیسویں صدی کے وسط تک کے زمانے سے ہے، جب دہلی اور لکھنؤ برصغیر میں اردو زبان و ادب کے سب سے بڑے مراکز کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس دور میں اردو شاعری نہ صرف زبان و بیان کے اعتبار سے بالغ ہوئی بلکہ اس میں انسانی جذبات، سماجی تجربات اور فکری سوالات کی ایسی ہمہ گیر ترجمانی ہوئی جس نے

اسے ایک مکمل تہذیبی اظہار بنا دیا۔

اس عہدِ زرّیں کی ابتدا دبستانِ دہلی کے عروج سے ہوتی ہے، جہاں میر تقی میر، خواجہ میر درد اور مرزا محمد رفیع سودا جیسے عظیم شعرا نے اردو غزل کو فکری اور جذباتی وسعت عطا کی۔ میر کی شاعری میں انسانی دکھ، داخلی کرب اور زندگی کے المیے نہایت سادہ مگر اثر انگیز انداز میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ انہوں نے ذاتی تجربات کو اجتماعی احساس میں ڈھال کر غزل کو ایک آفاقی حیثیت دی۔ سودا نے اپنے شہر آشوبوں اور ہجویہ شاعری کے ذریعے دہلی کی سیاسی و سماجی تباہی کی تصویر کشی کی اور اردو شاعری کو اجتماعی شعور سے جوڑا۔ میر درد نے تصوف کے ذریعے شاعری کو روحانی گہرائی عطا کی اور عشقِ حقیقی اور باطنی تجربے کو شاعری کا مرکز بنایا۔ اسی عہد میں دہلی کی علمی و ادبی روایت نے ایک نئی بلندی اس وقت حاصل کی جب مرزا غالب منظرِ عام پر آئے۔ غالب نے اردو غزل کو فکری پیچیدگی، فلسفیانہ سوالات اور ذہنی ارتکاز سے ہمکنار کیا۔ انہوں نے روایت سے وابستگی رکھتے ہوئے اس میں جدت پیدا کی اور اردو شاعری کو سوچنے اور سوال اٹھانے کا حوصلہ دیا۔ غالب کی شاعری اس عہدِ زرّیں کی فکری معراج سمجھی جاتی ہے، جہاں زبان محض اظہار کا وسیلہ نہیں بلکہ فکر کی گہرائی کا آئینہ بن جاتی ہے۔

دوسری جانب لکھنؤ میں اردو شاعری نے ایک الگ مگر نہایت توانا صورت اختیار کی۔ دبستانِ لکھنؤ میں ناسخ اور آتش جیسے شعرا نے زبان، اسلوب اور فنی نزاکت کو خاص اہمیت دی۔ ناسخ نے اصلاحِ زبان کے ذریعے اردو کو ایک معیاری اور شستہ شکل دی، جب کہ آتش نے شاعری کو سنجیدگی، اخلاقی پاکیزگی اور صوفیانہ وقار عطا کیا۔ لکھنؤ کی شاعری میں معاملہ بندی، نازک خیالی اور حسنِ بیان کو خاص مقام حاصل ہوا، جو اس دور کی تہذیبی فضا کی عکاسی کرتا ہے۔ شمالی ہند کے اس عہدِ زرّیں میں اردو شاعری صرف غزل تک محدود نہ رہی بلکہ دیگر اصناف بھی اپنے عروج کو پہنچیں۔ مثنوی میں میر حسن کی ''سحر البیان'' اور شکر نسیم کی'' گلزارِ نسیم'' نے داستانی روایت کو فنی کمال تک پہنچایا۔ مرثیے کی صنف میں میر انیس اور مرزا دبیر نے وہ عظمت اور وقار پیدا کیا جو اردو ادب کی تاریخ میں بے مثال ہے۔ انہوں نے مرثیے کو محض مذہبی نوحہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے فکری، جذباتی اور ڈرامائی بلندی عطا کی، جس سے یہ صنف عالمی ادب کے ہم پلہ نظر آنے لگی۔ اس عہدِ زرّیں کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شاعری زندگی کے تمام پہلوؤں کی ترجمان بن گئی۔ عشق، تصوف، فلسفہ، سماج، سیاست اور تہذیب سبھی عناصر شاعری میں سمٹ آئے۔ زبان میں روانی، محاورے کی صفائی اور بیان کی شگفتگی اس دور کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ شاعر زبان کا خالق بھی ہے اور محافظ بھی، اسی لیے اس دور میں اردو زبان کو وہ استحکام حاصل ہوا جو بعد کے ادوار کے لیے بنیاد ثابت ہوا۔ یوں شمالی ہند میں اردو شاعری کا عہدِ زرّیں فکری وسعت، فنی کمال اور تہذیبی ہم آہنگی کا دور تھا۔ میر کی سوز و گداز، سودا کی للکار، درد کی روحانیت، غالب کی فکری عظمت، ناسخ کی زبان سازی، آتش کی سنجیدگی اور

انیس و دبیر کی مرثیہ نگاری نے مل کر اردو شاعری کو ایک ایسا درخشاں سرمایہ عطا کیا جو آج بھی ادبِ اردو کی پہچان اور فخر ہے۔ یہ عہد نہ صرف اردو شاعری کا سنہرا باب ہے بلکہ پورے برصغیر کی ادبی تاریخ کا ایک تابناک اور ناقابلِ فراموش دور بھی ہے۔

2.2.3 : سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

سوال 1: شمالی ہند میں اردو شاعری کا سب سے پہلا نمایاں شاعر کسے تسلیم کیا جاتا ہے؟

(الف) ولی دکنی (ب) امیر خسرو (ج) فائز دہلوی (د) جعفر زٹلی

سوال 2: امیر خسرو کے کلام میں اردو کی کون سی ابتدائی شکل نمایاں نظر آتی ہے؟

(الف) برج بھاشا (ب) اودھی (ج) کھڑی بولی (د) فارسی

سوال 3: شمالی ہند میں اردو شاعری کے باقاعدہ آغاز کا سہرا کس شاعر کی دہلی آمد کو دیا جاتا ہے؟

(الف) سودا (ب) میر (ج) ولی دکنی (د) درد

سوال 4: ایہام گوئی کے فروغ میں کون سے شعرا نمایاں تھے؟

(الف) میر اور سودا (ب) غالب اور مومن (ج) حاتم اور آبرو (د) ناسخ اور آتش

سوال 5: ایہام گوئی کے خلاف باقاعدہ تحریک کس شاعر نے چلائی؟

(الف) میر تقی میر (ب) مرزا مظہر جان جاناں (ج) سودا (د) فائز دہلوی

سوال 6: دبستانِ دہلی میں داخلی کرب اور تصوف کا سب سے بڑا نمائندہ شاعر کون ہے؟

(الف) سودا (ب) میر (ج) درد (د) غالب

سوال 7: دبستانِ لکھنؤ میں اصلاحِ زبان کا عظیم کارنامہ کس شاعر سے منسوب ہے؟

(الف) آتش (ب) انیس (ج) ناسخ (د) دبیر

سوال 8: مرثیہ نگاری کو عروج پر پہنچانے والے شعرا کون تھے؟

(الف) میر اور سودا (ب) انیس اور دبیر (ج) ناسخ اور آتش (د) غالب اور مومن

سوال 9: اردو شاعری کو فکری انقلاب اور تصورِ خودی سے روشناس کرانے والا شاعر کون ہے؟

(الف) داغ دہلوی (ب) اقبال (ج) جگر مرادآبادی (د) اصغر گونڈوی

2.3: شمالی ہند کی معاصر اردو شاعری

شمالی ہند کی معاصر اردو شاعری برصغیر کی بدلتی ہوئی سماجی، سیاسی اور تہذیبی صورتِ حال کی نہایت بامعنی اور حساس عکاس ہے۔ آزادی کے بعد کے حالات، تقسیمِ ہند کے المیے، شہری زندگی کی تیز رفتاری اور جدید دور کی فکری بے چینی نے اردو شاعری کو نئے سوالات اور نئے تجربات سے روشناس کرایا۔ اس عہد میں شاعری محض رومانوی جذبات یا جمالیاتی واردات تک محدود نہیں رہی بلکہ اس نے فرد اور معاشرے کے باہمی رشتوں، اجتماعی مسائل اور تہذیبی تشخص کے بحران کو اپنے اظہار کا مرکز بنایا۔ شمالی ہند، جو صدیوں سے اردو زبان و ادب کا فکری مرکز رہا ہے، معاصر دور میں بھی اردو شاعری کی تخلیقی سرگرمیوں کا ایک زرخیز میدان ہے۔ معاصر اردو شاعری میں ترقی پسند تحریک کے اثرات اگرچہ اپنی تنظیمی شدت کھو چکے ہیں، تاہم ان کے فکری اثرات آج بھی واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ اس عہد کے شعرا نے سماجی ناانصافی، سیاسی جبر، معاشی استحصال اور انسانی اقدار کی پامالی جیسے مسائل کو نہایت سنجیدہ اور باوقار انداز میں پیش کیا۔ کیفی اعظمی، مجروح سلطان پوری اور ساحر لدھیانوی جیسے شعرا نے اگرچہ ترقی پسند تحریک سے وابستگی رکھی، مگر شمالی ہند میں ان کے بعد آنے والی نسل نے ان موضوعات کو زیادہ علامتی اور داخلی سطح پر برتا۔ اس سلسلے میں شمس الرحمٰن فاروقی، ندا فاضلی اور شہریار جیسے شعرا کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، جنہوں نے جدید حسیت کو تہذیبی شعور کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔

شمالی ہند کی معاصر شاعری میں داخلی کرب، تنہائی اور وجودی اضطراب ایک اہم موضوع کے طور پر ابھرتا ہے۔ شہری زندگی کے مسائل، انسان کی بے بسی اور رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ نے شاعر کو اپنے باطن کی طرف متوجہ کیا۔ ندا فاضلی کی شاعری میں سادہ زبان کے ذریعے زندگی کے تلخ حقائق کا بیان ملتا ہے، جب کہ شہریار نے انسانی رشتوں، وقت کے جبر اور داخلی اداسی کو نہایت وقار اور سنجیدگی کے ساتھ پیش کیا۔ شین کاف نظام اور عادل منصوری جیسے شعرا نے جدید علامتی اسلوب کے ذریعے فرد کی باطنی کشمکش کو شعری پیکر عطا کیا۔ اسلوب اور ہیئت کے اعتبار سے شمالی ہند کی معاصر اردو شاعری میں واضح تجربہ پسندی نظر آتی ہے۔ آزاد نظم اور نثری نظم نے اظہار کے نئے امکانات پیدا کیے، تاہم غزل اپنی روایت کے ساتھ نئے معنی اور نئی جہتوں کے ساتھ زندہ رہی۔ شمس الرحمٰن فاروقی اور خالد محمود جیسے شعرا نے روایت اور جدیدیت کے مابین ایک فکری پل قائم کیا، جب کہ نئی نسل کے شعرا نے زبان اور اسلوب میں سادگی، علامتیت اور روزمرہ زندگی کے تجربات کو زیادہ نمایاں کیا۔ اس طرح شاعری قاری کے تجربے سے براہِ راست جڑتی چلی گئی۔

شمالی ہند کی معاصر اردو شاعری میں تہذیبی شناخت کا مسئلہ بھی مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ بدلتے ہوئے سماجی اور سیاسی حالات میں اردو زبان اور اس سے وابستہ تہذیب کو جن چیلنجز کا سامنا ہے، ان کا عکس شاعری میں بار بار نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں ندا فاضلی اور بشیر بدر جیسے شعرا نے زبان کی سادگی اور جذبے کی صداقت کے ذریعے اردو شاعری کو عوامی سطح پر مقبول بنایا، جب کہ ان کی شاعری میں تہذیبی یادداشت اور انسانی قدروں کا احساس نمایاں ہے۔ یوں شمالی ہند کی معاصر اردو شاعری روایت اور جدید حسیت کے امتزاج سے تشکیل پاتی ہے۔ یہ شاعری ایک طرف میر، غالب اور اقبال کی فکری روایت سے جڑی ہوئی ہے اور دوسری طرف اپنے عہد کے پیچیدہ سماجی اور فکری سوالات کا تخلیقی جواب بھی فراہم کرتی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ندا فاضلی، شہریار، کیفی اعظمی، بشیر بدر، شین کاف نظام اور ان کے معاصر شعرا نے اردو شاعری کو نئی معنوی سطحوں سے ہمکنار کیا۔ اس طرح شمالی ہند کی معاصر اردو شاعری نہ صرف اپنے عہد کی ترجمان ہے بلکہ اردو ادبی روایت کے تسلسل اور ارتقاء کی ایک زندہ مثال بھی ہے۔

2.4: عمومی جائزہ۔

شمالی ہند میں اردو شاعری کا آغاز برصغیر کی تہذیبی اور لسانی آمیزش کے نتیجے میں ہوا، جہاں مقامی بولیوں، فارسی اور عربی زبان وادب کے اثرات سے اردو زبان نے جنم لیا۔ اردو شاعری کی ابتدائی صورت امیر خسرو کے ریختہ کلام میں نمایاں ہوتی ہے، جس میں کھڑی بولی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ شعری سرگرمی محدود رہی، تاہم محمد افضل کی ''بکٹ کہانی'' اور آغا روشن علی کے ''عاشور نامہ'' جیسے ابتدائی متون شمالی ہند میں اردو ادب کی بنیاد قرار پاتے ہیں۔ اٹھارہویں صدی میں وؔلی دکنی کی دہلی آمد نے شمالی ہند میں اردو شاعری کو باقاعدہ فروغ دیا، جس کے نتیجے میں دہلی اور لکھنؤ شاعری کے بڑے مراکز بنے۔ دبستانِ دہلی میں میرؔ، سوداؔ اور دردؔ نے غزل کو داخلیت، خارجیت اور تصوف سے ہم آہنگ کیا، جب کہ غالب اور مومن نے اسے فکری اور اسلوبی وسعت عطا کی۔ دوسری جانب دبستانِ لکھنؤ میں ناسخ اور آتش نے اصلاحِ زبان اور فنی پاکیزگی کو فروغ دیا، جب کہ انیس اور دبیر نے مرثیہ کو عروج بخشا۔

داغؔ دہلوی کے بعد اردو شاعری میں واضح تبدیلی پیدا ہوئی اور رومانوی روایت سے نکل کر فکری اور سماجی شعور کی طرف رجحان بڑھا۔ علی گڑھ تحریک، علامہ اقبال اور ترقی پسند تحریک کے اثرات نے اردو شاعری کو مقصدیت، حقیقت نگاری اور اجتماعی شعور سے ہمکنار کیا۔ اس طرح شمالی ہند میں اردو شاعری ایک مسلسل ارتقائی عمل کے ذریعے فکری و فنی بلندیوں تک پہنچی اور آج بھی اردو ادب کی ایک نمایاں روایت کے طور پر زندہ و تابندہ ہے۔

2.4.1: آپ نے کیا سیکھا؟

اس سبق کے مطالعے سے آپ کو یہ فہم حاصل ہوا کہ اردو شاعری صرف ادبی اظہار کا نام نہیں بلکہ برصغیر کی تہذیبی، سماجی اور فکری تاریخ کی ایک زندہ علامت ہے۔ شمالی ہند میں اردو شاعری کا آغاز مختلف زبانوں اور تہذیبوں کے باہمی اختلاط کے نتیجے میں ہوا۔ جہاں مقامی بولیوں اور فارسی و عربی روایتوں نے مل کر ایک نئی شعری زبان کو جنم دیا۔ امیر خسرو کے ریختہ کلام سے لے کر ولی دکنی کی دہلی آمد تک اردو شاعری نے ابتدائی تشکیل کے مراحل طے کیے اور پھر دہلی اور لکھنؤ جیسے مراکز میں باضابطہ فروغ پایا۔ اس سبق سے آپ کو یہ سمجھنے میں مدد ملی کہ دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ نے اپنے اپنے فکری اور فنی مزاج کے ذریعے اردو شاعری کو وسعت اور تنوع عطا کیا۔ میر، سودا، درد، غالب، ناسخ، آتش، انیس اور دبیر جیسے شعرا نے شاعری کو داخلیت، تصوف، اصلاحِ زبان، فکری گہرائی اور تہذیبی وقار سے ہمکنار کیا۔ مزید یہ کہ داغ دہلوی کے بعد اردو شاعری میں آنے والی فکری تبدیلیوں، علی گڑھ تحریک، علامہ اقبال اور ترقی پسند تحریک کے اثرات نے شاعری کو محض رومانوی اظہار سے نکال کر سماجی شعور اور مقصدیت کی طرف مائل کیا۔ مجموعی طور پر اس سبق نے آپ کو اردو شاعری کے تاریخی ارتقاء، فکری تسلسل اور بدلتے ہوئے سماجی حالات کے ساتھ اس کے گہرے ربط کو سمجھنے کا شعور عطا کیا۔

2.5: فرہنگ

لفظ	-	معنی
ارتقاء	—	بتدریج ترقی، آہستہ آہستہ آگے بڑھنا
تہذیبی اختلاط	—	مختلف تہذیبوں کا آپس میں مل جانا
ریختہ	—	اردو زبان کی ابتدائی شعری صورت
باضابطہ	—	قاعدے اور اصول کے مطابق
دبستان	—	ادبی مکتبِ فکر یا شعری مکتب
ایہام گوئی	—	ایک لفظ سے دو یا زیادہ معنی مراد لینا
داخلیت	—	باطنی احساسات اور ذاتی کیفیات کا اظہار

معاملہ بندی	—	عشق کے عملی اور واقعاتی پہلوؤں کی شاعری
اصلاحِ زبان	—	زبان کو درست اور معیاری بنانا
فکری بالیدگی	—	سوچ اور فکر کی پختگی
تصوف	—	روحانیت اور باطنی پاکیزگی کا نظریہ
شہر آشوب	—	شہر کی تباہی و زوال پر مبنی شاعری
تلمیح	—	تاریخی یا مذہبی واقعے کی طرف اشارہ
تشبیہ	—	کسی چیز کو کسی اور کے مشابہ قرار دینا
استعارہ	—	بالواسطہ تشبیہ، علامتی اظہار
مرصع سازی	—	الفاظ کو فنی حسن سے آراستہ کرنا
مقصدیت	—	ادب کو کسی سماجی یا فکری مقصد کے لیے استعمال کرنا
حقیقت نگاری	—	زندگی کی اصل تصویر پیش کرنا
اجتہادی شان	—	تخلیقی انفرادیت اور نئی راہ نکالنے کی صلاحیت
ادبی تسلسل	—	روایت کا برقرار رہنا
تہذیبی ٹوٹ پھوٹ	—	سماجی و ثقافتی زوال
فلسفیانہ گہرائی	—	فکر میں معنوی وسعت
ہمہ جہت	—	کئی پہلوؤں پر مشتمل، جامع

2.6: خود جانچ سوالات/امتحانی سوالات

شمالی ہند میں اردو شاعری کے ابتدائی دور پر اپنے تاثرات قلم بند کیجیے۔

ولی دکنی کی دہلی آمد نے شمالی ہند کی اردو شاعری کو کس طرح نئی سمت عطا کی؟

دبستانِ دہلی کے فکری وفنی امتیازات بیان کیجیے۔

شمالی ہند کی شاعری کی نمایاں خصوصیات اجاگر کریں۔

شمالی ہند میں اردو شاعری کے عہدِ زرّیں پر روشنی ڈالیں۔

شمالی ہند کی معاصر اردو شاعری کے اہم موضوعات اور رجحانات پر نوٹ لکھیں۔

2.7: مشقی سوالات

سوال1: شمالی ہند میں اردو شاعری کا آغاز کس طرح ہوا؟

سوال2: ولی دکنی کی دہلی آمد کو اہم کیوں سمجھا جاتا ہے؟

سوال3: دبستانِ دہلی کی بنیادی خصوصیت کیا ہے؟

سوال4: شمالی ہند میں اردو شاعری کے عہدِ زرّیں سے کیا مراد ہے؟

سوال5: شمالی ہند کی معاصر اردو شاعری کا اہم رجحان کیا ہے؟

2.7.1: مشقی سوالات کے جوابات

1۔ **جواب:** شمالی ہند میں اردو شاعری کا آغاز مقامی بولیوں، فارسی اور عربی زبان کے تہذیبی اختلاط سے ہوا، جس کی ابتدائی صورت امیر خسرو کے ریختہ کلام میں نمایاں ہوتی ہے۔

2۔ **جواب:** ولی دکنی کی دہلی آمد نے شمالی ہند میں اردو شاعری کو باضابطہ فروغ دیا اور دہلی کو اردو شاعری کا ایک اہم مرکز بنادیا۔

3۔ **جواب:** دبستانِ دہلی کی بنیادی خصوصیت داخلی کرب، تصوف، سادگیِ بیان اور فکری گہرائی ہے، جس کی نمائندگی میر، سودا اور غالب کرتے ہیں۔

4۔ **جواب:** عہدِ زرّیں وہ دور ہے جب دہلی اور لکھنؤ میں اردو شاعری فکری، فنی اور تہذیبی عروج پر پہنچی اور میر، غالب، ناسخ، آتش، انیس اور دبیر جیسے عظیم شعرا سامنے آئے۔

5۔ **جواب:** معاصر اردو شاعری میں سماجی شعور، داخلی کرب، علامتی اظہار اور روایت و جدیدیت کا امتزاج نمایاں رجحان ہے۔

2.8 : جواباتِ سرگرمی

1- جواب:(ب)امیر خسرو

2- جواب:(ج) کھڑی بولی

3- جواب:(ج)ولی دکنی

4- جواب:(ج)حاتم اور آبرو

5- جواب:(ب)مرزا مظہر جان جاناں

6- جواب:(ج)درد

7- جواب:(ج)ناسخ

8- جواب:(ب)انیس اور دبیر

9- جواب:(ب)اقبال

2.9: امدادی کتب

۱۔	دکن میں اردو	—	نصیرالدین ہاشمی
۲۔	مقدمہ تاریخ زبان اردو	—	مسعود حسین خان
۳۔	دکنی ادب کی تاریخ	—	عبدالقادر سروری
۴۔	حیدرآباد دکن میں اردو شاعری (1960 تک)	—	ناہیدہ سلطانہ
۵۔	دکنی اردو: تاریخ اور ساخت	—	رتھ لیلا شمٹ
۶۔	دکن میں اردو شاعری	—	جمیل جالبی
۷۔	دکنی ادب کا ارتقا	—	گیان چند جین

سبق 3۔ اردو شاعری کی اصلاحی تحریکات

ساخت

3.0 اغراض ومقاصد
3.1 تعارف
3.2 اردو شاعری کی اصلاحی تحریکات
3.2.1 اصلاح زبان کی تحریک
3.2.2 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)
3.2.3 علی گڑھ تحریک
3.2.4 انجمن پنجاب لاہور
3.2.5 رومانی تحریک
3.2.6 ترقی پسند ادبی تحریک
3.3 عمومی جائزہ
3.4 آپ نے کیا سیکھا؟
3.5 فرہنگ
3.6 خود جانچ سوالات/امتحانی سوالات
3.7 مشقی سوالات وجوابات
3.8 جواباتِ سرگرمی
3.9 امدادی کتب

3.0 :اغراض ومقاصد

1. اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہوں گے کہ اردو شاعری کے ارتقاء میں تحریکات کے رول کو جان سکیں گے۔
2. اردو شاعری کی اہم تحریکات کون سی ہیں، واقف ہو سکیں گے.
3. اردو شاعری میں تحریکات کی کیا اہمیت ہے، اس سے متعلق جانکاری حاصل کر سکیں گے۔
4. اردو شاعری میں تحریکات کیوں مفید ثابت ہوئیں، اس سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔

3.1 تعارف

تحریک کے معنی ساکن کو متحرک کرنے کا عمل، کسی شے کو حرکت دینا، کسی مقصد کے حصول کے لیے کوشش کرنا، کسی کو ابھارنے یا ورغلانے کے عمل کو تحریک کہتے ہیں۔تحریک جمود کا مخالف ہے۔ادبی تحریک سے مراد ادیبوں اور فنکاروں کے اس گروہ یا جماعت کو کہتے ہیں جو ایک مخصوص نظریے، طرز فکر یا طرز تحریر، فلسفیانہ افکار، جمالیاتی یا نظریاتی خصوصیات کے تحت متحد ہوتے ہیں تاکہ ادب کو ایک مخصوص سمت دے سکیں۔ یہ تحریک ادب میں اصلاحات لانے، سماجی مسائل کو اجاگر کرنے اور نئے ادبی رجحانات کو فروغ دینے کے لیے کام کرتی ہیں۔ان میں تبلیغ، جدوجہد اور شعوری کوشش کا خاص دخل ہوتا ہے۔ یہ ادب کی سمت بدلنے کے لیے اصلاحات متعارف کرواتی ہیں۔ادب میں نئے طرز فکر اور نئے موضوعات متعارف کرواتی ہیں۔ یہ سماجی انصاف کی بات کرتی ہیں اور روایتی ادب کو چیلنج بھی کرتی ہیں۔ یہ انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی کوشش ہوتی ہے جو ادب کے جمود کو توڑ کر نئی راہ سے ہمکنار کرتی ہے بقول منظر اعظمی:

> ''تحریک کسی خاص فکر کی بھی ہو سکتی ہیں اور خالص ادبی یا ہائیتی بھی اس میں ایک ہم خیال کارواں کی سی کیفیت ہوتی ہے جس میں میرے کارواں بھی ہوتا ہے اور اواز جرس بھی جس کی راہبی ہوتی ہے اور منزل بھی اس میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش بھی ہوتی ہے اور بیداری مغض بھی اس میں سورتوں کو جھنجوڑا جاتا ہے نہ یہ کہ ہر شخص اپنے حال میں مست رہے اس کی گرج کی کیفیت سے موافق ومخالف دونوں چونک پڑھتے ہیں اس کا دھارا زیادہ تیز اور پرشور ہوتا ہے۔''

(اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکوں اور رجحانوں کا حصہ۔ منظر اعظمی ۱۹۹۶ ص ۱۷)

3.2 :اردوشاعری کی اصلاحی تحریکات

اردو شعروادب میں بہت سی ادبی اور سماجی تحریکیں وجود میں آئیں جن کا مقصد زبان و بیان کو سادگی، روانی اور افادیت کی طرف لے جانا تھا،لیکن ان میں سب سے نمایاں اصلاح شعر کی وہ تحریکات ہیں جن کا مقصد معاشرتی اور ادبی اقدار میں اصلاح کرنا،ادب کی تعریف کوتشکیل دینا،ادب اور فنون کو پرانے خیالات سے نکال کرعوام کے قریب لانا،سماجی مسائل جیسے غربت،کلامی اور ناانصافی پر توجہ مرکوز کرنا،حقیقت پسندانہ یا سائنسی بنیاد پر تنقید کوفروغ دینا تھا۔اس کے علاوہ الفاظ کا انتخاب،جملوں کے ساخت اور اسلوبِ مسائل کو درست کرنا،مشکل اور پیچیدہ زبان کے بجائے آسان اور عام فہم زبان کا استعمال،ادب کوعوام تک رسائی دلانا بھی شامل تھا۔یہ تحریکات کچھ اس طرح سے ہیں۔

۱۔اصلاح زبان کی تحریک ۲۔علی گڑھ تحریک ۳۔انجمن پنجاب لاہور ۴۔ رومانی تحریک ۵۔ترقی پسند ادبی تحریک

3.2.1:اصلاح زبان کی تحریک

اصلاح زبان کی تحریک دراصل ایہام گوئی کے خلاف ردعمل تھا۔پہلے یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ایہام گوئی کیا تھی۔ایہام عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں وہم میں ڈالنا۔ایہام گوئی سے مراد کلام میں ایسے الفاظ لانا جس کے معنی دو کے ہوں۔یعنی کلام میں ذومعنی الفاظ کا استعمال۔مثلا مرزا غالب کا یہ شعر دیکھیں

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

دلی میں جب فارسی شاعری کے بجائے ریختہ کی روایت شروع ہوئی تو فارسی شعرا نے ریختہ گوشعرا کے خلاف مضحکہ آمیز باتیں کہنا شروع کردیں یہاں تک کہ جعفر زٹلی نے ریختہ کا مذاق اڑا کر اس کی قدر و قیمت کو کم کرنے کی کوشش کی۔ریختہ کے تئیں فارسی شعرا کے اس منفی رویے کے خلاف خان آرزو نے فارسی شاعری کو ترک کر کے ریختہ کے مشاعرے کرانا شروع کردے۔مشاعرے میں جب اردو کو فارسی کا مقابلہ کرنا پڑا تو شعری اظہار کے لیے نئے طریقے ایجاد ہوئے جس میں کہنہ مشق اور قادرالکلام شاعر ہی کامیاب ہوسکتا تھا۔شعر گوئی کے اس نئے انداز نے ذومعنی الفاظ،مضمون آفرینی اور دیگر شعری کاوشوں سے ایہام کوفروغ ملا اور محمد شاہی عہد میں اسے اتنا فروغ ملا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کرگئی۔لیکن وقت گزرنے کے ساتھ نئے ذومعنی الفاظ کی تلاش میں شاعری الہامی کیفیت سے عاری ہوگئی اور اس پر تصنع غالب آگیا۔شیر جذبۂ قوتِ پرواز سے عاری ہوکر ایام کے لفظوں کے ساتھ چمٹ جاتا ہے بہت جلد اس کے خلاف ردِعمل شروع ہوگیا اور

مرزا مظہر جان جاناںؔ، انعام اللہ خان یقینؔ اور تحریک ایہام کے ایک نمائندہ شاعر شاہ حاتمؔ نے ردِ عمل کی تحریک شروع کر دی اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ تحریک ہنگامہ برپا کرنے کے بعد ختم ہوگئی۔ ایہام کی تحریک بلبلے کی طرح اٹھی اور مختصر سے عرصے کے بعد ختم ہوگئی۔ ایہام کی تحریر فارسی کے بلند پایہ شعرا کی مخالفت میں نسبتاً کم درجے کے شعرا کی تحریک تھی۔

اصلاحِ زبان کی تحریک کا مقصد ریختہ میں فارسی الفاظ، تراکیب اور صنعتوں کا استعمال تھا۔ دلی میں فارسی ادب کی روایت چوں کہ ابھی زندہ تھی اس لیے فارسی آمیز اردو کو مقبول ہونے میں کسی خاص دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ بل کہ بہت جلد بیشتر وہ شعرا جو ایہام گوئی میں اپنا نام پیدا کر چکے تھے، اس نئی تحریک کے ہم نوا بن گئے۔ اصلاحِ زبان کی تحریک کا مقصد اردو زبان کو سادگی، معیار اور عوام کی دسترس میں لانا تھا۔ اس کا مقصد اردو کے لغوی، نحوی اور اسلوبی مسائل کو درست کرنا اور عوام میں ادب کا عام فہم ہونا تھا۔ اصلاح زبان کی تحریک میں مرزا مظہر جان جاناں کو اولیت حاصل ہے۔ انہوں نے فارسی اور اردو زبان کو ایک ہی تار سے بُننے کی کوشش کی اور اصلاحِ زبان کو مذہبی اور سیاسی فریضہ سمجھ کر سرانجام دیا۔ ان کی منفرد عطا یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے انعام اللہ خان یقینؔ، میر باقر حزیںؔ، قلی خاں حسرتؔ، احسان اللہ خان بیاںؔ، محمد فقیر دردمندؔ، شاہ قدرت اللہ قدرتؔ وغیرہ کو نئی زبان میں شعر کہنے پر آمادہ کیا۔ مرزا مظہر جان جاناں چوں کہ تصوف کے ایک سلسلے سے بھی تعلق رکھتے تھے اور ان کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے ان کے لسانی اسلوب کو مقبول ہونے میں دیر نہ لگی۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا مظہر جان جاناں کو اردو کے ان اوّلین معماروں میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے اس کے لسانی ڈھانچے کو سنوارا۔

اصلاح زبان کی خاطر جن شعرا نے کارہائے نمایاں انجام دیے ان کا ذکر کرنا ناگزیر ہے۔

سراج الدین علی خان آرزوؔ:

سراج الدین علی خان آرزوؔ ایک ہمہ جہد شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی قادرالکلامی کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ ان کے دامنِ تربیت میں اردو ادب کے عظیم شعرا مرزا مظہر جان جاناں، مرزا محمد رفیع سوداؔ، میر تقی میرؔ، خواجہ میر دردؔ وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔ وہ بہ یک وقت شاعر، ادیب، نقاد، فرہنگ نگار، ماہرِ لسانیات، تذکرہ نگار اور بالخصوص ماہرِ دستورِ زبان تھے۔ انہوں نے فارسی اور سنسکرت کو ہم رشتہ زبانیں قرار دیا اور دلائل سے ثابت کیا کہ دونوں زبانوں کے سینکڑوں الفاظ ذرا سی تبدیلی سے ہم معنی ہوتے ہیں۔ خان آرزو کو اوّلین اصلاح زبان میں اساسی اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے سراج اللغات، تنبیہ الغافلین، چراغِ ہدایت، شرح سکندر نامہ، مثمر اور نوادرالفاظ وغیرہ میں زبان کی اصولی وحدت کو اجاگر کیا ہے۔

عمدت الملک امیر خان انجآم:

یہ عہدِ محمد شاہی میں الہ آباد کے صوبے دار تھے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔ یہ پہلے قادرالکلام شاعر تھے جنہوں نے صحتِ زبان اور اصلاحِ زبان کو فروغ دیا۔ اردو ادب پر ان کا احسان یہ ہے کہ انہوں نے ایک اصلاحی نظریہ وضع کیا اور ایک ''انجمن اصلاح زبان'' قائم کی۔ انجام کی صلاحیت سے بھلا کون انکار کرسکتا ہے وہ بیک وقت عربی، فارسی، اردو، سنسکرت اور بھاشہ کے استاد تھے۔ انہیں ان تمام زبانوں پر یکساں عبور تھا۔ علمی صلاحیت کے اعتبار سے اردو زبان میں خال خال ہی ایسے شاعر معرضِ وجود میں آئے ہیں۔ انجام کی علمی اور اعلی انتظامی صلاحیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ وزیر کے عہدے پر فائز ہونے والے تھے کہ 1764ء میں محمد شاہ کے ہاتھوں قتل کیے گئے۔ افسوس کے ایک عمدہ نظریہ ساز استاد شاعر انجآم کا انجام بہت ہی برا ہوا۔ ان کے درج ذیل اشعار سے ان کی لطافت زبان و بیان اور محاورات کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

دور سے آئے تھے ساقی سن کے مے خانے کو ہم
پر ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم
کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر
کیا تیرے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

شاہ حآتم:

شیخ ظہورالدّین حآتم دبستان دہلی سے تعلق رکھتے تھے ان کے شاگردان میں سوؔدا اور رنگیؔن کے نام نامی شامل ہیں۔ ابتدا میں ایہام گوئی کی طرف مائل تھے لیکن بعد میں جب صنعت کی گمراہیوں کا احساس ہوا تو ترک ایہام گوئی کی اور اصلاح زبان کو فروغ دیا ساتھ ہی اپنے کلام کا انتخاب کیا اور ایک مختصر مجموعہ بہ عنوان ''دیوان زیادہ'' مرتب کیا۔ زبان اور شاعری سے واقفیت نے انہیں استادالعصر بنا دیا اور دبستانِ دہلی کے بانی قرار دیے گئے۔ ساتھ ہی 'جگت استاد' بھی کہلائے انہوں نے صرف ونحو کے لحاظ سے اردو زبان کی اصلاح کی، صحت الفاظ اور صحت تلفظ کی ادائیگی پر زور دیا، وہ روشِ نامناسب سخن گوئی سے اجتناب برتتے ہوئے اصلاحِ زبان کے مناسبت سے مناسب سخن گوئی کی پیروی کرتے تھے۔ ان کی اصلاحی زبان کا اولین اصول یہ تھا کہ عربی و فارسی کے قابلِ فہم الفاظ جن کی ترسیل بہ آسانی ہو اور زبان پر بکثرت مستعمل ہوں اردو

زبان میں عام کیے جانے چاہیے۔نمونہ کلام دیکھیں۔

زندگی دردسر ہوئی حاتم　　　کب ملے گا مجھے پیا میرا

ہجر کی زندگی سے موت بھلی　　　کہ جہاں سب کہیں وصال ہوا

مرزا مظہر جان جاناںؔ:

شمس الدین جان جاناں مظہر کی ولادت 1699ء میں اور وفات 1781ء میں ہوئی۔آپ کے والد مرزا جان شاہ عالمگیر کے دربار میں منصب دار تھے۔دادا جان بھی دربار شاہی سے منسلک رہے اور صاحب منصب تھے۔اکبر شاہ کی دختر نیک اختر سے آپ کے پردادا کی شادی ہوئی اس وجہ سے مظہر تیموری خاندان کے نواسے ہوئے۔ان کا نام اورزیب عالمگیر نے جان جاناں رکھا۔مظہر عربی و فارسی کے بلند پایا شاعر تھے،ساتھ ہی انہوں نے اردو میں بھی طبع آزمائی کی۔ان کے تلازمے میں متعدد مشاہیرِ علم وفن گزرے۔جن میں انعام اللہ خان یقینؔ، دردمندؔ، خواجہ احسن اللہ خان بیانؔ، میر محمد باقر حزیںؔ وغیرہ جیسے اساتذہ کرام اہم ہیں۔ان کے نازک خیالی نے ایہام گوئی کو قطعی قبولیت کا درجہ نہیں دیا اور ردِعمل کو ملحوظ رکھتے ہوئے اصلاح زبان کو فروغ دیا۔انہوں نے اردو شاعری کو فطری اظہار کا درس دیا۔مظہر کی شاعری درد و کیف سے لبریز خیال کی پاکیزگی اور زبان کی شکستگی نے ان کی شاعری کو عروج اور اردو شاعری کو جلا بخشا ہے۔

انعام اللہ خان یقینؔ:

ان کا شمار اردو زبان کے اعلیٰ شعرا میں ہوتا ہے۔عربی و فارسی پر عبور تھا،شاہ حاتم جیسے استاد شاعر نے بھی یقین کی زمین میں پہلے غزل تحریر کی۔اس ضمن میں یہ بات کہی جا سکتی ہے مرزا مظہر جان جاناں جیسے استاد نے جس طرح سے ایہام گوئی کو رد کیا اور اصلاح زبان کو فروغ دیا اسی طرح یقینؔ نے بھی اصلاح زبان کی کوشش کی۔فنِ شعر میں انہیں کمال حاصل تھا۔مضمون آفرینی ان کی شاعری کا حسن ہے۔یقین نے صنعت تلمیح کے لیے شیریں فرہاد، یوسف زُلیخا اور موسیٰ وکوہ طور وغیرہ کو شعری پیکر عطا کیا۔یقینؔ کے شعری لب و لہجے سے ان کے معاصرین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ان میں سوداؔ، دردؔ، تاباںؔ، بیانؔ حزیںؔ اور میرؔ وغیرہ کے نام شامل ہیں، جب کہ حاتمؔ جیسے استاد بھی ان کے معترف ہیں۔ان کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

یہ کوہ طور سرمہ ہو گیا سارا ہی کیا کہیے　　　کوئی پتھر بھی بچ جاتا تو دیوانے کے کام آتا

یہ نسبت ایک ہے سو سو طرح تعبیر کرتے ہیں　　　　خدا کی بندگی کہیے اسے یا عشقِ معشوقی

شیخ امام بخش ناسخ:

ناسخ پہلوانِ سخن کہلاتے ہیں۔ پہلوان لفظ کا استعمال یو ہی نہیں ہوا ہے بل کہ وہ واقعی پہلوان تھے۔ پہلوان ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک کہنہ مشق شاعر بھی گزرے ہیں۔ ناسخ کو اپنے سخن پر ناز تھا، انہوں نے اصلاحِ زبان کو ملحوظ رکھتے ہوئے زبان کو فروغ دیا مثال کے طور پر انہوں نے سنسکرت کے ثقیل الفاظ کو خارجِ کلام کیا، ساتھ ہی قدیم ہندی محاورات کو بھی قابل اعتنا نہیں سمجھا بل کہ اس کی جگہ عربی و فارسی کے مانوس الفاظ کو قابل قدر سمجھا۔ غزل کی زمینوں میں تصرف کیا اور ردیف و قافیے کے آداب بجالائے۔ تذکیر و تانیث کے اصول وضع کیے، پرشکوہ الفاظ اور صنعتوں کے استعمال کو خاطر خواہ جگہ دی، قافیے کو بالخصوص اہمیت حاصل ہوئی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ایک بلند پایا شاعر گزرے ہیں۔

گرا جو برگ شجر پائمال رہتا ہے　　　　نہ ترک صحبت احباب کی جو ناسخ

معنی ارا سخن ایجاد جناب ناسخ　　　　شعر گوئی میں ہیں استاد جناب ناصخ

اس کے علاوہ محمد فقیہ دردمندؔ، احسان اللہ خان بیاںؔ، میر محمد حیات حسرتؔ، میر محمد باقر حزیںؔ، میر عبدالحیٔ تاباںؔ، سید محمد میر سوزؔ، مرزا اشرف علی خاں فُغاںؔ، شیخ قیام الدین علی قائمؔ وغیرہ کا نام اصلاحِ زبان کی تحریک میں سنہرے حروف سے لکھا جاتا ہے کیوں کہ انہوں نے اپنی کاوشوں اور اپنی شاعری کی وساطت سے اصلاح زبان کی تحریک کو جو عروج بخشا وہ قابلِ توصیف ہے۔

3.2.2 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

1: علی گڑھ تحریک کے بانی کون تھے؟

(الف) مولانا محمد علی جوہر　　　　(ب) سر سید احمد خان

(ج) الطاف حسین حالی　　　　(د) شبلی نعمانی

2: اردو میں اصلاحی شاعری کو فروغ دینے میں کس شاعر کا اہم کردار ہے؟

(الف) میر تقی میر　　　　(ب) الطاف حسین حالی

(ج) مرزا غالب　　　　(د) سودا

3: اصلاحی تحریکوں کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

(الف) صرف ادب میں تفریح پیدا کرنا (ب) معاشرتی اور اخلاقی اصلاح کرنا

(ج) صرف مذہبی تعلیم دینا (د) صرف تاریخی واقعات بیان کرنا

4: انجمن پنجاب کا قیام کس شہر میں ہوا تھا؟

(الف) دہلی (ب) لکھنؤ

(ج) لاہور (د) علی گڑھ

5: مولانا الطاف حسین حالی کی کون سی نظم اصلاحی فکر کی نمائندگی کرتی ہے؟

(الف) مسدس حالی (ب) شکوہ

(ج) مناجات بیوہ (د) چپ کی داد

3.2.3۔ علی گڑھ تحریک

انقلاب 1857ء ہندوستانی تاریخ کا سب سے اہم باب ہے۔ کیونکہ اس نے ایک نئے ہندوستان کو جنم دیا۔ علی گڑھ تحریک کا سرچشمہ بھی غدر 1857 ہی سے پھوٹا۔ ہندوستان کے علمی، ادبی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی حلقوں میں جو ہلچل ہوئی وہ اسی جنگ کا نتیجہ تھی۔ 1857 کی بغاوت ہندو اور مسلمان دونوں نے مل کر شروع کی تھی لیکن آخر کار اس کا سارا الزام مسلمانوں کے سر آیا اور انگریز حاکموں نے انہیں پیس کر رکھ دیا ۔نتیجہ یہ ہوا کہ ان گنت مسلمان گھرانے برباد ہو گئے، بے شمار بے گناہ پھانسی پر چڑھا دیے گئے، ہزاروں کی جاگیریں ضبط ہوئی اور ہزاروں ہی بغاوت کے الزام میں ملازمتوں سے برطرف کر دیے گئے۔ سرسید نے اس کا اظہار ایک جگہ یوں کیا ہے:

> ''کوئی آفت ایسی نہیں تھی جو اس زمانے میں ہوئی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی۔ کوئی بلا آسمان پر سے نہیں چلی جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔ اس وقت ایک دردمند دل رکھنے والا، مصلح و محسنِ قوم، مدبرِ قوم، مردِ کامل، ایسا انسان تھا جو مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے والی اس قیامت کو بہت نزدیک سے دیکھ رہا تھا وہ بانیِ تحریک، سرسید احمد خان تھا۔''

اس واقعے نے سرسید احمد خان کی فکری جہت کو تبدیل کر دیا۔ اب ان کے دل میں مسلمانوں کی الگ قومی حیثیت کا خیال جاگزیں ہو گیا تھا اور وہ صرف مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود میں مصروف ہو گئے۔ اس مقصد کے لیے کالج کا قیام عمل میں لایا گیا رسالے نکالے گئے تاکہ مسلمانوں کے ترقی کے اس دھارے میں شامل کیا جائے۔ 1869ء میں سرسید احمد خان کو انگلستان جانے کا موقع ملا، یہاں پر وہ اس فیصلے پر پہنچے کہ ہندوستان میں بھی کیمرج کی طرز کا ایک تعلیمی ادارہ قائم کریں گے۔ وہاں کے اخبارات سپکٹیٹر، ٹیٹلر سے متاثر ہو کر سرسید نے تعلیمی درسگاہ کے علاوہ مسلمانوں کی تہذیبی زندگی میں انقلاب لانے کے لیے اسی قسم کا اخبار ہندوستان سے نکالنے کا فیصلہ کیا۔ اور ''رسالہ تہذیب الاخلاق'' کا اجرا کیا۔ اس رسالے نے سرسید کے نظریات کی تبلیغ اور مقاصد کی تکمیل میں اعلیٰ خدمات سرانجام دیں۔ اردو شاعری پر علی گڑھ تحریک نے جو احسان کیا ہے اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا اس تحریک کی بدولت آزاد اور حالی جیسے علماء نے اردو ادب کو نیچرل شاعری کا تحفہ عطا کیا۔ اس سے قبل شاعری کے میدان میں کوئی قابلِ ذکر کارنامہ دکھائی نہیں دیتا۔ اگرچہ شاعری میں کلاسیکی شعرا نے اپنے تئیں آسمان کے قلابے ملانے کی کوششیں کی لیکن اس سے عوام کی فلاح کا کوئی ذریعہ نہ نکل سکا۔ ولی سے میر اور مرزا کی شاعری نے صرف دربار سے انعام و اکرام لے کر اردو شاعری کو گلدستہ بنا کر تاک پر سجا دیا، لیکن علی گڑھ تحریک نے اسے اصلاحی پیرہن میں ملبوس کر کے فلاح و بہبود کا ذریعہ بنایا۔

علی گڑھ تحریک کا ہی فیضان ہے کہ اردو شاعری کے دامن میں آج وہ وسعت آ گئی ہے کہ وہ اپنے اندر ہر طرح کے مضامین ادا کرنے کے قابل ہو گئی۔ اس تحریک سے قبل جو شہری سرمایہ ملتا ہے اس میں عاشق و معشوق، ہجر و وصال سے زیادہ کوئی اور مضمون دکھائی نہیں دیتا۔ سرسید نے اپنے اجداد کی تاریخ کو پڑھا تھا اور وہ جانتے تھے کہ شاعری سے بڑے بڑے کام لیے گئے ہیں لیکن اردو شاعری کے مزاج میں جس طرح عشق و عاشقی رچ بس گئی تھی اس میں اصلاح کا پہلو تلاش کرنا مشکل تھا چونکہ مسلمان انگریزوں کے عتاب سے دوچار تھے اور انہیں اس دلدل سے نکالنے کے لیے اصلاحی مضامین کے ساتھ معاشرے کو سنوارنے اور ترتیب دینے والی شاعری کی بھی ضرورت تھی۔ لہٰذا انہوں نے اپنے رفقاً میں ایسے لوگوں کو اس بات کی ذمہ داری دی، جو ایک زمانے سے شعر و شاعری اور مرصع نگاری کے دلدادہ رہے تھے ان میں شبلی، آزاد اور حالی کا نام پیش پیش ہے۔ لیکن شبلی نے سرسید سے اختلاف کی وجہ سے اس میدان میں کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا البتہ آزاد نے انجمنِ پنجاب میں اردو نظم کو فروغ دیا اور حالی نے مسدس لکھ کر قوم کو بیدار کیا جسے سرسید نے اپنے لیے توشۂ آخرت شمار کیا۔

اردو میں جدید شاعری کا آغاز حالی اور آزاد کی انجمنِ پنجاب میں پڑھی جانے والی نظموں سے ہوتا ہے۔ حالی اور آزاد سرسید تحریک کے زیرِ اثر اردو شاعری میں انگریزی طرزِ شاعری کو رواج دے رہے تھے۔ جدید نظم کی تحریک سرسید کے نظریات کے زیرِ اثر اور حکومت کی ایماں پر منظر

عام پر آئی تھی اور بدلتے ہوئے اس ادبی رجحان میں افادی اور فطری شاعری اپنا وجود قائم کر رہی تھی۔علی گڑھ تحریک کے فکری زاویوں اور ادبی تحریکات کا سب سے زیادہ اثر حالؔی کی تحریروں میں دکھائی دیتا ہے انہوں نے اپنی نظموں، غزلوں اور نایاب تصنیف کے ذریعے علی گڑھ تحریک کے بنیادی مقصد اور اساسی پہلوؤں کو تقویت بخشی۔1879 میں جب مسدّس مد و جزرِ اسلام شائع ہوئی تو سرسید نے اپنے ایک خط میں اس کی تعریف اس طرح کی ہے:

''اگر اس مسدس کی بدولت فنِ شاعری کی تاریخِ جدید قرار دی جاوے تو بالکل بجا ہے۔میں نہیں چاہتا کہ اس مسدس کو جو قوم کے حال کا آئینہ اور جوان کی تاریخ کا مرثیہ ہے، کسی قید سے مقیّد کیا جاوے ،جس قدر چھپے اور جس قدر مشہور ہو اور لڑکے ڈنڈوں پر گایا کریں، اور رنڈیاں مجلسوں میں سارنگی پر گاویں،قوال درگاہوں میں گاویں، میں۔اسی قدر مجھ کو زیادہ خوشی ہوگی۔میرا تو دل چاہتا ہے کہ دہلی میں ایک مجلس کروں جس میں تمام اشرات ہوں اور رنڈیاں نچاؤں مگر وہ رنڈیاں یہی مسلسل گاتی ہوں۔میں اس کُل مسدس کو تہذیب الاخلاق میں چھاپوں گا۔''

سرسید کی یہ تحریر اس بات کی غماز ہے کہ حالؔی کا یہ فن پارہ ان کی امید پر کھرا اترا کیونکہ سرسید نے سادگی، بے تکلفی اور مطلب نگاری کو ہی نیچر قرار دیا تھا۔یہ تمام خصوصیات حالؔی کی اس مسدّس میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔سرسید کے اثرات ان کے اکثر معاصرین ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں پر صاف نظر آتے ہیں۔حالؔی کی مقدمہ شعر و شاعری سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے سرسید کا کتنا اثر قبول کیا کیونکہ حالؔی کے خیا لات میں سرسید کے خیالات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔مثلاً نظم کے لیے بول چال کی زبان اور فطری جذبات کو ترجیح دی۔حالؔی بھی سرسید ان کی طرح مصلحِ قوم کی زبوں حالی کو بیان کر کے انہیں ذلت و رسوائی کی گھڑے سے نکالنے کے لیے کوشش میں تھے۔یہی وجہ ہے کہ حالی کی وہ نظمیں جو انہوں نے انجمن پنجاب کے موضوعی مشاعروں میں پڑھی تھی، سرسید کو بہت پسند آئیں۔حالی کی شاعری کی بنیاد ان بلند پایا مشہور نظموں پر ہے برکھارت، نشاط امید، مناظرہ رحم وانصاف وغیرہ ان نظموں کی اہم خوبی یہ ہے کہ ان میں حقیقت نگاری ہے مبالغہ سے پاک ہیں، تشبیہ واستعار کے بھنور سے آزاد ہیں اور یہی علی گڑھ تحریک کے تحت اردو شاعری کا بدلتا ہوا منظر نامہ بھی ہے۔

اردو شاعری کی پہچان اب تک غزلوں سے تھی۔نظم نگاری اس وقت تک پورے طور پر ابھر کر سامنے نہیں آئی جب تک سرسید نے اس کی طرف توجہ نہیں دلائی۔بعد میں محمد حسین آزاد کی کاوشوں سے انجمن پنجاب لاہور نے نظم نگاری کی باضابطہ تحریک چلائی۔سرسید ہر چیز کو اجتماعی اور

افادی نقطہ نظر سے دیکھتے تھے چنانچہ شاعری کے بارے میں بھی ان کا خیال تھا کہ مروجہ شاعری میں فطری جذبات کی کمی ہے اسی لیے محمد حسین آزاد کی مثنوی خوابِ عمل اور حاؔلی کی نظم برکھا رت کی خوب تعریف کی ۔ سر سید شاعری میں ردیف وقافیہ کے التزام کو بھی غیر ضروری سمجھتے تھے اس تحریک کا اثر عبدالحلیم شرر کے یہاں پوری طرح نمایاں ہے انہوں نے رسالہ دل گداز میں متعدد ایسی نظمیں شائع کی جن میں مروجہ قواعد وضابط سے انحراف کیا۔علی گڑھ تحریک نے غزل کے برعکس نظم کو رائج کرنے کی کوشش کی اس کا سبب خود سر سید احمد خان یہ بتاتے ہیں کہ:

''ہماری زبان کے علم وادب میں بڑا نقصان یہ تھا کہ نظم پوری نہ تھی شاعروں نے اپنی ہمت عاشقانہ غزلوں اور واسوختوں اور مدحیہ قصوں ،قصیدوں اور ہجر کے قطعوں اور قصہ کہانیوں کی مثنویوں میں صرف کی تھی."

اس بنا پر سر سید م احمد خان نے غزل کی ریزہ خیالی کے برعکس نظم کو رائج کرنے کی سعی کی۔نظم کے فروغ میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مولانا الطاف حُسین حاؔلی سے مسدس لکھوائی اور پھر اسے اپنے اعمال حسنہ میں شمار کیا۔سر سید احمد خان شاعری کے مخالف نہ تھے لیکن وہ شاعری کو نیچرل شاعری کے قریب لانا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے محمد حسین آزاد کے نیچرل شاعری کی داد دی اور ان کی مثنوی خوابِ امن کو دل کھول کر سراہا۔سر سید احمد خان کی جدیدیت نے اس حقیقت کو بھی پالیا تھا کہ قافیہ وردیف کی پابندی خیالات کے فطری بہاؤ میں رکاوٹ ہے۔سر سید احمد خان کے نظریات کا اثر یہ ہوا کہ اردو نظم میں فطرت نگاری کی ایک موثر تحریک پیدا ہوئی۔نظمِ جدید کی تشکیلی دور میں علی گڑھ تحریک کے ایک رکن عبدالحلیم شرر نے سرگرم حصہ لیا اور رسالہ دل گداز میں ایسی نظمیں شائع کی جن میں جامد قواعد ضوابط سے انحراف برت کر تخلیق کی رو کو اظہار کی آزادی عطا کی گئی تھی۔سر سید کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مولانا الطاف حسین حالی سے مسدس مدو جزر اسلام لکھوائی اس نظم نے مسلم معاشرہ کی اصلاح میں غیر معمولی کام انجام دیا۔اس کے تعلق سے مولوی عبدالحق نے ایک دلچسپ واقعہ تحریر کیا ہے کہ:

''پنجاب کے ایک دورفتادہ گاؤں میں کسی شادی میں شرکت کی غرض سے ان کا جانا ہوا اس تقریب میں انہیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ایک شخص مسدس مولانا علی پڑھتا جاتا ہے اور خود بھی رو رہا ہے دوسروں کو بھی روزہ رہا ہے''۔

مسدس کی سادگی ،سلاست ،روانی ،قوم کو بیدار کرنے والا مضمون اور شاعر کا خلوص آج بھی دلوں کو گرماتا اور لوگوں کو متاثر کرتا ہے۔ علامہ شبؔلی کی قومی اور سیاسی شاعری میں بھی یقیناً سر سید کا ذہن کارفرما تھا۔بعد کے اکثر قومی شاعروں نے انہی بنیادوں پر شاعری کر کے نام کمایا۔

شروع میں اکبرالہ آبادی نے علی گڑھ تحریک کی پرزور مخالفت کی اوراس کے لیے شاعری کو وسیلہ بنایا۔ایک طرح سے ان کے ذہن اور شاعری ،دونوں کو تحریک ہی سے جلا اور روشنی حاصل ہوئی۔غزل میں لکھنے والے اکثر شاعروں کے کلام میں اس تحریک کا اثر نظر آتا ہے اور آگے چل کر علامہ اقبال نے سرسید کے اس خواب کو اپنی منظوم شاعری کے ذریعے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

3.2.4 : انجمنِ پنجاب لاہور

غزل کے بجائے نظم کی روایت کو فروغ دینے میں جس ادارے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے،اس ادارہ کا نام انجمن پنجاب لاہور ہے۔جس کے تحت مصرح طرح پر غزل لکھنے کے بجائے عنوان پر نظم لکھنے کا طریقہ شروع کیا گیا۔جس کی وجہ سے اردو کی ادبی تاریخ میں باضابطہ نظم نگاری کا آغاز ہوا۔انجمن پنجاب لاہور اور اس کے قیام سے لے کر اختتام تک جن لوگوں نے اہم خدمات انجام دی ان میں ڈاکٹر لائٹنز اور کرنل ہال رائڈ کو اہم مقام حاصل ہے۔جن کی کوششوں کی وجہ سے انجمن پنجاب لاہور میں نظموں کے مشاعروں کا آغاز ہوا اور علوم مشرقی کے احیا کے ساتھ اردو زبان وادب اور تحقیقی وتنقیدی مقالے لکھنے کے علاوہ میڈیکل اور دیگر تعلیمی انتظام کو فروغ دیا گیا۔اس لیے اردو زبان وادب کی تاریخ میں انجمن پنجاب لاہور کی خدمات کے توسط سے ہمہ جہد خدمات کے ساتھ اردو نظم کو فروغ حاصل ہونے کا امتیاز حاصل ہے۔انجمن پنجاب 2 جنوری 1865 عیسوی کو قائم ہوئی انجمن کے پہلے صدر پنڈت من پھول اور پھر ڈاکٹر لائٹنز مقرر ہوئے۔انجمن کے سرپرست پہلے میجر فلر اور پھر کرنل ہالرائڈ مقرر ہوئے۔1867 میں مولانا محمد حسین آزاد انجمن کے سیکرٹری اور لیکچرر مقرر ہوئے۔انجمن پنجاب کے پانچ مقاصا نجمنِ پنجاب لاہور:

غزل کے بجائے نظم کی روایت کو فروغ دینے میں جس ادارے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے،اس ادارہ کا نام انجمن پنجاب لاہور ہے۔جس کے تحت مصرح طرح پر غزل لکھنے کے بجائے عنوان پر نظم لکھنے کا طریقہ شروع کیا گیا۔جس کی وجہ سے اردو کی ادبی تاریخ میں باضابطہ نظم نگاری کا آغاز ہوا۔انجمن پنجاب لاہور اور اس کے قیام سے لے کر اختتام تک جن لوگوں نے اہم خدمات انجام دی ان میں ڈاکٹر لائٹنز اور کرنل ہال رائڈ کو اہم مقام حاصل ہے۔جن کی کوششوں کی وجہ سے انجمن پنجاب لاہور میں نظموں کے مشاعروں کا آغاز ہوا اور علوم مشرقی کے احیا کے ساتھ اردو زبان وادب اور تحقیقی وتنقیدی مقالے لکھنے کے علاوہ میڈیکل اور دیگر تعلیمی انتظام کو فروغ دیا گیا۔اس لیے اردو زبان وادب کی تاریخ میں انجمن پنجاب لاہور کی خدمات کے توسط سے ہمہ جہد خدمات کے ساتھ اردو نظم کو فروغ حاصل ہونے کا امتیاز حاصل ہے۔انجمن

پنجاب 21 جنوری 1865 عیسوی کو قائم ہوئی انجمن کے پہلے صدر پنڈت من پھول اور پھر ڈاکٹر لائٹنز مقرر ہوئے۔انجمن کے سر پرست پہلے میجر فلر اور پھر کرنل ہالرائڈ مقرر ہوئے۔1867 میں مولانا محمد حسین آزاد انجمن کے سیکرٹری اور لیکچرر مقرر ہوئے۔انجمن پنجاب کے پانچ مقاد کچھ اس طرح سے تھے:

1۔ قدیم مشرقی علوم کا احیا

2۔ دیسی زبانوں کے ذریعہ عوام تعلیم کا فروغ۔

3۔ صنت اور تجارت کی ترقی۔

4۔ معاشرتی، ادبی، سائنسی اور عام دلچسپی کے سیاسی مسائل پر تبادلہ خیال۔

5۔ مفاد عامہ کے تمام اقدامات میں صوبے کے تعلیم یافتہ اور بااثر طبقوں کے افسروں کو قریب لانا۔

ان پانچ اغراض و مقاصد کے علاوہ جو لائحہ عمل تیار کیا گیا اس کے تحت اہم معاملات میں انجمن نے فیصلے کیے۔جس کے تحت ایک نمائندہ کونسل کا قیام، دیسی سول سروسز کی تشکیل اور اس کے امتحانات کے طریقہ کار میں ترمیمات، ایک تعلیمی کانگرس کا قیام، صحت و صفائی سے متعلق امور، مختلف ادبی، سماجی اور سیاسی موضوعات پر مضامین شائع کرنا وغیرہ۔انجمن نے مختلف شعبہ جات میں جو خدمات انجام دی وہ قابل ستائش ہیں لیکن انجمن کے تئیں اردو شعر و ادب کی جو ترقی ہوئی اس سے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔انجمن پنجاب لاہور کے تمام تر کارنے میں ادب کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں حالانکہ انجمن پنجاب لاہور نے سماجی معاشی اور معاشرتی کاموں کے علاوہ دیگر شعبہ جات کی تعلیم کا بھی انتظام کیا۔اردو ادب کی تاریخ میں انجمن پنجاب لاہور کی خدمات کو صرف اردو نظم کی شروعات اور اس کے لیے دو اہم اردو کے شاعر محمد حسین ازاد اور خواجہ الطاف سنہالی کا نام پیش کیا جاتا ہے۔

فارسی ادب کے زیر اثر ہندوستان میں مشاعروں کی روایت قائم تھی جس کے ذریعہ بادشاہوں، امیروں اور درباروں کے توسط سے شاعروں کی سرپرستی کی جاتی تھی تاکہ وہ فکر معاش سے ازاد ہو کر ادبی تخلیقات پیش کرنے میں مصروف رہیں۔یہ سلسلہ شمال اور جنوب میں جاری رہتا تھا لیکن اردو ادب کی خدمت غزل کی شاعری سے انجام دی جا رہی تھی۔اس ضمن میں سب سے عظیم کام انجمن پنجاب لاہور نے یہ انجام دیا کہ غزل کے مشاعرے کے بجائے نظم کے مشاعرے منعقد کرنے کا اغاز کیا۔اگر چہ انجمن پنجاب کے پہلے ناظم تعلیمات ڈاکٹر لائٹنز تھے لیکن جب صوبہ پنجاب کے سربراہ کرنل ہال رائڈ ناظم تعلیمات مقرر کیے گئے تو انہوں نے انجمن پنجاب لاہور کی نظمیہ مشاعرے کی بنیاد رکھی۔مولانا ازاد

نے اس حقیقت کا انشاء کیا ہے کہ 15 اگست 1867 کو انہوں نے ایک مضمون پڑھا جس میں ادبی معیار میں انقلاب اور شاعروں کے نزول عین میں تبدیلی کی ضرورت پر زور دیا گیا اس مضمون کا اثر یہ ہوا کہ باضابطہ عنوان دے کر نظم لکھنے کی خواہش کے تحت مشاعرہ شروع ہوا۔ انجمن کا پہلا مشاعرہ اٹھ مئی 1874 عیسوی کو منعقد ہوا اس سے پہلے دو مئی 1874 عیسوی کو جلسہ عام ہوا تو وہاں مولانا محمد حسین آزاد نے تاریخی تقریر کی اور اپنی پہلی نظم "شام کی آمد" اور "رات کی کیفیت" پڑی۔ اٹھ مئی کو انہوں نے اپنی نظم شب قدر پیش کی 30 مئی 1874 عیسوی کو منعقد ہونے والا ہے مشاعرہ کا عنوان برسات رکھا گیا جس میں مولانا حالی نے مشہور نظم بھر کررت پڑھی انجمن پنجاب لاہور کا دوسرا مشاعرہ 30 جون 1874 عیسو کو ہوا جس کا عنوان "زمستان" رکھا گیا تھا . انجمن کا تیسرا مشاعرہ تین اگست 1874 عیسوی کو منعقد ہوا جس کا عنوان "امید" تھا .

اس مشاعرے میں حالی کی نظم "نشاط امید" کو پسند کیا گیا۔ ایک ستمبر 1874 عیسوی کو محفل مشاعرہ میں "حب وطن" عنوان پر ناظم پیش کی گئی۔ اس طرح نظم نگاری کا قافلہ انجمن پنجاب لاہور سے اگے بڑھتا گیا جس میں صرف مسلم طبقہ ہی نہیں بلکہ ہندو طبقہ کا بھی شریک ہوتا تھا. انجمن کا پانچواں مشاعرہ اکتوبر 1874 عیسوی کو باعنوان "امن" کے نام سے منعقد ہوا جبکہ چھٹا مشاعرہ باعنوان "انصاف" 14 نومبر 1874 اور ساتواں مشاعرہ 19 دسمبر 1974 عیسوی باعنوان "مروت" منعقد ہوا . اسی طرح 9 اور 10 مشاعرہ 13 مارچ 1875 اور اس کے بعد منعقد ہوا جس میں لکھنوی اور دہلوی شورہ شریک ہوا کرتے تھے غرض مشاعروں کی ناظمیہ روایت کو فروغ دینے میں انجمن پنجاب لاہور کی خدمات اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ اس لیے اردو زبان وادب کی ترقی میں انجمن پنجاب لاہور کی نظم نگاری کے مشاعروں کو سب سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔

شاعری کی روایتی اصناف کا چلن انجمن پنجاب لاہور سے قبل موجود تھا چنانچہ مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، رباعی، غزل، قطعہ، شہر آشوب، واسوخت اور ریختی جیسی شعری اصناف کو عروج حاصل ہو چکا تھا۔ انجمن پنجاب لاہور کے مشاعروں کے ذریعہ باضابطہ نظم نگاری کی روایت کا اغاز ہوا اور شاعروں نے عنوانات پر ناظم لکھ کر پیش کرنا شروع کیا اردو شاعری میں انگریزی ادب سے قبول کی جانے والی نظم نگاری کا سلسلہ شروع ہوا ابتدا میں انجمن پنجاب کے جلسوں میں تین بڑے شاعروں نے مثنوی نگاری کی روایت کو برقرار رکھا جن میں محمد حسین ازاد خواجہ الطاف حسین حالی اور انوار حسین ہما جیسے نام احمد کے حامل ہیں مثنوی کی زبان سادہ تھی جبکہ کرنل رائٹ کے مشورہ پر انجمن پنجاب میں موضوعاتی نظموں کو پیش کرنے کا سلسلہ شروع ہوا محمد حسین ازاد اور مولانا حالی نظم نگاری کے سرخیل قرار دیے گئے چنانچہ یکے بعد دیگرے انجمن پنجاب لاہور کے مشاعروں میں مختلف عنوانات جیسے اخلاق تہذیب قناعت مروت انصاف امن کا انتخاب کیا گیا جس میں مسنویاں بھی پیش کی گئی لیکن انجمن پنجاب کا علم کلابی کارنامہ یہی ہے کہ مولانا ازاد اور مولانا حالی نے مل کر اردو شاعری میں نظم کی روایت کو نیچرل شاعری سے وابستہ کیا قدرتی موضوعات پر لکھی جانے

والی نظم میں نیچرل شاعری کہلاتی ہیں چنانچہ شام کی امدرات کی کیفیت برقہ روت اور ایسے ہی کئی عنوانات پر نظمیں لکھی گئی جنہیں اردو کی پہلی نیچرل شاعری کی بنیاد قرار دے کر انجمن پنجاب لاہور کے توسط سے اردو میں سب سے پہلے نیچرل شاعری کے اغاز ہونے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے ان مشاعروں میں اس وقت کی عظیم شخصیات کے علاوہ مشہور و معروف شعرا نے بھی شرکت کی جن میں شاہ انور حسین ہما، مولوی مرزا اشرف بیگ اشرف منشی الہی بخش رفیق مولانا ازاد مولی محمد مقرب علی رئیس مولی عمر جان ولی مولوی قادر بخش مولوی عطائ اللہ مولوی علاؤالدین کشمیری کے علاوہ پنڈت کرشن لال مفتی امام بخش رلیس دوگالہ انور حسین مصر رام داس قابل منشی علاؤالدین صافی سید اصغر علی حقیر لکھنوی۔انجمن کے مشاعروں میں شرکت کرنے والے جہاں مسلم طبقہ کی تعداد زیادہ تھی وہیں ہندو طبقہ بھی ان مشاعروں میں شریک ہو کر اپنی نظمیں سنایا کرتا تھا۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انجمن قومی یکجہتی کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ موضوعات کے تناؤ کو شاعری میں پیش کرنے اور نظم کی شاعری کو نیچرل شاعری سے وابستہ کر کے کردو کی شیر گوئی کی صنف میں پابند نظم نگاری کا اغاز کیا اس وقت تک ازاد نظم اور معرا نظم کا چلن عام نہیں ہوا تھا اس لیے انجمن پنجاب کے موضوعات اور اس سے وابستہ شاعروں کی کوشش کو پابند شاعری ہی نہیں بلکہ نیچرل شاعری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے غرض متفقہ طور پر نظم نگاری کو عام کرنے میں انجمن پنجاب لاہور کی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔

3.2.5: رومانی تحریک

تخیلات اور تصورات کی الگ اور منفرد دنیا ہوتی ہے اور اس دنیا میں اردو ادب کو رومانی تحریک نے داخل کیا۔اس تحریک نے اردو ادب کو ایک نئی سوچ اور فکر دی، جس میں عقل کے بجائے احساسات اور جذبات کے ذریعے حقیقت تک پہنچنے کے لیے جدوجہد شروع ہوئی۔ رومانیت کو انگریزی میں Romanticism کہتے ہیں یہ اصطلاح Romance یا Romana سے لی گئی ہے Romana جنوبی علاقے کے لاتینی زبان کا نام ہے اور رومانس ان زبانوں کو کہا جاتا ہے جو یورپ کے جنوبی علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔لفظ رومنس کو سب سے پہلے جرمن نقاد نے استعمال کیا اور جرمنی سے یہ اصطلاح فرانس اور انگلینڈ تک پہنچی۔رومانیت کی تحریک پہلے پہل چوتھی صدی قبل مسیح میں یونان سے شروع ہوئی اور قدیم یونانی دیومالاؤں میں جو تخلیقی لچک ہے اسے رومانی یا رومانیت کا نام دیا جاتا رہا ہے۔پرانی اساطیری روایات وتوہمات اور مافوق الفطرت عناصر کے خلاف بغاوت سے سرکشی اور جنسی افسانے جیسی روایت سے رومانیت میں انحراف کی مثالیں ملتی ہیں۔

رومانی تحریک سے متعلق مختلف نظریات سامنے آتے ہیں رومانیت کو زندگی سے فرار کا نام بھی دیا جاتا رہا ہے۔شروع میں کولرج، ورڈز

ورتھ اوران کے ہم عصروں کے لیے جن کے دل میں انسانی جذبات کا درد اور قدریں تھی، ان کے لیے یہ تحریک ایک عظیم مشعل راہ تھی لیکن ان کے عزائم منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی متزلزل ہو کر زمین بوس ہو گئے۔ لیکن جس راستے پر یہ تحریک چل نکلی تھی، اگر صحیح سلامت منزل تک پہنچ جاتی تو آج اس کی صورتحال یہ نہیں بل کہ دوسری ہوتی اور رومانیت کے پیروکاروں نے جو خواب دیکھے تھے وہ حقیقت میں تبدیل ہو جاتے تو یہ رومانی تحریک کی سب سے بڑی کامیابی ہوتی لیکن آگے چل کر اس میں جو بدگمانیاں اور خرابیاں آئیں ان کو دیکھ کر رومانیت کی شان میں قصیدے پڑھنے والے بھی پست ہو گئے اور یہی وجہ ہے کہ انگریزی ادب میں شیلے، کیٹس اور بائرن کو اپنے پیش رووں یعنی ورڈز ورتھ اور کولرج وغیرہ کے خلاف یہ کہنا پڑا کہ وہ جس عظیم مقصد کو لے کر چلے تھے آخر میں انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور وہ بزدلوں کی طرح انسانی زندگی سے فرار اختیار کر کے فطرت کی گود میں سو گئے۔ اردو ادب میں رومانی تحریک کا باقاعدہ آغاز اجتماعی طور پر رسالہ ''مغزن'' میں یلدرم کے مضامین سے ہوتا ہے اس کے بعد جن ادبا اور شعرا نے رومانی رجحان اور فکر کے تحت اپنی تحریروں سے مغزن کے مشن کو آگے بڑھایا ان میں علامہ اقبالؔ، مولانا آزادؔ، ظفر علی خان، مرزا محمد سید، خوشی محمد ناظر، مہدی افادی، لطیف الدین احمد، خواجہ حسن نظامی، شیخ عبدالقادر اور سجاد حسین کے نام قابل ذکر ہیں جنہوں نے سرسید کے عہد کے علمبر دار ہوتے ہوئے بھی اپنی تحریروں میں نئے اور بدلتے ہوئے ادبی رجحانات کو جگہ دی ہے پروفیسر محمد حسن کے مطابق "اس جدید ذہن کی ''مخزن'' اور ''نقاد'' نے ایک سمت کی طرف رہنمائی کی ''مخزن'' اور '' نقاد'' نے اردو ادب میں وکٹورین انگلستان کی تہذیب کو آدرش تسلیم کیا اور صاف ستھرے مذاق کی روایت استوار کی"۔

جذباتی سطح پر پہلے پہل اس کے ابتدائی نقوش محمد حسین آزاد، میر ناصر علی دہلوی اور عبدالحلیم شرر کی تحریروں میں بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اردو شاعری کا جائزہ لیا جائے تو اردو شاعری میں رومانیت کا ذوق شروع سے ہی پایا جاتا ہے حالیؔ اور اقبالؔ کے علاوہ جن شعرا کے ہاں رومانی عنصر نمایاں ہیں ان میں حفیظؔ جلندھری کا نام سرفہرست ہے انہوں نے زندگی کی مادیت پرستی سے نقاب کشائی کی ہے ان کے ساتھ ساتھ عظمت اللہ خان اور جوشؔ ملیح آبادی کے ہاں رومانی جذبہ فکر کافی اہمیت کا حامل ہے اسی طرح اختر شیرانی رومانت کی ایک توانا آواز ہے ان کے ہاں رومانیت وطن سے محبت کے جذبے کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ رومانی مکتبہ فکر سے متاثر ساگر نظامیؔ اور احسان دانش بھی نظر آتے ہیں۔ ساغر نظامی نے تینوں کے اثرات قبول کیے ہیں بلکہ اقبالؔ کی حب الوطنی کی روایت حفیظ کی نغمگی اور اختر شیرانی کی لا ابالی محبت کو مدغم کر کے رومانت کو ایک ایسا زاویہ نگاہ سے پیش کیا ہے جس میں جذبۂ فکر اور انفرادیت دونوں موجود ہیں۔ احسان دانش کی رومانیت اپنی مٹی کی دین ہے ان کے ہاں مغربی اثرات نظر نہیں آتے ان کی رومانی تخیل پسندی اور جذبے کے وفور کے نقوش ان کی نظموں 'سولن کی ایک شام'، 'شام اودھ'، 'بیتے ہوئے دن'، 'صبح

بنارس' میں رومانی انداز بدرجہ اولی موجود ہے۔

اس طرح سے ساڑھے تین دہائیوں پر مشتمل رومانی تحریک نے اردو ادب کو بدلتے ہوئے حالات کے سانچے میں ڈھال کر ایک ایسا تغیر پذیر اسلوب فراہم کیا اور ایسے اثرات مرتب کیے جنہیں اردو ادب کی تاریخ فراموش نہیں کرسکتی۔اس میں شک نہیں کہ رومانی تحریک اردو ادب کی ایک فعال اور متحرک تھی جس نے اس عہد کے لکھنے والوں پر گہرے اور وسیع اثرات مرتب کیے آخر میں اس تحریک کے ساتھ بھی وہی ہوا جو اکثر دوسری ادبی، سیاسی اور سماجی تحریکوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے ۔وقت کے ساتھ ساتھ اس تحریک میں بھی دھیرے دھیرے خامیاں آنا شروع ہوئیں اور متعین کردہ اصول وضوابط سے انحراف نے اس تحریک کو بھی زوال کی راہ دکھائی۔لیکن 1901ء سے 1935ء تک اس تحریک نے اردو ادب کو نئی جہتوں سے آشنا کیا۔دیگر تحریکوں کی طرح یہ تحریک بھی صنعتی انقلاب کی دین اور بدلتے ہوئے حالات میں ایک نئی کائنات کی تلاش سے شروع ہوتی ہے۔اس میں نئی قدروں کی آمد اور پرانی قدروں اور اصولوں سے انحراف ہی نہیں بلکہ ان کی رد کی تجاویز بھی سامنے آنا شروع ہوئی۔اس تحریک نے ہندوستانی ادب اور خصوصا اردو ادب پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔

3.2.6: ترقی پسند تحریک

ترقی پسند تحریک کا شمار ادب کی ان تحریکات میں ہوتا ہے جس نے ادب کو زندگی کے حقائق سے قریب کیا۔اس تحریک کے مخصوص مقاصد میں غریبوں کو ان کا حق دلانا، عدم مساوات کے خلاف آواز بلند کرنا، انسان دوستی اور آزادئ ہند کی کوشش شامل تھی۔اس تحریک نے محنت کش انسان کو ادب کا ہیرو بنایا اور شہزادے کے سر سے تاج اتار کر اس کے سر پر سجا دیا۔یہ اس تحریک کا ہی تو کمال تھا کہ ہمارے ادب میں کھیتوں اور کھلیانوں کی سوندھی سوندھی خوشبو بس گئی اور کسان اور مزدور کا پسینہ اس کی تراوت کا سامان بن گیا۔اس تحریک کو اگر تاریخ کے پس منظر میں دیکھیں تو کارل مارکس جو جرمن مفکر تھے اپنی تصنیف "سرمایہ" میں مزدور کو سرمایہ دار اور ظالم کے خلاف آواز بلند کرنے کی تلقین کی۔روس کے رہنما لینن، کارل مارکس کے افکار سے کافی متاثر ہوئے۔آخر کا روس کے محنت کشوں نے متحد ہو کر 1917 عیسوی میں زارِ روس کا تختہ پلٹ دیا اور حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی۔1933 عیسوی میں ہٹلر کے آمرانہ روی نے دنیا بھر کے دانشوروں اور ادیبوں کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ اب مظلوموں کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہونے کا وقت آ گیا ہے۔اس زمانے میں کچھ ہندوستانی نوجوان لندن میں زیرِ تعلیم تھے جن کے اسمائے گرامی اس طرح سے ہیں: سجاد ظہیر، ملک راج آنند، جیوتی گھوش، پرمود سین گپتا اور محمد دین تاثر۔انہوں نے انجمن ترقی پسند مصنفین کے نام سے لندن

میں ایک انجمن قائم کی اور اس کا اعلان نامہ بھی شائع کیا جس میں کہا گیا کہ پرانے خیالات کی جڑیں اب ہل رہی ہیں اور ایک نیا سماج جنم لے رہا ہے۔ یہ اعلان ہندوستان کے بہت سے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھیجا گیا اور ان سے درخواست کی کہ اسے ملک میں عام کریں۔اسی سال سجاد ظہیر بھی تعلیم مکمل کر کے ہندوستان لوٹ آئے جس سے انجمن کی سرگرمی اور بھی تیز ہو گئیں۔

اس تحریک کا باقاعدہ آغاز اپریل 1936ء میں لکھنو میں منعقدہ اس کانفرنس سے ہوتا ہے جس کی صدارت شہرائے آفاق ادیب منشی پریم چند نے کی تھی۔ جنہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں یہ الفاظ پیش کیے تھے کہ ''ہمیں حسن کا معیار بدلنا ہوگا''۔ اردو کے معروف ادیبوں اور شاعروں نے اس تحریک کی سرپرستی کی جن میں منشی پریم، چند مولوی عبدالحق، مولانا حسرت موہانی، جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری، سجاد ظہیر ،فیض احمد فیض، ملک راج آنند، عزیز احمد وغیرہ شامل تھے۔ سجاد ظہیر انجمن کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور باقاعدہ انجمن کے دستورِ اساسی کو منظوری دی گئی۔اس کے بعد ملک میں جابجا انجمن کے جلسے اور کانفرنسیں ہوتی رہیں اور ترقی پسندوں کا یہ کارواں قدم سے قدم ملا کر اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگا۔اس کانفرنس کے بعد ہی اس تحریک نے اپنی منظّم صورت اختیار کی اور مختلف زبان کے ادبا نے انجمن ترکی پسند مصنفین کی داغ بیل ڈالی ۔یہ تحریک اس دور میں اس حد تک اثر انداز ہوئی کہ پرانے اور تجربہ کار قلم کاروں کے ساتھ ساتھ ہر نیا لکھنے والا اس تحریک سے خود کو وابستہ کرنے میں فخر محسوس کرنے لگا اور تھوڑے ہی عرصے یعنی 20 ویں صدی کی چوتھی پانچویں دہائی میں ترقی پسندی نے فیشن کی صورت اختیار کر لی تھی۔ کرشن چندر، منٹو، بیدی، عصمت، حیات الانصاری، اوپندر ناتھ، بلوت سنگھ وغیرہ اس تحریک کے زیرِ اثر افسانہ لکھتے رہے۔ سجاد ظہیر، اختر حسین رائے پوری، مجنوں گورکھپوری، ڈاکٹر عبدالعلیم، آل احمد سرور، احتشام حسین، عزیز احمد، ممتاز حسین جیسے نقادون نے تنقیدی مضامین کے ذریعے تحریک کے خدوکال نمایاں کرنے کی اہم ذمہ داری قبول کی۔

اردو شاعری کے اگر بات کریں تو ترقی پسند شاعروں نے اختر شیرانی کی رومانت اور جوش ملح آبادی کی انقلابی شاعری سے متاثر ہو کر شاعری کی۔ان کے یہاں بغاوت اور دہشت انگیزی کے ساتھ ساتھ ملک کے آزادی کا جذبہ بھی ملتا ہے۔ وہ انقلاب کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار تھے۔ شمیم کرمانی کی نظم قومی سپاہی کا گیت جوان جذبے میں شدید وطنی جذبہ ہے۔ شہاب ملیح آبادی کی نظم 'ہٹو آتا ہے مرد انقلابی بھی' اسی جذبے کا اظہار کرتی ہیں۔ ترقی پسند شاعروں نے انقلاب اور آزادی کو ہی اپنا محبوب قرار دیا تھا ان کے انقلاب کا تصور رومانی تھا وہ اکثر نظمیں اپنے محبوب کو مخاطب کر کے لکھتے تھے۔اس سے معذرت کرتے تھے کہ ان کے پاس محبت سے زیادہ اہم کام ہے اس لیے وہ محبت کا حق ادا نہیں کر سکتے سردار جعفری کی انتظار نہ کر علی جواد زیدی کی نظم میری راہ میں ایسی نظمیں ہیں جن میں شاعر اپنی محبوبہ سے کہتا ہے کہ وہ ان سنگین مسائل

کوسمجھ نہیں سکتی اور نہ اس کا نازک حسن ان حالات میں ساتھ دینے کا متحمل ہوسکتا ہے اس کے بعد شاعروں نے اپنے محبوب کو بغاوت اور انقلاب کی تلقین کرنی شروع کردی۔سلام مچھلی شہری کی نظم شرائط میں کہتے ہیں۔

اٹھا کے ہاتھ کہے انقلاب زندہ باد
لہو سے مثل دلہن مہندیاں رچائے ہوئے

مجاز کی نظم 'نوجوان خاتون سے خطاب' کا یہ شعر بے حد مشہور ہوا۔

تیرے ماتھے کا یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس آنچل سے اک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا

ان تمام نظموں میں انقلاب کا ایک معصوم تصور ملتا ہے۔ترقی پسند شاعروں نے فرسودہ نظام کو ختم کر کے ایک نئی دنیا تعمیر کرنے کے بھی خواب دیکھے۔ان کے یہاں ایک جذباتی ہیجان،غصہ اور انتقام کی آگ بھڑکتی نظر آتی ہے۔مجاز کی نظم 'انقلاب' میں یہ جذبہ عروج پر نظر آتا ہے۔

جھونپڑوں میں خوں محل میں خوں،شبستانوں میں خوں
دشت میں خوں، وادیوں میں خوں،بیابانوں میں خون

جان سار اختر کی نظم ساقی کا یہ شعر

جو ممکن ہو تو،تو بھی آج رنگی جام کے بدلے
لہو کے رنگ میں ڈوبا ہوا پرچم اٹھا ساقی

سردار جعفری کی ایک نظم 'جوانی' کا شعر

میرے ہونٹوں پہ نغمے کانپتے ہیں دل کے تاروں کے
میں ہولی کھیلتا ہوں خون سے سرمایہ داروں کے

جذبی کی نظم 'دعوتِ جنگ'، مخدوم کی نظم 'موت کا گیت' اور 'مشرق' ایسی ہی نظمیں ہیں۔لیکن سجاد ظہیر نے اپنے ایک کتاب میں ایسی نظمیں کہنے پر روک لگادی اور کہا کہ زمانے پر نظر ڈالیے حالات کو سمجھیے اور جو کہنا ہو کیا ڈالیے۔سجاد ظہیر کی اس تنقید کے بعد بہت سے شاعر سنبھل گئے بعض نے اسی روش کو جاری رکھا آگے چل کر جن شاعروں کو استحکام حاصل ہوا ان میں مجاز، مخدوم، فیض، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی، جان نثار اختر، ساحر

لدھیانوی، مجروح سلطان پوری وغیرہ شامل ہیں۔اسرارالحق مجاز نے ترقی پسند شعرا میں سب سے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔عزیز احمد نے مجآز کی شاعری کوانقلاب اورتغزل کاحسین امتزاج قرار دیا۔مجآز کی رومانی نظم میں طفلی کے خواب،نذرِدل،ان کا جشنِ سالگرہ،نورا،کس سے محبت ہے ،ایک غمگین یاد،آج کی رات شامل ہیں۔مجاز کی انقلابی شاعری میں رومانیت نے خاص دلکشی پیدا کی آوارہ،اندھیری رات کا مسافر،رات اور ریل،ایک جلاوطن کی واپسی،نوجوان خاتون سے،خوابِ سحر،اورآہنگ نو انقلابی نظمیں ہیں۔فیض احمد فیض کا پہلا مجموعہ کلام''نقش فریادی'' ہے جس کے بارے میں ن۔م راشد نے لکھا تھا یہ ایک ایسے شاعر کی نظموں اورغزلوں کا مجموعہ ہے جورومان اورحقیقت کے سنگم پر کھڑا ہے۔اس کی رومانی نظم میں آخری خط،سرد شبانہ،تہ نجوم شامل ہیں۔مجھ سے پہلے سی محبت میرے محبوب نہ مانگ،رقیب سے،تنہائی،موضوع سخن،بول کےلب آزاد ہیں ترے،میں انہوں نے اردو شاعری کوایک نئے آہنگ سے آشنا کیا۔فیض بلند بانگ شاعری کے قابل نہیں تھے وہ رمزو کنایہ میں اپنی بات کہتے تھے۔صبح آزادی،دوعشق،نثار میں تیری گلیوں پہ،شیشوں کا مسیحا،زنداں کی ایک شام،یاد،ملاقات،ہم جوتاریخ راہوں میں مارے گئے اوردریچہ وغیرہ ان کی مشہور نظمیں ہیں۔

مخدوم نے ابتدا میں رومانی نظمیں لکھیں۔ان نظم میں ایک تازگی،شادابی،جمالیاتی کیف اورانداز بیان کی ندرت ہے۔سجدہ،انتظار، محبت کی چھاؤں نامۂ حبیب،پشیمانی،ان کی رومانی نظمیں ہیں۔مخدوم کی شاعری میں غنائت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ان کی نظمیں اندھیرا، زلف چلیپا،چاند تاروں کا بن،چارہ گرفنی اعتبار سے مکمل نظمیں ہیں مخدوم کے کلام کے بارے میں عزیز احمد لکھتے ہیں کہ خالص شاعرانہ حیثیت سے بھی اس کے کھرے ہونے میں کوئی کلام نہیں۔سردار جعفری کا پہلا مجموعۂ کلام''پرواز'' ہے۔سال نو،ٹوٹا ہوا ستارہ،آخری خط،ان کی کامیاب نظمیں ہیں۔بعد میں سردار جعفری نے طویل نظمیں لکھی۔ان کی نظمیں سیلاب چین،آنسوؤں کے چراغ،موت،نیا ودھان،زنداں بہ زنداں بے حدمقبول ہوئیں۔طویل نظموں میں نئی دنیا کوسلام بھی بہت مشہور ہوئی۔

کیفی اعظمی کی ابتدائی نظمیں بھی رومانی اورہلکی پھلکی ہیں۔اندیشہ،پشیمانی،ٹرنک کال،حوصلہ اورتبسم،ان کی خوبصورت نظمیں ہیں ہنگامی موضوعات پر بھی انہوں نے نظمیں لکھی۔لیکن جلد ہی ان کو ہنگامی شاعری کا احساس ہوگیا اورانہوں نے اس انداز کوترک کردیا۔جان نثار اختر نے ترقی پسند تحریک سے متاثر ہوکر انقلابی نظمیں لکھیں جن میں بگولہ،یہ ہوکر رہے گا،میں ان کے گیت گاتا ہوں،سجاد ظہیر کے نام،روس کوسلام وغیرہ شامل ہیں۔ساحرلدھیانوی کی شاعری میں بے ساختگی اورتغزل ہے۔انہوں نے متوسط طبقے کے عام تعلیم یافتہ نوجوان کو بے حد متاثر کیا۔ساحر کا مجموعہ کلام سب سے زیادہ پڑھا گیا۔گریز،چکلے،لمحہ غنیمت،بنگال،فن کار،کل اورآج،ایک تصویر رنگ،جاگیر،لہو نذر دے رہی ہے حیات،ساحر

کی مشہور نظمیں ہیں۔ مجروح سلطان پوری نے نظم کے بجائے غزل کو اپنایا۔ وہ سب کچھ جو ترقی پسند شعر انظم کے پیرائے میں کر رہے تھے مجروح غزل میں کہا۔ انہوں نے بہت کم لکھا لیکن جو بھی لکھا وہ یاد رہ جانے والا ہے۔ ان کے علاوہ فراق گورکھپوری، اختر انصاری، احمد ندیم قاسمی، قتیل شفائی ،اختر الایمان، پرویز شاہدی، منیب الرحمٰن عزیز، حامد مدنی ظہیر کاشمیری کے علاوہ وامق جونپوری، غلام ربانی تاباں، نیاز حیدر، مخمور جالندھری وغیرہ بھی اہم شاعر ہیں۔ ترقی پسند شاعری کے لیے جو شرطیں طے کی گئیں وہ اس طرح تھیں۔

شاعر غم دورہ کو موضوع بنائے، غم جاناں اور غم ذات کو موضوع بنانا رجعت پسندی ہے۔ شاعر انقلاب کی جدوجہد میں بین الاقوامی سیاست پر نظر رکھے۔ اس کا کینوس وسیع ہو۔ جمالیاتی قدریں حیت کا تناسب وغیرہ رجت پسند نقادوں کی اصطلاحیں ہیں۔ ادب میں اشاریت، رمزیت، استعارہ، تشبیہ، علامت، زوال پسندوں کا رجحان ہے۔ غم، افسردگی، اداسی اور تنہائی کا اظہار ناپسندیدہ ہے۔ شاعری کو امید افضا ہونا چاہیے جو شاعر عالمگیر عوامی جدوجہد کو موضوع نہیں بناتا اس کا سیاسی شعور خام ہے۔ لیکن اس طرح کے موضوعات سے بہت زیادہ دیر اس تحریک سے بدزن ہو گئے۔ اس تحریک نے مقصدیت اور افادیت پر زیادہ زور دیا۔ رابطہ، رفتہ مواد اور موضوع کو ہی سب کچھ سمجھا جانے لگا اور ادب کی جمالیاتی قدر نظر انداز کی جانے لگی۔ ادیبوں نے کمونزم کے پرچار کو ہی سب کچھ سمجھا، حسن کاری کی ادب میں کوئی اہمیت نہیں رہی، انقلاب کی دعوت اس طرح دی جانے لگی جیسے ادب تخلیق نہ کیا جا رہا ہو، شاعری نہ کی جا رہی ہو، محض نعرے لگائے جا رہے ہوں۔ اہم ادیبوں کو یہ صورتحال ناگوار ہوئی اور وہ اس تحریک سے ہی بے زار ہو گئے۔ اثر لکھنوئی، رشید احمد صدیقی، کلیم الدین احمد وغیرہ نے اس شدت پسندی کے خلاف آواز اٹھائی، میراں جی اور ن م راشد تو پہلے ہی ترقی پسند تحریک سے الگ ہو چکے تھے۔ منٹو، قرۃ العین حیدر، خواجہ احمد عباس، اختر الایمان نے بھی اس تحریک کو خیر باد کہا اور 1953ء تک پہنچتے پہنچتے اس تنظیم کا شیرازہ بکھرنے لگا اور 1956ء میں بعض صاحبِ نظر یہاں تک کہہ اٹھے کہ ترقی پسند تحریک اپنا کام پورا کر چکی، اب اسے ختم ہو جانا چاہیے۔

لیکن خامیوں کے باوجود اس بات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ اس تحریک نے اردو ادب کے دامن کو وسیع کیا، خیال و خواب کی دنیا سے نکل کر سنگلاخ حقیقتوں کی دنیا میں سانس لینا سکھایا، شعر و ادب کو بے فکروں اور امیروں کے ڈرائنگ روم سے نکال کر کھیت کھلیان، فیکٹری تک پہنچایا اور عام انسان کی رسائی ادب تک ہو گئی۔ اس تحریک نے پریم چند کے اس قول "ہمیں حسن کا معیار بدلنا ہوگا" کے زیر اثر ادب کا معیار بدلا۔ حسینوں کے لب و رخسار کے بجائے مزدور کے پسینے کی مہک اور کھیتوں کی بھینی خوشبو کو سراہا جانے لگا۔

اُٹھ، کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے

مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے۔

3.3: عمومی جائزہ

اردو ادب کی تاریخ میں اصلاحی تحریکوں کو خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ ان تحریکوں نے نہ صرف ادب کی سمت متعین کی بلکہ معاشرے کی فکری اور اخلاقی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اردو کی اصلاحی تحریکیں بنیادی طور پر انیسویں صدی میں اس وقت نمایاں ہوئیں جب برصغیر میں سیاسی، سماجی اور تعلیمی سطح پر بڑی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمان معاشرہ زوال، مایوسی اور پسماندگی کا شکار ہو گیا تھا۔ اس صورتِ حال میں اہلِ علم و دانش نے معاشرے کی اصلاح اور بیداری کے لیے مختلف فکری اور ادبی تحریکیں شروع کیں جن کا مقصد مسلمانوں میں جدید تعلیم کا فروغ، سماجی برائیوں کا خاتمہ اور فکری شعور پیدا کرنا تھا۔ اس دور کی اصلاحی تحریکوں میں سب سے نمایاں کردار سر سید احمد خان اور ان کی علی گڑھ تحریک کا تھا۔ اس تحریک نے مسلمانوں کو جدید علوم، سائنسی سوچ اور عقلی فکر کی طرف مائل کیا۔ سر سید احمد خان اور ان کے رفقا نے ادب کو محض تفریح یا جذباتی اظہار کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ اسے معاشرتی اصلاح کا ایک مؤثر وسیلہ بنایا۔ اسی وجہ سے اس دور کے ادیبوں اور شاعروں نے اپنی تحریروں میں اخلاقی تربیت، معاشرتی اصلاح اور تعلیمی بیداری کے موضوعات کو نمایاں کیا۔

اصلاحی تحریکوں کے اثرات اردو نثر اور شاعری دونوں میں واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ نثر میں سادگی، مقصدیت اور حقیقت نگاری کو فروغ ملا جبکہ شاعری میں بھی محض عشقیہ مضامین کے بجائے اخلاقی اور سماجی موضوعات کو اہمیت دی گئی۔ اس سلسلے میں حالی، شبلی نعمانی، محمد حسین آزاد اور ڈپٹی نذیر احمد جیسے ادیبوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کی کوشش کی۔ خصوصاً حالی کی شاعری اور تنقید میں اصلاحِ معاشرہ کا جذبہ نمایاں ہے۔ انہوں نے ادب کو زندگی سے جوڑنے اور قوم کی اخلاقی و فکری تربیت کا ذریعہ بنانے پر زور دیا۔

اردو کی اصلاحی تحریکوں نے خواتین کی تعلیم، سماجی انصاف، اخلاقی اقدار اور قومی بیداری جیسے موضوعات کو بھی اجاگر کیا۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں گھریلو زندگی کی اصلاح، خواتین کی تعلیم اور بہتر معاشرتی اقدار پر زور دیا گیا۔ اس طرح ادب کو ایک عملی اور تعمیری مقصد کے ساتھ پیش کیا گیا۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اردو کی اصلاحی تحریکوں نے ادب کو محض جمالیاتی سرگرمی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے سماجی اور فکری تبدیلی کا مؤثر ذریعہ بنا دیا۔ ان تحریکوں کے نتیجے میں اردو ادب میں مقصدیت، حقیقت نگاری اور اصلاحِ معاشرہ کے رجحانات مضبوط ہوئے اور یہی

رجحانات بعد کے ادبی ادوار کی بنیاد بھی بنے۔

3.5: فرہنگ

الفاظ		معنیٰ
ردِّعمل	:	کسی بات یا رجحان کے جواب میں پیدا ہونے والا مخالف رویہ۔
ریختہ	:	اردو زبان کی قدیم شکل؛ ابتدائی اردو شاعری کے لیے مستعمل نام۔
مزاحِقہ آمیز	:	مزاح (ہنسی مذاق) پر مبنی، طنزیہ۔
رَوش	:	طریقہ، انداز، رویہ۔
مضمون آفرینی	:	نئے خیالات یا مفاہیم پیدا کرنے کی صلاحیت۔
الہامی کیفیت	:	اندرونی، روحانی یا وجدانی تحریک کی حالت؛ جب خیال خود بخود اُترتا محسوس ہو۔
تصنّع	:	بناوٹ، تکلّف، غیر فطری انداز۔
ذومعنی الفاظ	:	دو مطلب رکھنے والے الفاظ۔
قادِرالکلام	:	زبردست، قادر، توانا شاعر یا نثر نگار۔
نحو	:	گرامر؛ جملوں کی ساخت کے اصول۔
تصرّف	:	کسی چیز میں تبدیلی یا اختیار سے کام لینا۔
تلازمہ	:	ساتھ رہنے کی حالت؛ شاگردانہ تعلق۔
نشاۃ ثانیہ	:	تجدید و احیا، دوبارہ عروج (Renaissance)
.تلقین		نصیحت کرنا، سمجھانا
.افتتاح	:	کسی چیز کا باضابطہ آغاز
.مسجع و مقفیٰ	:	:قافیہ دار اور سجا ہوا نثر یا شعر

. توشۂ آخرت	:	نیکی کا ذخیرہ، آخرت میں فائدہ دینے والا عمل
احیا	:	زندہ کرنا، دوبارہ رواج دینا۔
روحِ عصر	:	زمانے کی فکری ہوا، دور کے رجحانات۔
کج روی	:	ٹیڑھا پن، غلط راہ اختیار کرنا۔
قناعت پسند	:	کم پر راضی رہنے والا، سادہ مزاج۔
ترویج	:	پھیلانا، رواج دینا۔
جامع	:	پوری تفصیل رکھنے والا، مکمل۔
تلقین	:	نصیحت، سمجھانا
. آمرانہ رویّہ	:	معنی: ظالمانہ طرزِ حکومت، زبردستی کا طریقہ
فرسودہ نظام	:	پرانا اور ناکارہ نظام
.انتقام	:	بدلہ
استحکام	:	مضبوطی، پختگی
ندرتِ بیان	:	نئے انداز میں بات کہنا
بے ساختگی	:	بغیر بناوٹ کے فطری انداز
تغزل	:	نرمی اور حسنِ بیان، غزلیہ انداز
رجعت پسندی	:	پُرانے خیالات کی طرف لوٹ جانا
شیرازہ بکھرنا	:	ٹوٹ پھوٹ جانا، ختم ہو جانا
سنگلاخ حقیقتیں	:	سخت، کڑوی حقیقتیں
بھینی خوشبو	:	ہلکی، میٹھی خوشبو

3.6: خود جانچ سوالات/ امتحانی سوالات

1: اردو ادب میں اصلاحی تحریکوں سے کیا مراد ہے؟ ان کے بنیادی مقاصد کیا تھے؟

2: برصغیر میں اصلاحی تحریکوں کے آغاز کے اسباب اور محرکات کیا تھے؟

3: اردو ادب میں سرسید تحریک نے اصلاحی ادب کو کس طرح متاثر کیا؟

4: اصلاحی تحریکوں کے زیرِ اثر اردو نثر اور شاعری میں کون سی نمایاں تبدیلیاں آئیں؟

5: اردو ادب کی اصلاحی تحریکوں کے معاشرتی اور فکری اثرات کیا تھے؟

3.7: مشقی سوالات و جوابات

سوال : ایہام گوئی کیا ہے؟

جواب : دو معنی والے الفاظ سے شاعری کرنا ایام گوئی کہلاتا ہے۔

سوال : ایہام گوئی کے خلاف ردِ عمل کیوں پیدا ہوا؟

جواب : اس لیے کہ اس میں بناوٹ اور تصنع بڑھ گیا تھا اور شاعری فطری اظہار سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

سوال : ایہام گوئی کی تحریک کیوں جلد ختم ہوگئی؟

جواب : کیونکہ اس میں فطری جذبہ کم اور بناوٹ زیادہ تھی، اس لیے عوامی قبولیت حاصل نہ ہو سکی۔

سوال : اصلاحِ زبان کی تحریک میں کن شعرا نے اہم کردار ادا کیا؟

جواب : آرزو، انجام، شاہ حاتم، مظہر جانِ جاناں، یقین، ناسخ اور دیگر شعرا۔

سوال : 1857ء کی بغاوت کا الزام زیادہ تر کس پر آیا؟

جواب : اگرچہ بغاوت ہندو مسلم دونوں نے مل کر کی تھی، لیکن سارا الزام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا۔

سوال : سائنٹفک سوسائٹی کا مقصد کیا تھا؟

جواب : انگریزی علوم کو اردو اور فارسی میں ترجمہ کر کے عوام تک پہنچانا۔

سوال : سرسید شاعری میں قافیہ وردیف کو کیوں ناپسند کرتے تھے؟

جواب : وہ اسے خیالات کے فطری بہاؤ میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔

سوال : علی گڑھ تحریک کے اہم اثرات کیا تھے؟

جواب : مسلمانوں کی تعلیمی ترقی. قومی شعور کی بیداری اردو نثر و نظم میں نئی سمتوں کا آغاز

سوال : علی گڑھ تحریک کا سب سے بڑا مقصد کیا تھا؟

جواب : مسلمانوں کی تعلیمی اور تہذیبی ترقی۔

سوال : انجمن پنجاب کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

جواب : ادب اور علوم کی ترقی اور فروغ۔

سوال : مولانا آزاد نے نظم کے میدان میں کیا اصلاح کی؟

جواب : فطری اور سادہ موضوعات کو نظم میں شامل کیا۔

سوال : رومانی تحریک نے اردو ادب کو کیا دیا؟

جواب : رومانی تحریک نے اردو ادب کو نئی سوچ، جذبات اور تخیل کی آزادی دی۔

سوال : رومانیت کا انگریزی نام کیا ہے؟

جواب : رومانیت کا انگریزی نام Romanticism ہے۔

سوال : رومانی تحریک کو زندگی سے فرار کیوں کہا گیا؟

جواب : کیونکہ اس تحریک میں عقل کے بجائے جذبات اور فطرت کی طرف واپسی کو ترجیح دی گئی۔

سوال : اردو میں رومانی تحریک کا باقاعدہ آغاز کس رسالے سے ہوا؟

جواب : اس کا باقاعدہ آغاز رسالہ مخزن سے ہوا۔

سوال : رومانی تحریک نے اردو ادب کو کتنے عرصے تک متاثر کیا؟

جواب : تقریباً 1901 سے 1935 تک۔

سوال : رومانی تحریک کے زوال کی وجہ کیا بنی؟

جواب : اصولوں سے انحراف اور تحریک میں آنے والی خامیاں۔

سوال : ترقی پسند تحریک نے ادب کو کس چیز کے قریب کیا؟

جواب : ترقی پسند تحریک نے ادب کو زندگی کے حقیقی مسائل اور حقیقتوں کے قریب کیا۔

سوال : اس تحریک کے اہم مقاصد کیا تھے؟

جواب : غریبوں کو حق دلانا، عدم مساوات کے خلاف آواز اٹھانا، انسان دوستی اور آزادی؟ ہند کی کوشش۔

سوال : ترقی پسند تحریک نے ادب کا ہیرو کس کو بنایا؟

جواب : محنت کش انسان، کسان اور مزدور کو۔

سوال : کارل مارکس کس بات کی تلقین کرتے ہیں؟

جواب : مزدور کو سرمایہ دار کے ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کی۔

سوال : انجمن ترقی پسند مصنّفین کی بنیاد کہاں رکھی گئی؟

جواب : لندن میں۔

سوال : انجمن ترقی پسند مصنّفین کے بانی کن نوجوانوں نے بنائے؟

جواب : سجاد ظہیر، ملک راج آنند، جیوتی گوشت، پرمود سین گپتا اور محمد الدین تاثیر۔

سوال : ترقی پسند تحریک کا باقاعدہ آغاز کب ہوا؟

جواب : اپریل 1936ء میں لکھنو؟ کانفرنس سے۔

سوال : لکھنو کانفرنس کی صدارت کس نے کی؟

جواب : پریم چند نے۔

سوال : پریم چند نے اپنے خطبہ ؟ صدارت میں کیا کہا؟

جواب : ہمیں حسن کا معیار بدلنا ہوگا۔

سوال : ترقی پسند شاعری کی بنیادی خصوصیت کیا تھی؟

جواب : بغاوت، انقلاب اور آزادی کا جذبہ۔

سوال : ترقی پسند تحریک کا شیرازہ کب بکھرنے لگا؟

جواب : 1953ء کے بعد اور 1956ء تک یہ تحریک کمزور پڑ گئی۔

سوال : ترقی پسند تحریک کا اردو ادب پر بنیادی اثر کیا ہوا؟

جواب : ادب عوام کے مسائل سے جڑ گیا اور عام انسان ادب کا موضوع بنا۔

3.8 : جواباتِ سرگرمی

علی گڑھ تحریک کے بانی کون تھے؟

جواب: (ب) سرسید احمد خان

اردو میں اصلاحی شاعری کو فروغ دینے میں کس شاعر کا اہم کردار ہے؟

جواب: (ب) الطاف حسین حالی

اصلاحی تحریکوں کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

جواب: (ب) معاشرتی اور اخلاقی اصلاح کرنا

انجمن پنجاب کا قیام کس شہر میں ہوا تھا؟

جواب: (ج) لاہور

مولانا الطاف حسین حالی کی کون سی نظم اصلاحی فکر کی نمائندگی کرتی ہے؟

جواب: (الف) مسدس حالی

3.9: امدادی کتب

۱۔ دکن میں اردو — نصیرالدین ہاشمی

۲۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو — مسعود حسین خان

۳۔ دکنی ادب کی تاریخ — عبدالقادر سروری

۴۔ حیدرآباد دکن میں اردو شاعری (1960 تک) — ناہیدہ سلطانہ

۵۔ دکنی اردو: تاریخ اور ساخت — رتھ لیلا شمٹ

۶۔ دکن میں اردو شاعری — جمیل جالبی

۷۔ دکنی ادب کا ارتقا — گیان چند جین

سبق 4۔ اردو نثر کا آغاز وارتقاء (جنوبی ہند)

ساخت

4.0 اغراض ومقاصد
4.1 تعارف
4.2 اردو نثر کا آغاز وارتقا (جنوبی ہند)
4.2.1 بہمنی دور میں اردو نثر
4.2.2 عادل شاہی دور میں اردو نثر
4.2.3 قطب شاہی دور میں اردو نثر
4.2.4 سلطنت خداداد میسور میں اردو نثر
4.2.5 فورٹ سینٹ جارج کالج کی نثری خدمات
4.2.6 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)
4.3 عمومی جائزہ
4.3.1 آپ نے کیا سیکھا؟
4.5 فرہنگ
4.6 خود جانچ سوالات/امتحانی سوالات
4.7 مشقی سوالات
2.7.1 مشقی سوالات کے جوابات
4.8 جواباتِ سرگرمی
4.9 امدادی کتب

4.0: اغراض ومقاصد

1۔ آپ جنوبی ہند میں اردو نثر کے آغاز اور اس کے تاریخی پس منظر سے واقف ہوسکیں گے۔

2۔ آپ اردو نثر کی ابتدائی صورتوں اور اس کے ارتقائی مراحل کو سمجھ سکیں گے۔

3۔ دکن کے ادبی ماحول اور اس کے اردو نثر پر اثرات کا آپ تجزیہ کرسکیں گے۔

4۔ اہم دکنی نثر نگاروں اور ان کی تصانیف کا تعارف حاصل کرسکیں گے۔

5۔ جنوبی ہند کی نثر اور شمالی ہند کی نثر کے اسلوبی فرق کو پہچان سکیں گے۔

6۔ مذہبی، درباری اور عوامی نثر کے مختلف رجحانات کو سمجھ سکیں گے۔

7۔ زبان و بیان، اسلوب اور موضوعات میں آنے والی تبدیلیوں کا ادراک حاصل کرسکیں گے۔

8۔ اردو نثر کے فروغ میں مختلف سلطنتوں (خصوصاً دکن کی ریاستوں) کے کردار کا جائزہ لے سکیں گے۔

9۔ ادبی تنقیدی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے دکنی نثر کا تجزیہ کرسکیں گے۔

10۔ اردو نثر کی مجموعی تاریخ میں جنوبی ہند کے کردار کی اہمیت کو واضح طور پر بیان کرسکیں گے۔

1.0: تعارف

اردو ادب میں تخلیق ادب کا سلسلہ دکنی زبان میں منظومات کی شکل میں ہوا۔ نثری تخلیق کا سلسلہ بعد میں شروع ہوا۔ بنیادی طور پر دکنی ادب کا دور شاعری کا ہے نثر بعد میں شروع ہوا۔ دکنی دور میں نثر میں جو کتابیں اور رسائل لکھے گئے وہ تعداد اور معیار دونوں اعتبارات سے شاعری کے مقابلے میں کم تر ہیں۔ دکنی نثر کے آغاز و ارتقا کا مطالعہ کرتے وقت یہ دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ دکنی زبان میں نثر کا ذخیرہ محدود ہے دوسرے یہ کہ اس محدود ذخیرے میں موجود تصانیف کے موضوعات بھی محدود ہیں۔ بیشتر کتب و رسائل تصوف کے موضوع پر لکھے گئے ہیں اور مواد و مسائل کے اعتبار سے یہ رسائل نہایت ادق ہیں۔

4.2: اردو نثر کا آغاز وارتقا (جنوبی ہند)

جنوبی ہند کے علاقہ دکن کو اردو زبان و ادب کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اردو کے ابتدائی دور کی ادبی سرگرمیوں کا مرکز

اگر کسی خطے کو قرار دیا جائے تو وہ دکن ہی ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں اردو نے اپنی ابتدائی شکل اختیار کی، پروان چڑھی اور باقاعدہ ادبی زبان کی حیثیت حاصل کی۔ دکن کی تاریخی، سیاسی اور ثقافتی فضا نے اردو زبان کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا، جس کے نتیجے میں اردو نثر اور شاعری دونوں کے ابتدائی نمونے اسی خطے میں سامنے آئے۔ دکن کی تاریخی اہمیت اس اعتبار سے بھی نمایاں ہے کہ یہاں مختلف قوموں، زبانوں اور تہذیبوں کا سنگم تھا۔ شمالی ہند سے آنے والے مسلمان حکمرانوں، سپاہیوں اور صوفیا نے جب جنوبی ہند میں قدم رکھا تو مقامی زبانوں جیسے تیلگو، کنڑ اور مراٹھی کے ساتھ ان کا میل جول ہوا۔ اس اختلاط سے ایک نئی لسانی فضا پیدا ہوئی جس نے ایک ایسی زبان کو جنم دیا جو بعد میں اردو کہلائی۔ اس زمانے میں اس زبان کو دکنی یا دکنی اردو کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ دکنی دراصل اردو کی ابتدائی صورت تھی جس میں مقامی زبانوں کے اثرات نمایاں طور پر موجود تھے۔ دکن کی سیاسی تاریخ بھی اردو کے فروغ کے لیے نہایت سازگار ثابت ہوئی۔ یہاں کی حکومتوں خصوصاً بہمنی سلطنت، عادل شاہی سلطنت اور قطب شاہی سلطنت نے علم و ادب کی سرپرستی کی۔ ان درباروں میں اہلِ علم اور شعرا کو نہ صرف عزت و احترام دیا جاتا تھا بلکہ انہیں تخلیقی کام کے لیے سازگار ماحول بھی فراہم کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان کو درباری سرپرستی حاصل ہوئی اور اس کے ادبی سرمایے میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔

اردو نثر کے ابتدائی زمانے میں دکن کی خدمات نہایت نمایاں ہیں۔ اس دور میں زیادہ تر ادبی تخلیقات مذہبی، اخلاقی اور داستانی نوعیت کی تھیں۔ صوفیا اور علما نے عوام کو دین کی تعلیم دینے کے لیے سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی، جس کے نتیجے میں اردو نثر کے ابتدائی نمونے سامنے آئے۔ ان تحریروں کا مقصد محض ادبی اظہار نہیں تھا بلکہ اصلاحِ معاشرہ اور مذہبی تعلیم بھی تھا۔ اسی لیے ان میں سادگی، روانی اور مقامی رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ دکن کے ادبی ماحول میں صوفیا کی خدمات بھی انتہائی اہم تھیں۔ صوفیا نے تبلیغ اور اصلاح کے لیے مقامی زبانوں کے بجائے ایک ایسی زبان اختیار کی جو مختلف طبقوں کے لیے قابلِ فہم ہو۔ اس طرزِ عمل نے اردو کو عوامی زبان بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ دکن میں اردو نثر کے ابتدائی نمونے صوفیانہ ملفوظات، مذہبی رسائل اور حکایتی تحریروں کی صورت میں سامنے آئے۔ اسی دور میں بعض اہم نثری تصانیف بھی وجود میں آئیں جنھوں نے اردو نثر کی بنیاد کو مضبوط کیا۔ ان میں سب سے زیادہ معروف تصنیف سب رس ہے جسے ملا وجہی نے تصنیف کیا۔ یہ کتاب اردو نثر کی ابتدائی اور اہم مثالوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں قصہ گوئی، تمثیل اور اخلاقی تعلیم کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس تصنیف سے اندازہ ہوتا ہے کہ دکن میں اردو نثر نہ صرف ترقی کر رہی تھی بلکہ اس میں فنی پختگی بھی پیدا ہو چکی تھی۔ دکن کے ادبی مراکز خصوصاً گولکنڈہ اور بیجاپور اس زمانے میں علم و ادب کے اہم مراکز تھے۔ ان شہروں میں ادبی محفلیں، درباری سرپرستی اور علمی سرگرمیاں اردو زبان کے

فروغ کا باعث بنیں۔ یہاں پیدا ہونے والی ادبی روایت بعد میں شمالی ہند تک پہنچی اور اردو کے کلاسیکی ادب کی بنیاد بنی۔اس طرح یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جنوبی ہند کا دکن اردو زبان اور بالخصوص اردو نثر کے ابتدائی دور میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔دکن کی تاریخی، سیاسی اور ثقافتی فضا نے اردو کو نشو و نما کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کی۔ یہاں پیدا ہونے والی ادبی روایت نے بعد کے زمانوں میں اردو ادب کی ترقی کے لیے راستہ ہموار کیا اور اردو نثر کو ایک مستحکم اور باقاعدہ ادبی صنف کی شکل دی۔اگر یہ کہا جائے کہ اردو نثر کی ابتدائی بنیادیں دکن ہی میں رکھی گئیں تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔

3.2.1 : بہمنی دور میں اردو نثر

دکن میں بہمنی سلطنت کا قیام 1347ء میں عمل میں آیا اور خاتمہ 1527ء میں ہوا۔بہمنی خاندان کے اکثر حکمرانوں کو فنونِ لطیفہ اور شعر و ادب سے بڑی دلچسپی تھی۔انہوں نے علما و فضلا، شعرا و ادبا اور اربابِ کمال کی بڑی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی جس کی وجہ سے دکن میں علوم و فنون کے ساتھ شعر و ادب کو بھی نہایت فروغ حاصل ہوا۔بہمنی سلاطین نے ایک خاص حکمتِ عملی کے تحت ایرانی و عجمی روایات کے ساتھ مقامی روایات اور دکن کی ثقافت کو بھی بڑھاوا دیا۔ان کے عہد میں فارسی کے ساتھ دکنی زبان اور شعر و ادب کو بھی فروغ حاصل ہوا۔دکنی زبان میں شاعری کا آغاز اسی دور میں ہوا۔بہمنی دور کے شعرا مثلاً نظامی، اشرف بیابانی، قریشی بیدری وغیرہ کی شاعری کے مستند نمونے دستیاب ہوئے ہیں۔ لیکن جہاں تک نثر کا تعلق ہے بہمنی دور کے کسی ادیب کی نثری تخلیق ابھی تک دستیاب نہیں ہوئی ہے۔بعض تاریخ نویسوں نے بہمنی دور سے تعلق رکھنے والے بعض صوفیائے کرام کے نثری رسائل کا ذکر کیا ہے لیکن ان کا ٹھوس ثبوت پیش کرنے سے وہ قاصر ہیں۔ذیل میں ان صوفیا کی تفصیل دی گئی ہے جن کے نثری رسائل کا ذکر ملتا ہے، لیکن رسائل مفقود ہیں۔

حضرت عین الدین گنج العلم: شیخ عین الدین گنج العلم دکن میں ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔انہوں نے سلطان علاء الدین حسن بہمن شاہ سے سلطان محمد شاہ ثانی تک پانچ بہمنی سلاطین کا زمانہ دیکھا۔شیخ عین الدین گنج العلم بہت بڑے عالم اور صوفی تھے۔انہوں نے علوم متداولہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔بعض تذکروں میں ان کی تعداد (132) بتائی گئی ہے۔حکیم شمس اللہ قادری اپنی کتاب 'اردوئے قدیم میں لکھتے ہیں: آپ نے چھوٹے چھوٹے کئی رسالے دکھنی زبان میں تصنیف کیے تھے۔من جملہ ان کے تین رسالے ایک مجموعہ میں کالج قلعہ سینٹ جارج کیکتب خانے میں موجود تھے۔ان کے اوراق کی مجموعی تعداد چالیس تھی اور ان میں فرائض و سنن کے متعلق احکام و مسائل تحریر تھے۔دکن میں اردو

نثر کی ابتدا کے بارے میں جتنے علما نے لکھا ہے وہ حکیم شمس اللہ قادری کی روایت کو دہراتے رہے ہیں۔ جب کہ حکیم صاحب کے بیان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ رسائل نثر میں تھے یا منظوم۔ دوسرے یہ کہ ان رسائل کو حکیم صاحب کے سوا کسی محقق نے نہیں دیکھا کیونکہ اب یہ رسائل مفقود ہیں، ان کا پتہ نہیں چلتا۔

حضرت خواجہ بندہ نواز: گیسودراز حضرت گیسودراز ان کے والد سید یوسف حسینی المعروف بہ شاہ راجو قتال سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں دہلی سے دولت آباد آئے۔ اس وقت حضرت گیسودراز کی عمر 4 سال تھی۔ شاہ راجو کیا نتقال کے بعد وہ اپنی والدہ کے ساتھ دہلی واپس چلے گئے۔ انہوں نے حضرت نصیرالدین چراغ دہلی سے بیعت کی۔ ہندوستان پر تیمور کے حملے کی شورش میں وہ 1398ء میں دہلی سے نکلے اور مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوئے سلطان فیروز شاہ بہمنی کے عہد میں گلبرگہ آئے اور یہاں طویل مدت تک تبلیغی اور دعوتی خدمت انجام دیتے رہے۔ خواجہ صاحب کثیر التصانیف واقع ہوئے ہیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ان کی عمر ایک سو پانچ کی تھی اور ان کی تصانیف کی تعداد بھی ایک سو پانچ ہے۔

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اپنی تصنیف 'اردو نثر کا آغاز وارتقا میں خواجہ صاحب کی 11 اردو تصانیف کے نام دیے ہیں۔ دیگر محققین نے بھی ان کی تصانیف کی تعداد مختلف بتائی ہے۔ دکنی کے بیشتر محققین مثلاً ڈاکٹر زور، اکبرالدین صدیقی، ڈاکٹر جمیل جالبی، عبدالقادر سروری، مولوی عبدالحق وغیرہ نے جہاں خواجہ صاحب کے اردو رسائل کا ذکر کیا ہے وہیں ان کے خواجہ صاحب کی تصنیف ہونے کے بارے میں شک وشبہ کا بھی اظہار کیا ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے 1924ء میں معراج العاشقین کے نام سے ایک کتاب مرتب کر کے شائع کی اور اسے حضرت گیسودراز کی تصنیف قرار دیا۔ برسوں تک یہ کتاب حضرت گیسودراز کی تصنیف اور اردو میں نثر کی پہلی کتاب کی حیثیت سے مشہور رہی لیکن 1968 میں ڈاکٹر حفیظ قتیل نے معراج العاشقین کا مصنف کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے تحقیق اور دلائل سے یہ ثابت کیا کہ معراج العاشقین حضرت گیسودراز کی تصنیف نہیں ہے بلکہ گیسودراز کے بہت بعد کے صوفی سید مخدوم شاہ حسینی کی تصنیف ہے، جو سید شاہ امین الدین اعلیٰ کے سکرہ پوتیسینی پیر کا مرید تھا اور اس کا زمانہ اٹھارویں صدی کا ہے۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل کی اس تحقیق کے بعد اب عام طور سے یہ مان لیا گیا ہے کہ معراج العاشقین حضرت گیسودراز کی تصنیف نہیں ہے اس لیے یہ اردو کا پہلا نثری رسالہ بھی نہیں ہے۔ دکنی محققین کے مطابق دکنی زبان میں حضرت گیسودراز سے منسوب جتنے نثری رسائل ہیں جیسے معراج العاشقین، ہدایت نامہ، سہ بارہ، درالاسرار، شکارنامہ، تلاوت الوجود ہفت اسرار تمثیل نامہ، خلاصہ توحید، رسالہ شرح کلمہ طیبہ وغیرہ حضرت گیسودراز کی تصنیف نہیں ہیں۔ ان میں بیشتر رسائل کے اصل مصنفین کے نام معلوم ہو چکے ہیں اس لیے انھیں حضرت گیسودراز کی تصنیف قرار دینا غلط ہے۔

سید عبداللہ حسینی:

شمس اللہ قادری نے انہیں حضرت خواجہ بندہ نواز کا نبیرہ قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر زور نے اردو شہ پارے میں انہیں خواجہ صاحب کا پوتا بتایا ہے۔لیکن سیر محمدی، میں حضرت گیسو دراز کا جو شجرہ دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید عبداللہ حسینی، خواجہ صاحب کی نواسی کے شوہر تھے۔ عبداللہ حسینی سلطان احمد شاہ ثانی کے زمانے میں گزرے ہیں۔انہوں نے شیخ عبدالقادر جیلانی کے رسالے نشاط عشق کا دکنی میں ترجمہ کیا تھا اور اس کی شرح لکھی تھی۔اس کا ایک نفیس نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانے میں موجود تھا۔اس طرح بہمنی عہد میں دکنی نثر کے آغاز وارتقا کی مبہم اور غیر واضح تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔اس دور کے بعض رسائل کے نام ملتےہیں لیکن رسائل موجود نہیں ہیں۔کچھ رسائل موجود ہیں لیکن مصنفین سے ان کا انتساب درست نہیں۔جب تک اس دور کے کسی مصنف کا مستند نثری رسالہ دستیاب نہ ہو اس وقت تک بہمنی دور میں دکنی نثر کے آغاز وارتقا کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔

4.2.2: عادل شاہی دور میں اردو نثر

پندرھویں صدی کے اواخر میں جب دکن کی بہمنی سلطنت زوال کا شکار ہوگئی تو اس سلطنت کے پانچوں صوبے خود مختار ہو گئے۔اس کے نتیجہ میں گولکنڈہ میں قطب شاہی، بیجا پور میں عادل شاہی، برار میں عماد شاہی بیدر میں برید شاہی اور احمد نگر میں نظام شاہی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔عادل شاہی سلطنت کے بانی یوسف عادل شاہ نے 1490ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور بیجا پور کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔اس خاندان کے 9 حکمرانوں نے تقریباً 200 برس تک بیجا پور پر حکومت کی۔ان کے عہد میں بیجا پور نے بڑی ترقی کی۔دور دراز مما لک سے علما، فضلا اور اہل ہنر بیجا پور آتے اور شاہی سر پرستی سے مالا مال ہوتے۔عادل شاہی دور میں دکنی زبان اور شعر وادب نے بھی بڑی ترقی کی۔اس خاندان کے بعض حکمران خود بھی دکنی زبان میں شاعری کرتے تھے جیسے ابراہیم عادل شاہ ثانی علی عادل شاہ ثانی وغیرہ۔ذیل میں ہم عادل شاہی عہد کے نثر نگاروں اور ان کی نثری تخلیقات کا جائزہ لیں گے۔

حضرت میراں جی شمس العشاق: میراں جی شمس العشاق، بیجا پور کے بہت بڑے صوفی اور روحانی پیشوا تھے۔میراں جی شمس العشاق نے مدینہ منورہ میں 12 برس تک قیام کیا۔پھر غیبی اشارے پر ہندوستان آئے۔میراں جی، کمال الدین بیابانی کے مرید وخلیفہ تھے۔کمالا لدین کے پیر ومرشد شاہ جمال الدین مغربی تھے جو حضرت گیسو دراز کے خلیفہ تھے۔اس طرح میراں جی کا سلسل؟ طریقت دو واسطوں کیبعد حضرت گیسو دراز سے جاملتا ہے۔میراں جی شمس العشاق نے مریدوں اور طالبوں کی تعلیم و تربیت کے لیے متعدد منظوم رسالے لکھے جیسے خوش نام؟ خوش نغز،

شہادت التحقیق، مغزمرغوب، چہارشہادت وصیت النور وغیرہ دکنی زبان میں میراں جی کی کوئی مصدقہ نثری تصنیف نہیں ملتی۔ البتہ بعض نثری رسائل ان سے منسوب ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔ جل ترنگ اور گل باس بشمس اللہ قادری نے اردو سے قدیم میں ان رسائل کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''حضرت میراں جی شمس العشاق نے بھی نثر اردو میں کئی رسالے لکھے ہیں۔ منجملہ ان کے دو رسالے ہم نے بھی دیکھے ہیں۔ ایک کا نام جل ترنگ اور دوسرے کا گل باس ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں اور شاہ صاحب نے ان میں تصوف کے اسرار و نکات تمثیل کے پیرائے میں بیان کیے ہیں. یہ رسالے اب ناپید ہیں۔ انہیں حکیم صاحب کے علاوہ کسی محقق نے نہیں دیکھا۔ اس لیے انہیں میراں جی سے منسوب کرنا تحقیقی حزم و احتیاط کے خلاف ہے۔

شرح مرغوب القلوب: سب سے پہلے مولوی عبدالحق نے اس رسالے کو میراں جی شمس العشاق کی تصنیف قرار دیا. لیکن شمس اللہ قادری نے اس کی تردید کی اور بتایا کہ انہوں نے ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات کے کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ دیکھا جس کے خاتمہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ میراں جی شمس العشاق کی نہیں بلکہ میراں جی خدا نما کی تصنیف ہے جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر تھے۔۔ لیکن فی الحقیقت یہ ان کی تصنیف نہیں ہے بلکہ میراں جی خدا نما کی تصنیف جو شاہ امین الدین اعلیٰ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سب رس: کتب خانہ سالار جنگ میں سب رس" کے نام سے ایک مخطوطہ ہے. مرتب عبدالقادر سرفراز نے اس کا نام تاج الحقائق بتایا اور اسے وجہی کی تصنیف قرار دیا۔ بعد میں عام طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اس رسالے کا نام تاج الحقائق ہے اور یہ وجہی کی تصنیف ہے۔ اس طرح میراں جی شمس العشاق سے اس کا انتساب کاتب کا سہو قرار پایا۔ سبع صفات: انجمن ترقی اردو ہند کے کتب خانہ میں پانچ صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے جو سبع صفات'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے سرورق پر میراں جی کا نام لکھا ہے۔ اس بنیاد پر ڈاکٹر نذیر احمد نے اسے میراں جی شمس العشاق کی تصنیف قرار دیا ہے۔ یہ میراں جی شمس العشاق کی نہیں بلکہ سید عبدالقادر میراں شاہ ولی اللہ منزوی الجبلین کی تصنیف ہے۔ اس طرح ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ میراں جی شمس العشاق کے منظوم رسائل تو مصدقہ ہیں لیکن ان سے دکنی نثر کے کسی رسالہ کا انتساب ثابت نہیں ہوتا۔ شاہ برہان الدین جانم: جانم میراں جی شمس العشاق کے مرید اور خلیفہ تھے۔ برہان الدین جانم دکنی زبان کے بلند پایہ شاعر اور نثر نگار تھے۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اپنی کتاب اردو نثر کا آغاز اور ارتقاء میں اکبر الدین صدیقی نے اپنے مرتبہ ارشاد نامہ نا کے مقدمہ میں اور ڈاکٹر نذیر احمد نے علی گڑھ تاریخ ادب اردو میں جانم کی نثری تصانیف کے نام دیے ہیں۔

ان میں بعض ناموں میں اختلاف\ پایا جاتا ہے۔ یہ فہرست کچھ اس طرح ہے:

-کلمۃ الحقائق ،معرفت القلوب ،مقصود ابتدائی ،ارشاد نامہ نثر ،ذکر جلی ،کلمۃ الاسرار ،- ہشت مسائل ،رسالہ تصوف ،مجموعۃ الاشیا ،ذکر جلی ارشاد نامہ لیکن یہ تمام رسائل برہان الدین جانم کی تصنیف نہیں ہیں۔صرف کلمۃ الحقائق کے بارے میں وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ جانم کی تصنیف ہے۔مقصود ابتدائی اور ارشاد نامہ نثر کے بھی جانم کی تصانیف ہونے کے دلائل موجود ہیں۔ باقی رسائل میں بعض جانم کے فرزند امین الدین اعلیٰ کی تصنیف ہیں اور بعض گمنام مصنفین کی۔مقصود ابتدائی کا موضوع تصوف وطریقت کے مسائل ہیں جن کی تشریح سوال و جواب کے پیرائے میں کی گئی ہے۔ارشاد نامہ نثر پانچ ذیلی رسائل پر بنی ہے جن میں ذکر جلی ۔ذکر قلبی ذکر روحی ذکر سری اور ذکر خفی کی وضاحت کی گئی ہے۔

دکنی نثر کی تاریخ میں جانم کا سب سے اہم کارنامہ کلمۃ الحقائق ہے جو دکنی زبان میں نثر کا پہلا رسالہ ہے۔اس کا سنہ تصنیف نامعلوم ہے لیکن اندازہ لگایا گیا ہے کہ جانم نے یہ رسالہ ارشاد نامہ کے بعد لکھا کیونکہ اس میں کئی مقامات پر ارشاد نامہ کے اشعار نقل کیے گئے ہیں۔علاوہ ازیں اس کے ابتدائی حصہ میں اندرونی صفحات پر ارشاد نامہ کے اشعار کو نثر بنا کر پیش کیا گیا ہے۔-کلمۃ الحقائق میں تصوف وطریقت کے کچھ مسائل بیان کیے گئے ہیں۔اس میں قدیم منطق وفلسفہ کے ان موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جن پر زمانہ قدیم سے بحث ہوتی رہی ہے۔مثلاً خدا کی ذات وصفات قدیم وحادث ابتداء وانتہا خدا تھا تو کیوں تھا، کہاں تھا؟ بے چون و چگون تھا؟ اسی طرح قدرت کیا ہے؟ قدرت وخدا میں کیا فرق ہے؟ تقدیر وتدبیر سے کیا مراد ہے؟ نفس کی قسمیں ،خیر وشر راہ سلوک راہ شریعت ،منزل ناسوت اور منزل ملکوت کے مسائل پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ وجود کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کے کیا معنی ہیں؟ مرشد کی کیا اہمیت ہے؟ یہ اور اسی قسم کے موضوعات پر سوال و جواب کے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔مرید سوال پوچھتا ہے مرشد جواب دیتا ہے۔

ارشاد نامہ کی طرح کلمۃ الحقائق میں بھی جانم نے اپنی زبان کو گجری" کہا ہے۔کلمۃ الحقائق کی زبان پر گجراتی ،مرہٹی اور ہندی کے واضح اثرات پائے جاتے ہیں۔کلمۃ الحقائق کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے سامنے اردو نثر کا کوئی نمونہ نہیں ہے۔اسے اردو جملے بنانے میں دقت ہو رہی ہے اس لیے وہ اردو لکھتے لکھتے فارسی لکھنے لگتا ہے۔کبھی ایک جملہ اردو اور دوسرا فارسی تو کبھی آدھا جملہ اردو اور آدھا فارسی۔ رسالے کے آخری چند صفحات تو پوری طرح فارسی میں ہیں۔مجموعی طور پر کلمہ الحقائق کی نثر اکھڑی اکھڑی اور ناہموار ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جانم کے عہد میں جو دکنی زبان رائج تھی اس میں ابھی اتنی وسعت اور استعداد پیدا نہیں ہوئی تھی کہ اس میں تصوف فلسفہ اور منطق کے پیچیدہ مسائل بیان کیے جاسکیں۔ذیل میں کلمۃ الحقائق کی نثر کا نمونہ دیا گیا ہے جس سے اس رسالے کے موضوع زبان اور اسلوب کا اندازہ لگایا

جاسکتا ہے۔

اللہ کرے سو ہوے کہ قادر توانا قوی کہ او قدیم القدیم ہے۔اس قدیم کا بھی کرنہار۔سچ سچ سو تیر اٹھار۔و

ہیچ ہوا بھی تو ج تھے بار۔جدھاں کچھ نہ تھا،بھی تھا نہیں، دو جا شریک کوئی نہیں۔ایسا حال سمجھنا خدا تھے

خدا کوں۔جس پر کرم خدا کا ہوئے۔

محمود خوش دہاں:محمود خوش دہاں بیجاپور کے مشہور صوفی شاہ ابوالحسن قادری (مصنف سکھ انجمن) کے بھانجے تھے۔ان کے والد کا نام شیخ داؤد قریشی تھا۔جانم کے علاوہ انہیں اپنے ماموں شاہ ابوالحسن قادری سے بھی خلافت حاصل تھی۔خوش وہاں سے فارسی اور دکنی زبان میں متعدد تصانیف یادگار ہیں۔دکنی زبان میں ان کی چند مختصر مثنویاں ملتی ہیں۔فارسی نثر میں ان کا سب سے اہم کارنامہ رسالہ معرفت السلوک'' ہے۔اس میں انہوں نے جانم کے فلسفہ وجود اور صوفیانہ تعلیمات کو نہایت وضاحت اور دلائل کے ساتھ لکھا ہے۔دکنی زبان میں بھی تصوف کے موضوع پر ان کا ایک نثری رسالہ ملتا ہے جسے حمید الدین شاہد نے رسالہ محمود خوش دہاں بیجاپوری کے نام سے مرتب وشائع کیا ہے۔،خوش وہاں کے رسالے میں نہیں ہے۔خوش وہاں کے یہاں جملے کی بناوٹ اور لفظوں کی ترتیب میں با قاعدگی پائی جاتی ہے۔جانم کی نثر میں اس طرح کی باضابطگی بہت کم ہے۔خوش وہاں کے رسالے سے معلوم ہوتا ہے کہ دکنی نشر ترقی کی طرف گامزن ہے اور اس نے کسی حد تک اپنا راستہ مقرر کر لیا ہے۔امین الدین اعلیٰ:امین الدین اعلی بیجاپور کے مشہور صوفی شاہ برہان الدین جانم کے فرزند اور میراں جی شمس العشاق کے پوتے تھے۔امین الدین اعلی کو محمود خوش وہاں سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔ہزاروں لوگ ان کے مرید و معتقد تھے۔امین الدین اعلیٰ نے اپنے مریدوں اور طالبوں کی تعلیم وتربیت اور ہدایت وتلقین کے لیے دکنی زبان میں متعدد منظوم اور نثری رسالے تحریر کیے۔ان کے نام یہ ہیں:

(1) گنج مخفی (2) وجودیہ (3) گفتار شاہ امین (4) ارشادات (5) ظاہر و باطن (6) بیان کرتے ہیں سجدیاں کا (7) کلمۃ الاسرار۔

رسالہ گنج مخفی شاہ امین کا اہم رسالہ ہے۔اس میں انہوں نے گنج مخفی سے لے کر شہادت تک تنزلات کے مختلف مدارج کی وضاحت کی ہے۔اعلیٰ نے ہر مرتبہ کے لیے خاص اصطلاحیں بھی وضع کی ہیں۔

رسالہ وجودیہ میں مسائل وجود سے بحث کی گئی ہے جو امین الدین اعلیٰ کا مرغوب موضوع ہے۔اس موضوع پر وجودیہ ہی کے نام سے ان کا ایک منظوم رسالہ بھی ملتا ہے۔اس میں انہوں نے ممکن الوجود سے عارف الوجود تک ہر مرتبہ وجود کے موکل روح،قلب،نفس،فہم،تو حیدراہ ذکر منزل شہادت اور شغل کی تفصیلی وضاحت کی ہے۔ رسالہ گفتار شاہ امین کا موضوع رسالہ وجودیہ سے مماثلت رکھتا ہے۔رسالہ ارشادات میں نفس

امارہ اور دل کی کشمکش کے نازک مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔رسالہ ظاہر و باطن میں تصوف وطریقت سے متعلق عام معلومات سوال جواب کے انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔رسالہ بیان کرتے ہیں سجدیاں میں سجدہ تحیت (تعظیمی) کی بحث ہے۔نثر میں امین الدین اعلیٰ کا اصل کارنامہ رسالہ کلمۃ الاسرار ہے جوان کا سب سے طویل رسالہ ہے۔اس رسالہ میں انہوں۔نے کلمہ طیبہ اور نورمحمدی کی تشریح سیدھے سادے انداز میں کی ہے اور اپنی دیگر تصانیف کے برخلاف اس میں اپنے مخصوص نظام تصوف اور پانچ عناصر پچیس گن کے علاوہ اپنی اختراع کی ہوئی دیگر اصطلاحوں کا استعمال نہیں کیا ہے۔کلمۃ الاسرار کی زبان گیارہویں صدی ہجری کی دکنی زبان ہے لیکن کلمۃ الحقائق کے مقابلہ میں صاف ہے۔کلمۃ الحقائق کی طرح اس میں فارسی فقروں اور فارسی جملوں سے مدد نہیں لی گئی ہے بلکہ اپنے دور کی سلیس اور شستہ دکنی استعمال کی گئی ہے۔اپنی بات کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے وہ جگہ جگہ دلکش تشبیہوں، مثالوں، کہاوتوں اور دلچسپ حکایتوں سے بھی مدد لیتے ہیں جس کی وجہ سے اس رسالے میں ادبی شان پیدا ہوگئی ہے۔عبارت کا نمونہ دیکھیے۔نقل ہے مچھلیاں نے اپس میں پانی بیچ اچھ کر فکراں کہاں کہ لوگاں کہتے ہیں کہ مچھلیوں کا جیو مول سو پانی ہے اور ہمیں تو پانی کیا ہے کر دیکھیاں نہیں۔پانی کوں دیکھنا کہ پانی کیا ہے ہور پانی ہمارے سوں کیتک دور ہے۔کدھر ہے۔اپس میں اپیں بہوت فکراں کیاں ہور پانی کوں بہوت دھونڈیاں ولیکن پانی اونوں کوں نیں دستا۔

مخدوم شاہ حسینی: مخدوم شاہ حسینی چشتیہ سلسلہ کے ایک صوفی تھے۔ان کی ایک تصنیف تلاوت الوجود کے آخر میں درج اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم شاہ حسینی کے پیرومرشد پیر اللہ حسینی تھے۔ڈاکٹر حفیظ قتیل لکھتے ہیں ''مخدوم شاہ حسینی کے پیر کا نام پیر اللہ حسینی ہے جو میراں جی خدا نما کے مرید اور خلیفہ تھے۔لیکن حسینی پیر شاہ امین الدین اعلیٰ کے سکڑ پوتے (پوتے کے پوتے) کا بھی نام تھا۔ہوسکتا ہے یا نہی کے مرید ہوں۔مخدوم شاہ حسینی با کانوری شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی۔شاعری میں ان کی ایک مثنوی ''میز بانی نامہ ملتی ہے۔دکنی نثر میں مخدوم شاہ حسینی کی تین کتا ہیں ملتی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

تلاوت الوجود: یہ رسالہ 192 صفحات پر مشتمل ہے۔اس کے مضامین کو (35) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس میں تصوف کے مختلف مسائل خصوصاً خانوادہ امینیہ کے مخصوص پانچ عناصر پچیس گن کے فلسفہ پر سوال جواب کے پیرائے میں بحث کی گئی ہے۔تلاوت الوجود حقیقت المعراج و معرفت الحبوب مختلف کتب خانوں میں اس رسالہ کے نسخے دس مختلف ناموں سے ملتے ہیں جیسے تلاوت الوجود و گنج العرش، حقیقت المعراج، معراج نامہ وجود المعراج العاشقین وغیرہ۔ معراج العاشقین: مخدوم شاہ حسینی کے اس رسالہ کو مولوی عبدالحق نے 1343ھ میں شائع کیا اور اسے حضرت گیسودراز کی تصنیف بتایا۔ایک عرصہ تک معراج العاشقین کو حضرت گیسودراز کی تصنیف اور اردو میں نثر کی پہلی کتاب مانا جاتا رہا۔

1968ء میں ڈاکٹر حفیظ قتیل (عثمانیہ یونیورسٹی) نے اپنی کتاب ''معراج العاشقین کا مصنف میں مدلل طور پر یہ ثابت کیا کہ معراج العاشقین حضرت گیسودراز کی تصنیف نہیں ہے بلکہ سترہویں صدی کے اواخر اور اٹھارویں صدی کے اوائل کے زمانے کے صوفی مخدوم شاہ حسینی بلکا نوری کی تصنیف ہے۔ مخدوم کی نثر پر قدامت اور بیجاپوری اسلوب کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔اس کے جملوں میں روانی کی کمی محسوس ہوتی ہے۔وہ جگہ جگہ قرآنی آیات اور احادیث کا استعمال کرتا ہے۔تاکہ معنویت میں اضافہ ہو۔اس میں مذہبی اور صوفیانہ اصطلاحات بھی بکثرت استعمال کی گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے عبارتیں بوجھل اور کیف واثر سے عاری محسوس ہوتی ہیں۔معراج العاشقین کا درج ذیل اقتباس دیکھیے۔

> قال النبی علیہ السلام کہے انسان کے بوجنے کوں پانچہ تن۔ ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں۔ ہور پانچ دربان ہیں۔ پہلا تن واجب الوجود، مقام اس کا شیطانی، نفس اس کا امارہ یعنی واجب کی آنک سوں غیر نا دیکھنا سو۔حرص کے کان سوں غیر نا سننا سو۔حسد تک سوں بد بوئی نا لینا سو۔بغض کے زبان سوں بدگوئی نا لینا ہو۔کینہ کے شہوت کوں غیر جا گا خر چنا سو۔پیر طبیب کامل ہونا نبض پچھان کو دوا دینا پیر منع کیے سو پرہیز کرنا۔

مذکورہ بالا نثر نگاروں کے علاوہ مابعد دور میں متعدد کم معروف دکنی نثر نگار گزرے ہیں جنھوں نے دکنی نثر کے فروغ میں اہم حصہ لیا۔ان میں شاہ معظم بیجاپوری نے جو امین الدین اعلیٰ کے مرید تھے۔گیسودراز سے منسوب فارسی شکار نامہ کی شرح لکھی۔اسی طرح شاہ برہان الدین قادری راز الٰہی نے تصوف وسلوک کے موضوع پر رسالہ وجودیہ، شاہ نور محمد قادری نے رسالہ نور دریا (وجودیہ) اور رسالہ نوبطون، محمد شریف نے رسالہ گنج مخفی تصنیف کیا اور دکنی زبان میں نثر نگاری کی روایت کو برقرار رکھا۔

4.2.3: قطب شاہی دور میں اردو نثر

بہمنی سلطنت کے زوال پذیر ہونے کے نتیجہ میں قطب شاہی سلطنت کا قیام عمل میں آیا جس کا دارالخلافہ گولکنڈہ تھا۔قطب شاہی خاندان کے بانی سلطان قلی نے جو تلنگانہ کا صوبہ دار تھا1508ء میں اپنی خودمختاری کا اعلان کیا۔ یہ سلطنت کم وبیش 180 سال تک پورے جاہ و حشم کے ساتھ سرزمین دکن پر قائم رہی۔قطب شاہی سلطنت کا بڑا حصہ تلگو زبان کے علاقوں کو محیط تھا۔تاہم بہمنی اقتدار کے 175 سال کے دوران اردو ایک مشترک زبان کی حیثیت سے دکن کے بیشتر علاقوں میں پھیل چکی تھی۔قطب شاہی سلطنت میں بھی عام بول چال اور رابطے کی

زبان یہی تھی۔قطب شاہی سلاطین کے دربار علما،فضلاشعراادباءمورخین اور دیگر ماہرین فن اورارباب کمال کے ماوی ومرکز بنے ہوئے تھے۔ان کی معارف پروری اور فیاضی کے چرچے سن کرعرب اورعجم کے علما اورفضلا دکن آئے اوران کی قدردانی وسرپرستی سے فیضیاب ہوئے۔ قطب شاہی سلاطین نے دکنی زبان وادب کی بھی سرپرستی اورحوصلہ افزائی کی۔انہوں نے وجہی اورغواصی جیسے شعراء کوملک الشعرا بنایا۔ان کے عہد میں دکنی شعروادب کونہایت فروغ حاصل ہوا۔دکنی نثرکوبھی اس دور میں بڑی ترقی ہوئی۔

ملاوجہی: وجہی دکنی زبان کاعظیم المرتبت نثرنگاراور بلند پایہ سخنورتھا۔اس کااصل نام اسداللہ اوروجہی تخلص تھا۔اس کے حالات زندگی پردہ خفامیں ہیں۔قیاس کیا جاتا ہے کہ وجہی، گولکنڈہ کے چوتھے حکمران ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ میں پیدا ہوا،محمد قلی قطب شاہ کے زمانہ میں اس کی شاعری عروج کوپہنچی اورمحمد قلی قطب شاہ نے اسے ملک الشعرا مقرر کیا۔محمد قلی کے بعد محمد قطب شاہ کے زمانہ میں وہ گمنامی میں چلا گیا لیکن عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں شاہی دربار سے دوبارہ اس کاتعلق استوار ہوگیا۔عبداللہ قطب شاہ کے عہد ہی میں اس کا انتقال ہوا۔وجہی کی تصانیف میں مثنوی قطب مشتری چندغزلیات فارسی دیوان غزلیات کےعلاوہ دکنی نثرمیں دو کتابیں سب رس اورتاج الحقائق شامل ہیں۔

سب رس: دکنی نثرکی شاہکارتصنیف ہے۔یہ اردو کی پہلی داستان، پہلی تمثیل اور پہلی غیرمذہبی کتاب یا پہلی ادبی تصنیف ہے۔وجہی نے یہ کتاب سلطان عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر 1045ھ مطابق 1635ء میں تصنیف کی۔سب رس ایک عشقیہ داستان ہے جس کا قصہ وجہی کا طبع زاد نہیں ہے۔یہ قصہ محمد یحییٰ ابن سیبک فتاحی نیشاپوری کی مثنوی ''دستور العشاق کے نثری خلاصے قصہ حسن ودل سے ماخوذ ہے لیکن وجہی نے کہیں اس کااعتراف نہیں کیا ہے۔فتاحی کی مثنوی کا قصہ بھی طبع زادنہیں ہے۔یہ پنڈت کرشن مشر کے سنسکرت ڈرامے پر بودھ چندرودے کی کہانی پرمبنی ہے جس کے ترجمے مغرب اورمشرق کی متعدد زبانوں میں ہوئے ہیں۔سب رس میں وجہی نے ملک سیستان کے بادشاہ عقل کے فرزند دل اورمشرق وولایت کے سلطان عشق کی بیٹی حسن کے معاشقے کی داستان پیش کی ہے۔ سب رس کا پلاٹ سیدھا سادہ اوراکہرا ہے۔اس میں انسانی اعضاءاور مجرداوصاف کوانسانی کرداروں کی شکل دی گئی ہے جیسے عقل،عشق، دل حسن، ہمت نظر ناموس،غمزہ وغیرہ۔اس طرز بیان کی وجہ سے سب رس تمثیل (Allergory) کہلاتی ہے۔

وجہی نے سب رس آج سے کوئی پونے چارسوسال قبل اپنے عہد کی فصیح دکنی زبان میں لکھی لیکن اس کے بہت سے الفاظ اورمحاورات اب متروک ہوچکے ہیں۔سب اس کا طرہ امتیاز اس کی نثر ہے۔وجہی کے سامنے دکنی میں مقفی نثر کا کوئی نمونہ نہیں تھا۔ اس نے اپنی طبیعت کی اختراع سے رنگین بیانی اورعبارت آرائی کا یہ نیا راستہ نکالا۔نقادں کی نظر میں سب رس کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کا حسین وجمیل اورزندہ وشگفتہ

اسلوب بیان ہے۔اس نے ہندوستان کے لسانی ورثے سے بھی خوشہ چینی کی ہے۔دکنی کے علاوہ مرہٹی اور برج بھاشا کی کہاوتوں،ضرب الامثال اور دوہوں کو متن میں شامل کر کے اس نے اپنے علم وفضل اور ہمہ گیری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔سب رس کے جملوں میں ربط وتسلسل اور ایک خاص آہنگ کا احساس ہوتا ہے۔داستان کے درمیان وجہی نے جگہ جگہ بات سے بات نکالتے ہوئے مختلف مذہبی اخلاقی ،صوفیانہ سماجی، ثقافتی وغیرہ دنیا بھر کے موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے۔اس کے یہ خیالات انشائیے معلوم ہوتے ہیں۔اس طرح سب رس میں انشائیے کے اولین نقوش کی جھلک بھی دیکھی جاسکتی ہے۔پروفیسر گیان چند جین کے بقول:

''اردو نثر کی ابتدائی صدیوں کی تاریکی میں''سب رس'' روشنی کے مینار کی طرح دور تک ضو پاش اور جلوہ بار ہے''۔

ذیل میں سب رس کا اقتباس پیش کیا گیا ہے۔

''القصہ حسن نار نے گل عذار نے انکھیاں کے سنگار نے دل کے آدھار نے سنی کہ غمزے کا بھائی جو نھن پن تے بچھڑیا تھا سو ملیا۔غمزے کے دل کا غنچہ جوں پھول کھلیا۔حسن نار چتر چوسار۔صاحب صورت صاحب دیدار دسرے دیس غمزے کوں بلائی، کہی کہ میں سنی ہوں کہ بہوت دیساں پچھیں بچھڑیا تھا سو ملیا ہے تیرا بھائی۔کیا نام دھرتا ہے کیا کام کرتا ہے۔غمزہ بولیا کہ میرے بھائی کا ناؤں نظر عجب مرد ہے باخبر۔بولی کہ کیا ہنر جانتا ہے۔بولیا کہ لعل مانک ہیرے رتن خوب پہچانتا ہے''۔

تاج الحقائق: شواہد کی بنیاد پر اسے وجہی کی تصنیف قرار دیا گیا ہے۔ وجہی نے پہلے تاج الحقائق لکھی پھر سب رس۔تاج الحقائق کا موضوع تصوف اور معرفت کے مسائل ہیں۔

میراں جی خدا نما: دکنی ادب کی تاریخوں میں ان کا نام میراں جی خدا نما اور سید میراں حسینی دنوں طرح سے ملتا ہے۔ انہوں نے کئی اردو رسالے اور نظمیں لکھیں۔رسالہ وجودیہ شرح تمہیدات عین القضات اور شرح مرغوب القلوب ان کی وہ اردو نثر کی کتابیں ہیں جو اب تک محفوظ ہیں۔

شرح تمہیدات عین القضات: تمہیدات عین القضات یا تمہیدات ہمدانی تصوف کی ایک مشہور کتاب ہے جس کے مصنف ابوالفضائل عبداللہ بن محمد عین القضات ہمدانی ہیں۔اس کتاب میں قاضی ہمدانی نے اسرار الہیہ کے انکشاف میں بڑی جسارت کا مظاہرہ کیا تھا جس پر علماء نے ان کے قتل کا فتوی دیا تھا۔یہ فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔غلطی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔خواجہ بندہ نواز گیسو

درازنے فارسی زبان میں اس کی شرح لکھی۔

رسالہ وجودیہ: میراں جی خدانما کے مرشد امین الدین اعلیٰ نے رسالہ ''وجودیہ" کے نام سے دکنی زبان میں ایک منظوم اور ایک نثری دور سالے لکھے تھے۔ان کی تقلید میں میراں جی نے بھی دکنی زبان میں رسالہ وجودیہ کے نام سے ایک نثری رسالہ لکھا جس کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔میراں جی کے علاوہ امین الدین اعلیٰ کے سلسلہ کے بعض دوسرے صوفیا نے بھی ''وجودیہ" کے نام سے صوفیانہ رسالے لکھے جس کی وجہ سے اکثر محققین کو غلط فہمی ہوئی اورانہوں نے ایک مصنف کا رسالہ دوسرے سے منسوب کر دیا ہے۔

شرح مرغوب القلوب: اس رسالہ کا ذکر مولوی عبدالحق نے کیا اور اسے میراں جی شمس العشاق کی تصنیف قرار دیا۔لیکن حکیم شمس اللہ قادری نے مولوی عبدالحق سے اختلاف کرتے ہوئے اسے مدلل طور پر میراں جی خدا نما کی تصنیف قرار دیا کیونکہ انہیں اس کا ایک ایسا قلمی نسخہ دستیاب ہوا تھا جس کے خاتمہ میں میراں جی خدانما کا نام درج تھا۔مرغوب القلوب ایک فارسی مثنوی ہے جو شمس الدین تبریزی سے منسوب ہے۔ میراں جی خدانما نے دکنی زبان میں اس رسالہ کی شرح لکھی جو اصل مثنوی کی طرح دس ابواب پر مشتمل ہے۔میراں جی خدانما کی نثر عموماً ہموار اورشفاف ہے لیکن اس میں بعض مقامات پر ناہمواری اور گنجلک پن کا بھی احساس ہوتا ہے۔لیکن جب ہم ان کی نثر کا برہان الدین جانم کی نثر سے تقابل کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ میراں جی کی نثر زور وضاحت اور قوت اظہار میں جانم سے بہت آگے بڑھ گئی ہے۔

میراں یعقوب: میراں یعقوب میراں جی خدانما کے خاص مرید تھے۔میراں یعقوب شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی لیکن دکنی ادب میں انکی اہمیت نثر نگار کی حیثیت سے ہے۔دکنی نثر میں ان کا کارنامہ شمائل الاتقیاء کا ترجمہ ہے۔شمائل الاتقیاء شاہ برہان الدین غریب کے مرید رکن عمادالدین دبیر معنوی کی فارسی زبان میں لکھی ہوئی ضخیم کتاب ہے۔علی امین الدین کے انتقال کے بعد ان کے بھانجے اور خلیفہ شاہ میراں ابن سید حسین کی خلافت کے زمانہ میں انہوں نے شمائل الاتقیا کے دکنی ترجمے کا آغاز کیا۔

شمائل الاتقیا کا دکنی ترجمہ نہایت ضخیم ہے۔یہ (1299) صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔میراں یعقوب نے اسے 4 ابواب اور 91 بیانات میں تقسیم کیا ہے۔اس کتاب میں اولیا صالحین اور پرہیز گاروں کی پاک خصلتوں کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے اس کا نام شمائل الاتقیا ہے۔اس میں انکتابوں اور رسائل کے نام دیے گئے ہیں جن سے استفادہ کیا ہے۔

میراں یعقوب کی نثر سادہ اور دکنی روزمرہ سے قریب ہے۔اس میں جدید نثر کی ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے۔میراں یعقوب نے نہ صرف فارسی اشعار کا ترجمہ کیا بلکہ اس میں اپنے اشعار اور رباعیاں بھی شامل کی ہیں جس کی وجہ سے عبارت میں رنگینی اور دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔انہوں

نے تصوف وطریقت کی اصطلاحات کوبھی اردو کا جامہ پہنایا ہے۔اس میں سلاست اور بے تکلفی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔انہوں نے کہیں کہیں مقفی اور مجمع جملے بھی لکھے ہیں۔انہوں نے بہت سے قدیم الفاظ ترک کر کے جدید الفاظ استعمال کیے ہیں۔

عابد شاہ: یہ دکنی کے آخری دور کے اہم نثر نگار ہیں۔ان کا نام نواب الدین عابد شاہ حسینی اور عابد خلص تھا۔عابد شاہ گولکنڈہ کے مشہور صوفی شاہ راجو کے مرید ومعتقد تھے جو حضرت گیسودراز کی اولاد میں تھے۔سلطان ابوالحسن تانا شاہ بھی ان کا مرید تھا۔عابد شاہ صاحب علم صوفی تھے۔ شریعت اور طریقت کے مسائل کے علاوہ انہیں طب سے بھی دلچسپی تھی۔وہ شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی۔دکنی نثر میں ان کے تین رسائل دستیاب ہوئے ہیں جن کے نام یہ ہیں(1) معالجات بندہ نواز (2) کنز المومنین (3) گلزار السالکین۔پروفیسر سیدہ جعفر اطلاع دیتی ہیں کہ عابد شاہ کی ایک اور تصنیف مراۃ السالکین ہے جس کا مخطوطہ اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری میں موجود ہے۔عابد شاہ کا اسلوب بیان سادہ اور عام فہم ہے۔انہوں نے گلزار السالکین میں اپنی زبان کو دکھنی'' کہا ہے تاہم ان کی زبان دکنی کے اولین نثر نگاروں کے مقابلہ میں جدید معلوم ہوتی ہے۔انہوں نے قدیم دکنی الفاظ کے ساتھ ان کے نئے روپ بھی استعمال کیے ہیں جیسے کہیں ''ہور لکھا ہے تو کہیں اور استعمال کیا ہے۔اپنے خیالات کی وضاحت کے لیے وہ عبارتوں کے درمیان اشعار بھی درج کرتے ہیں اور مثالوں سے بھی کام لیتے ہیں۔

شاہ عبداللہ: یہ گجرات کے مشہور عالم اور صوفی شاہ وجیہ الدین گجراتی کے فرزند تھے۔بیجاپور کے صوفی سید شاہ ہاشم حسینی علوی ان کے عم زاد بھائی اور مرید وخلیفہ تھے۔شاہ عبداللہ علما اور فقہا کے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔وہ ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ میں بیجاپور آئے۔پھر کچھ عرصہ بعد بیجاپور سے حیدرآباد آئے اور یہیں 1035ھ میں ان کا انتقال ہوا۔شاہ عبداللہ نے دکنی زبان میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام ''احکام الصلوۃ'' ہے۔یہ کسی فارسی رسالہ کا ترجمہ ہے۔اس میں نماز کے فرائض اور احکام کی وضاحت کی گئی ہے۔احکام الصلوۃ کے نام سے شاہ ملک کا بھی ایک منظوم رسالہ ملتا ہے۔دکن میں قطب شاہی سلطنت کے زوال 1687ء کے بعد بھی دکنی زبان میں نثری کتب رسائل اور داستانوں کی تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہا۔ذیل میں نموناً صرف دو مصنفین اور ان کی کتابوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ قادری

شاہ حبیب اللہ قادری گلبرگہ میں مقیم تھے۔ گلبرگہ پر مرہٹوں کے حملے کے بعد وہ حیدرآباد چلے آئے۔یہیں 1144ھ میں ان کا انتقال ہوا۔شاہ ولی اللہ قادری اپنے والد شاہ حبیب اللہ کے مرید وخلیفہ تھے۔انہوں نے اپنے والد کی فرمائش پر شاہ برہان الدین جانم کے خلیفہ محمود خوش وہاں کی تصنیف معرفت السلوک کا فارسی سے دکنی میں ترجمہ کیا تھا۔

فقیراللہ شاہ حیدر: یہ قندھار (مہاراشٹرا) کے مشہور صوفی اور عالم دین شاہ رفیع الدین اوران کے خلیفہ رحمٰن شاہ کا مرید تھا۔اس نے 1244ھ میں ''تناولی کے نام سے دکنی زبان میں ایک قصہ لکھا۔فقیراللہ شاہ حیدر نے یہ داستان قصہ بکاولی (یعنی مذہب عشق جونہال چندلا ہوری کی تصنیف کردہ ہے) کے جواب میں لکھی ہے۔داستان کے آغاز میں وہ کہتا ہے کہ مدت سے کتاب بکاولی کے بڑے چرچے ہیں۔مجھے بھی اس کے پڑھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔فقیراللہ شاہ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے نصف دوم میں حیدرآباداور ورنگل کے دکنی بولنے والوں کوشمالی ہند کی اردوایک اجنبی زبان معلوم ہوتی تھی۔اس لیےفقیراللہ شاہ نے بکاولی کے مقابلہ میں تناولی کا قصہ تصنیف کیا۔

ارکاٹ میں دکنی نثر کا ارتقا

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی فتوحات دکن کے نتیجے میں عادل شاہی وقطب شاہی سلطنتوں کا خاتمہ ہوگیا اور بیجاپور وگولکنڈہ کے علاوہ جنوبی دکن کے وہ علاقے جوان سلطنتوں کی عملداری میں تھے مغل سلطنت کا حصہ بن گئے۔مغل شہنشاہ کی جانب سے ان علاقوں میں صوبہ داراور فوجدار مقرر کیے جاتے تھے۔رفتہ رفتہ یہ صوبے دارنیم خودمختار ہو گئے اورنواب کہلانے لگے۔ارکاٹ،کڑپہ سدھوٹ) کرنول وغیرہ کے نواب نہایت مشہور ہیں۔بیجاپوراور گولکنڈے کے زوال کے بعدان نوابوں نے دکنی زبان اور دکنی شعراوادبا کی بڑی سرپرستی کی،جس کی وجہ سے یہ علاقے شعروادب کا مرکز بن گئے۔جنوبی دکن کےان نوابوں میں نوابان ارکاٹ کوان کے اعلی علمی وادبی ذوق اور فیاضی ومعارف پروری کی بدولت امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ارکاٹ پردونواب خاندانوں کی حکمرانی رہی اول نائک خاندان جس کا دوراقتدار 1710 سے 1743 تک رہا۔دوم والا جاہی خاندان جس نے 1744 سے 1855 تک ارکاٹ پرحکومت کی۔ان نوابوں کے عہد میں ارکاٹ علماء وفضلاء،مشائخین، شعراءوادباءاورارباب ہنرکا مرکز بن گیا۔لالہ جسونت رائے منشی اورقزلباش خاں امیدنواب سعادت اللہ خاں نائط کے دربار سے وابستہ تھے۔ اسی طرح شیخ مخدوم ساوی، ولی ویوری، خواجہ رحمت اللہ نائب رسول،شاہ ابوالحسن قربی،شاہ تراب، والہ موسوی، ملک الشعراء ابجدی،شاہ عبداللطیف ذوقی،باقر آگاہ،اظفری گورگانی معجز ملک الشعرا مستقیم جنگ نامی وغیرہ نے والا جاہی دور میں شعروسخن کی بڑی خدمت کی۔اس علاقے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بیجاپوراور گولکنڈہ کی طرح یہاں بھی شاعری کے خوب چرچے رہے لیکن نثر کی طرف بہت کم توجہ کی گئی۔ شایداس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ اہل قلم شاعری کوہی ذریعہ عزت اور وسیلہ روزگار سمجھتے تھے۔ یہاں کے مشہور نثرنگاروں میں شاہ سلطان خانی کے دورسالے در الاسرار اور زنجیرہ، سیدشاہ عبدالقادرمیراں حسینی منزوی الجبلین کا رسالہ سبع صفات اورمرا?ت الانسان، باقرآگاہ ویلوری کا رسالہ ریاض السیر اہمیت رکھتے ہیں۔

4.2.4:سلطنت خداداد میسور میں اردو نثر

سلطنت خداداد میسور چند در چند تاریخی و سیاسی وجوہات کی بنا پر ہندوستان کی تاریخ میں ایک منفرد اور ممتاز مقام کی حامل ہے۔اس سلطنت کے بانی حیدرعلی تھے جنہوں نے 1761ء میں میسور کے کمزور اور نااہل راجا کو حکومت سے بے دخل کر کے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی۔ حیدرعلی نہایت بہادر بلند حوصلہ اور آزمودہ کار فوجی جنرل تھے۔اقتدار سنبھالنے کے بعد انہوں نے سلطنت میسور کے حدود میں توسیع کی۔حیدر علی ناخواندہ تھے لیکن علوم وفنون سے دلچسپی رکھتے تھے۔انہوں نے علماء فضلا شعرا اور پنڈتوں کی بڑی قدردانی کی اور اکثر کے وظائف مقرر کیے۔ انہیں کتابیں جمع کرنے کا بھی بڑا شوق تھا۔

1782ء میں حیدرعلی کی وفات کے بعد انکے فرزند ٹیپو سلطان تخت نشین ہوئے۔وہ بھی اپنے والد کی طرح نہایت دلیر اور مجیج تھے علمی اعتبار سے بھی وہ نہایت لائق و فائق واقع ہوئے تھے۔مختلف علوم کے علاوہ شعر و ادب کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔بڑے بڑے علما ان کے دربار سے وابستہ تھے۔سلطان کا نہایت بیش قیمت کتب خانہ بھی تھا جس میں مذہبی کتابوں کے علاوہ سائنس،ریاضی،فلسف؟ طب جیسے موضوعات پر سینکڑوں قلمی کتابیں محفوظ تھیں۔1799ء میں انگریزوں سے مقابلہ کرتے ہوئے ٹیپو سلطان نے شہادت پائی اور سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو گیا۔سلطنت خداداد کا عہد نہایت مختصر (38) سال) رہا جس کے دوران حیدرعلی اور ٹیپو سلطان کا زیادہ تر وقت میدان جنگ میں گزرا لیکن اس کے باوجود دونوں حکمرانوں نے جو علمی اور تمدنی خدمات انجام دیں،وہ اپنی مثال آپ ہیں۔حیدرعلی اور ٹیپو سلطان دونوں کے درباروں میں ملک الشعرا کا تقرر ہوتا تھا۔اس دور کے شعرا و ادبا میں شاہ محمد صدرالدین،سعید مہکری عاصی،سید محمد شاہ میر مہتاب رائے سبقت زین العابدین شوستری،حسن علی عزت،حسین علی کرمانی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔نثر نگاری کے حوالے سے شاہ محمد صدرالدین اور سید محمد شاہ میر اس دور کے اہم نثر نگار ہیں جن کی نگارشات اپنے عہد کی دکنی زبان اور محاورے کی نمائندگی کرتی ہیں۔ذیل میں ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔

سید محمد شاہ میر: سید محمد حسینی المعروف بہ شہ میر اولیاء کا شمار بارہویں صدی ہجری کے اکابر صوفیا میں ہوتا ہے۔ان کا تعلق سادات بخاری کے خانوادے سے تھا۔یہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں تھے۔شہ میر شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی۔نثر میں ان سے کئی رسائل یادگار ہیں جن میں انتباہ الطالبین اسرار التوحید،رسالہ عینیت وغیریت رسالہ قادریہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔شہ میر کی نثر کے اسلوب اور زبان و بیان پر دکنی روزمرہ اور محاورے کا گہرا رنگ نظر آتا ہے۔

شاہ صدرالدین شاہ: صدرالدین شاہ میراں حسینی ولی اللہ منزوی الجبلین کے فرزند تھے۔شاہ صدرالدین کثیر التصانیف صوفی تھے۔ انہوں نے 17 مثنویاں اور 7 نثری رسائل لکھے جو دکنی زبان میں ہیں۔کسب محویت کسب عروج،مرآۃ الاذکار وغیرہ ان کی اہم مثنویاں ہیں۔ان سب کا موضوع سلوک وعرفاں کے مسائل ومباحث ہیں۔شاہ صدر الدین کا ایک نثری رسالہ ''مجمع المقالات'' ہے مرات الاسرار شاہ صدر الدین کا دکنی نثر میں ایک اہم رسالہ ہے۔یہ رسالہ انہوں نے اپنے فرزند محمد امیرالدین کیلیے تصنیف کیا تھا۔ان کی زبان ان کے معاصر شعرا وادبا کے مقابلہ میں زیادہ قدیم معلوم ہوتی ہے۔سلطنت خداداد میسور کے خاتمہ کے بعد یہاں اردو (دکنی) نظم ونثر کی تخلیق کا سلسلہ یکانت ختم نہیں۔ بعد کے زمانہ میں یعنی عہد راجگان کے دوران بھی علاقہ میسور سے قادرالکلام شاعر اور ادیب اُبھرتے رہے جنہوں نے دکنی نثر کی آبیاری میں اہم حصہ لیا۔اگر چہ ان کی زبان اور اسلوب بیان شمالی ہند کے اثرات واضح ہونے لگے تھے تاہم دکنی رنگ ہنوز برقرار تھا۔

3.2.5 : فورٹ سینٹ جارج کالج کی نثری خدمات

ایسٹ انڈیا کمپنی نے یورپ سے آنے والے انگریز ملازمین کی تعلیم وتربیت کے لیے 1812ء میں مدراس میں فورٹ سینٹ جارج کالج کا قیام عمل میں لایا۔فورٹ سینٹ جارج کالج نے بھی دکنی زبان وادب کی نشر واشاعت میں اہم حصہ لیا۔ چونکہ مدراس، گوا، میسور اور ارکاٹ میں متعینہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجوں کا صدر مستقر (ہیڈکوارٹر) مدراس تھا۔اس لیے ان کی تعلیم وتربیت کے لیے جو زبان منتخب کی گئی وہ اس علاقہ کی اردو یعنی دکنی زبان تھی۔ یہاں مختلف علوم وفنون ریاضی تاریخ،جغرافیہ سائنس،قانون وغیرہ سے متعلق جو درسی کتابیں لکھوائی گئیں وہ مروجہ دکنی میں تھیں۔ یہ بات نہایت تعجب خیز ہے کہ انیسویں صدی میں دکن کے شعراء نے شمالی ہند کے اردو محاورے کو قبول کرلیا تھا اور ریختے میں دادِ سخن دے رہے تھے لیکن یہاں کی نثر میں دکنی روایت کا تسلسل باقی تھا۔اس زمانہ میں دکنی زبان کے مصنفین نے فارسی کی بہت سی داستانوں کو دکنی کا جامہ پہنایا۔فورٹ سینٹ جارج کالج میں لکھی گئی دکنی داستانوں میں دکنی انوار سہیلی حکایات جلیلہ سنگھاسن بتیسی اور قصہ ملکہ زماں وکام کندلہ مشہور ہیں۔ دکنی انوار سہیلی: انوار سہیلی ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی تصنیف ہے جسے عالمی ادب میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ یہ دراصل سنسکرت کی مشہور کتاب ''پنچ تنتر کا فارسی روپ ہے۔ابراہیم بیجاپوری نے دکنی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔محمد ابراہیم بیجاپوری فورٹ سینٹ جارج کالج میں منشی تھے۔انہوں نے ایک انگریز عہدیدار تھامس ہنری منگ کی فرمائش پر 1822ء میں فارسی انوار سہیلی کا دکنی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ''دکن انجن" رکھا لیکن فورٹ سینٹ جارج کالج کی مجلس انتظامی کے حکم سے یہ کتاب دکنی

انوار سہیلی کے نام سے 1824ء میں کالج کے مطبعے سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے ترجمے کا مقصد ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی افسروں کو دکنی زبان سے واقف کروانا تھا۔ حکایات الجلیلہ ترجمہ الف لیلتہ ولیلتہ پنچ تنتر کی طرح ''الف لیلتہ ولیلتہ بھی عالمی ادب میں نہایت مقبول ہے۔ مدراس کے منشی شمس الدین احمد نے الف لیلہ کی دوسو کہانیوں کا دکنی میں ترجمہ کیا منشی شمس الدین احمد، فورٹ سینٹ جارج کالج میں مدرس تھے۔ وہ عربی فارسی اور اردو میں مہارت رکھتے تھے اور انگریزی بھی جانتے تھے۔ انہوں نے کالج کے رکن اول جان اسٹوکس کی فرمائش پر الف لیلہ کے ترجمے کا بیڑہ اٹھایا۔ منشی شمس الدین نے الف لیلہ کے ترجمے میں سادہ سلیس اور بامحاورہ دکنی زبان استعمال کی ہے جو اہل دکن کے عام محاورے کے موافق ہے۔ انہوں نے عربی و فارسی الفاظ بکثرت استعمال کیے ہیں لیکن قواعد میں وہ دکنی مصنفین کی پیروی کرتے ہیں۔ حکایات الجلیلہ کے اسلوب کا مطالعہ لسانیاتی نقطہ نظر سے بہت دلچسپ ہے۔ اس میں دکنی اسلوب اور شمالی ہند کے اسلوب کی کشمکش محسوس ہوتی ہے

سنگھاسن بتیسی: سنگھاسن بتیسی سنسکرت الاصل داستان ہے جس کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں۔ یہ بتیس کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں چتر بھوج داس نے سنسکرت سے فارسی میں اس کا پہلا ترجمہ کیا اور اس کا نام ''شاہ نامہ" رکھا۔ ملکہ زمان وکام کندلہ: یہ داستان مدراس کے فورٹ سینٹ جارج کالج کے کسی منشی کی تصنیف ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد میں محفوظ ہے لیکن اس میں داستان کے مصنف کے نام اور سنہ تصنیف کی وضاحت نہیں ہے

3.2.6 : سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

خالی جگہیں پر کیجیپ

شمالی ہند میں اردو نثر کی باقاعدہ ابتدا_______ دور میں ہوئی۔

فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد اردو نثر کی ترقی میں_______ نے اہم کردار ادا کیا۔

_______ کو سادہ اور عام فہم اردو نثر کا بانی کہا جاتا ہے۔

میر امن کی مشہور نثری تصنیف_______ ہے۔

سرسید احمد خان نے اردو نثر کو جدید رجحانات سے آشنا کرنے کے لیے_______ تحریک شروع کی۔

شمالی ہند میں اردو نثر کی ترقی میں_______ رسالہ نہایت اہم ثابت ہوا۔

4.3: عمومی جائزہ/ خلاصہ

دکنی میں نثر نگاری کی روایت کے جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس زبان میں شاعری کے مقابلے میں نثر کا سرمایہ نہایت قلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ دکنی میں بیشتر رسائل کا موضوع تصوف ہے۔ تصوف سے ہٹ کر دیگر موضوعات پر نثر میں بہت کم لکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دکنی میں پہلا نثری رسالہ تصوف سے متعلق تھا اس کے بعد صوفیا ہی نے نثر نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا اس لیے دکنی نثر میں متصوفانہ رسائل کی بہتات ہے۔ خصوصاً بیجاپور کا سارا نثری اندوختہ تصوف پر مبنی ہے۔ گولکنڈے میں وجہی نے سب رس کے ذریعے اس روایت سے انحراف کیا۔ سب رس کو نہ صرف دکنی نثر بلکہ پوری اردو نثر کی تاریخ میں کئی امتیازات حاصل ہیں۔ یہ اردو کی پہلی داستان، پہلی تمثیل مسجع و مقفی عبارت آرائی کا پہلا نمونہ اور بہ حیثیت مجموعی اردو نثر کا پہلا خالص ادبی نقش ہے۔ وجہی کے اس تجربے کو اس کے ہم عصر دور میں شاید مقبولیت نصیب نہیں ہوئی اس لیے کہ اس دور میں کوئی اور نثری داستان نہیں لکھی گئی لیکن بعد کے دور میں فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس میں نثری داستانیں لکھی گئیں۔ دکن میں نثر کی بہ نسبت منظوم داستانیں زیادہ مقبول رہیں۔ کلمۃ الحقائق کی لڑکھڑاتی، شکستہ اور ناہموار نثر سے سب رس کی سلیس و رواں اور دلکش و توانا نثر تک دکنی نثر نے ایک لمبا سفر طے کیا۔ گولکنڈہ میں نثر نگاری کی روایت میں ایک نیا تجربہ یہ بھی ہوا کہ یہاں ترجمے کا آغاز ہوا۔ میراں جی خدا نما نے حضرت گیسو دراز کی تصنیف شرح تمہیدات ہمدانی کا ترجمہ کیا جو ایک طرح سے آزاد ترجمہ کہا جا سکتا ہے۔ ان کے مرید میراں یعقوب نے سیکڑوں صفحات پر مشتمل شمائل الاتقیا کا فارسی سے دکنی میں ترجمہ کیا۔ ان ترجموں سے دکنی نثر میں نہ صرف لفظیات و تراکیب اور اصطلاحات کا اضافہ ہوا بلکہ اس میں اظہار و ابلاغ کے نئے سانچے وجود میں آئے جس کے نتیجے میں نثری اسلوب کی جمالیات اور اثر آفرینی میں بھی ترقی ہوئی۔

دکن میں بیجاپور اور گولکنڈے کو سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ تہذیبی اور ادبی مراکز کی حیثیت حاصل تھی۔ اورنگ زیب عالم گیر کی تسخیر کن کے نتیجے میں یہاں کی تہذیبی بساط اجڑ گئی۔ شاہی دربار کی سرپرستی نہ رہی تو یہاں کے شعرا، ادبا، اور دیگر ارباب ہنر پریشان حال اور آفتہ روزگار ہو گئے۔ لیکن خوش قسمتی سے جنوبی دکن میں ارکاٹ، ویلور، کڈپہ، سدھوٹ، کرنول اور پھر بعد میں میسور میں جو نوابی خاندان برسر اقتدار آئے انہوں نے دکنی شعرا و ادبا کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی جس کی بدولت ان علاقوں میں دکنی زبان میں تخلیق ادب کا سلسلہ جاری رہا اور شاعری کے ساتھ کم کم ہی سہی نثری کتابیں بھی لکھی جاتی رہیں۔ عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں کے زوال کے بعد شمال سے لوگوں کی آر جار کا تانتا بندھ گیا۔

ان کے ساتھ شمالی ہند کی اردو کا نیا محاورہ بھی دکن میں پھیلنے لگا لیکن اس کے اثر ونفوذ کی رفتار دھیمی تھی۔ اورنگ آباد چونکہ اورنگ زیب کا مستقر تھا اس لیے وہاں کی زبان محاورہ شمال سے فوری اور زیادہ متاثر ہوئی۔ اس کے بعد حیدرآباد کی دکنی پر بھی شمال کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ لیکن کرناٹک اور ٹامل ناڈو کے دور دراز کے علاقوں میں شمالی ہند کی اردو کے اثرات شدت اور سرعت کے ساتھ نہیں پہنچے۔ چنانچہ ان علاقوں کے تخلیق کاروں خصوصاً نثر نگاروں نے دکنی لفظیات، لہجے اور طرز اظہار کو ہاتھ سے جانے نہ دیا یہاں تک کہ کچھ مصنفوں نے دکنی کو اپنی شناخت اور امتیاز کا وسیلہ سمجھا۔ اس ضمن میں دلچسپ بات یہ ہے کہ شمالی ہند کی اردو کو سمجھنے میں اہل دکن کو بڑی دشواری ہوتی تھی۔ چنانچہ فقیر اللہ شاہ حیدر جس نے 1828ء میں تناولی کے نام سے بکاولی (مذہب عشق) کے قصے کا جواب لکھتا ہے کہ بکاولی کے قصے کو سمجھنے میں اسے بڑی دقت پیش آئی کیونکہ وہ شمالی ہند کی اردو سے واقفیت نہیں رکھتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انیسویں صدی کے نصف دوم تک بھی محاورہ شمال، اہل جنوب کے لیے اجنبی اور غریب تھا، جسے عوام تو درکنار پڑھے لکھے لوگ بھی سمجھنے سے قاصر تھے، لیکن آہستہ آہستہ شمال سے آئی جدید اردو کا حیطۂ عمل اور دائرہ اثر بڑھتا گیا اور دکن کے اہل علم و اہل قلم نے اردو کے جدید روپ کو شعری و نثری اظہار کے وسیلے کے طور پر قبول کر لیا۔ تاہم بول چال کی سطح پر دکنی الفاظ، دکنی لہجے کی مٹھاس اور نغمگی ہنوز باقی ہے۔

4.3.1: آپ نے کیا سیکھا؟

جنوبی ہند میں اردو نثر کے آغاز و ارتقا کے مطالعہ سے آپ کو یہ معلوم ہے کہ اردو زبان کی تشکیل اور ترقی میں دکن کے علاقے نے بنیادی کردار ادا کیا۔ یہاں اردو نثر کی ابتدا اس وقت ہوئی جب مختلف تہذیبوں اور زبانوں کے باہمی میل جول نے ایک نئی لسانی فضا پیدا کی۔ جنوبی ہند کی ریاستوں میں جب مسلم حکمرانوں کی حکومت قائم ہوئی تو فارسی سرکاری زبان تھی، لیکن عوامی سطح پر مقامی زبانوں کے ساتھ ایک نئی زبان پروان چڑھنے لگی جسے دکنی یا قدیم اردو کہا جاتا ہے۔ اسی ماحول میں اردو نثر کی ابتدائی شکلیں سامنے آئیں۔ اس مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دکن کے صوفیا اور علما نے اردو نثر کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے مذہبی تعلیمات، تصوف اور اخلاقی مضامین کو عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے سادہ اور عام فہم زبان کا استعمال کیا۔ اس طرح اردو نثر کا دائرہ صرف ادبی اظہار تک محدود نہیں رہا بلکہ تعلیم و تبلیغ کا ذریعہ بھی بن گیا۔ صوفی بزرگوں کی تحریروں اور ملفوظات نے اردو نثر کو سادگی، روانی اور معنوی گہرائی عطا کی۔

مزید یہ کہ جنوبی ہند میں اردو نثر کے ارتقا کے ساتھ ساتھ مختلف اصناف بھی سامنے آئیں، جن میں مذہبی رسائل، قصے کہانیاں، نصیحت

آموز تحریریں اور تاریخی بیانات شامل تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس نثر میں فنی پختگی پیدا ہوئی اور اس کی زبان و بیان زیادہ منظّم اور مؤثر ہوتا گیا۔ دکن کے ادبی مراکز نے اردو نثر کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کی جس کے اثرات بعد میں شمالی ہند کی ادبی روایت پر بھی نمایاں طور پر پڑے۔ اس سبق کے مطالعہ سے آپ کو یہ نتیجہ اخذ ہوا ہے کہ جنوبی ہند اردو نثر کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں پیدا ہونے والی ادبی روایت نے نہ صرف اردو زبان کو فروغ دیا بلکہ اس کی نثری روایت کو بھی مضبوط بنیاد فراہم کی، جس کی بدولت بعد کے ادوار میں اردو نثر نے مزید ترقی اور وسعت حاصل کی۔

4.5: فرہنگ

ادق — نہایت مشکل، پیچیدہ

تصوف — روحانیت، باطنی علم

مستند — قابلِ اعتماد

انتساب — منسوب کرنا

خلافت — جانشینی

نثری رسائل — نثر میں لکھے گئے رسائل

مسجع — قافیہ دار نثر

اکھڑی نثر — غیر ہموار نثر

شستہ — صاف اور درست

زادِراہ — علمی سرمایہ

رسائل — مختصر کتب

فنونِ لطیفہ — شاعری، مصوری، موسیقی وغیرہ

مفقود — ناپید، دستیاب نہ ہونا

طریقت — صوفیانہ راستہ

تمثیل — علامتی اندازِ بیان

مقفی — ہم قافیہ عبارت

4.6: خود جانچ سوالات/امتحانی سوالات

شمالی ہند میں اردو نثر کے آغاز اور ارتقا پر تفصیلی روشنی ڈالیں۔

فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر کی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟ وضاحت کیجیے۔

میر امن دہلوی کی نثر کی خصوصیات بیان کیجیے۔

سر سید احمد خان کی تحریک نے اردو نثر پر کیا اثرات مرتب کیے؟

شمالی ہند میں اردو نثر کی ترقی میں رسائل و جرائد کے کردار پر بحث کیجیے۔

4.7 : مختصر سوالات و جوابات

سوال: دکنی ادب کا ابتدائی دور کس صنف کے لیے مشہور ہے؟

جواب: دکنی ادب کا ابتدائی دور شاعری کے لیے مشہور ہے۔

سوال: دکنی نثر کا ذخیرہ محدود کیوں ہے؟

جواب: اس لیے کہ نثر کا آغاز دیر سے ہوا اور زیادہ توجہ شاعری پر رہی۔

سوال: دکنی نثر کے زیادہ تر رسائل کس موضوع پر لکھے گئے؟

جواب: دکنی نثر کے زیادہ تر رسائل تصوف کے موضوع پر لکھے گئے۔

سوال: بہمنی دور میں دکنی نثر کی کیا صورتِ حال تھی؟

جواب: بہمنی دور میں دکنی نثر کا کوئی مستند نمونہ دستیاب نہیں۔

سوال: معراج العاشقین کو حضرت گیسو دراز کی تصنیف کیوں نہیں مانا جاتا؟

جواب: تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ یہ مخدوم شاہ حسینی کی تصنیف ہے۔

سوال: دکنی نثر کا پہلا مستند رسالہ کون سا ہے؟

جواب: کلمۃ الحقائق دکنی نثر کا پہلا مستند رسالہ ہے۔

سوال: سب رس کی ادبی اہمیت کیا ہے؟

جواب: سب رس اردو کی پہلی داستان، پہلی تمثیل اور پہلی خالص ادبی نثری تصنیف ہے۔

سوال: سب رس کے مصنف کون ہیں؟

جواب: سب رس کے مصنف ملا وجہی ہیں۔

سوال: قطب شاہی دور میں دکنی نثر کو کیوں فروغ ملا؟

جواب: سلاطین کی ادبی سرپرستی کے سبب دکنی نثر کو فروغ ملا۔

سوال: دکنی نثر کی نمایاں خصوصیت کیا ہے؟

جواب: دکنی نثر زیادہ تر صوفیانہ اور مذہبی موضوعات پر مشتمل ہے۔

4.8 جواباتِ سرگرمی

جوابات

انگریزی دور

فورٹ ولیم کالج

میر امن دہلوی

باغ و بہار

علی گڑھ تحریک

تہذیب الاخلاق

4.9:امدادی کتب

۱۔ دکن میں اردو	—	نصیر الدین ہاشمی
۲۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو	—	مسعود حسین خان
۳۔ دکنی ادب کی تاریخ	—	عبدالقادر سروری
۴۔ حیدرآباد دکن میں اردو شاعری (1960 تک)	—	ناہیدہ سلطانہ
۵۔ دکنی اردو: تاریخ اور ساخت	—	رتھ لیلا شمٹ
۶۔ دکن میں اردو شاعری	—	جمیل جالبی

سبق 5۔اردو نثر کا ارتقاء (شمالی ہند)

ساخت

5.0 اغراض ومقاصد
5.1 تعارف
5.2 اردو نثر کا آغاز وارتقاء (شمالی ہند)
5.2.1 کربل کتھا
5.2.2 نوطرز مرصع
5.2.3 نوآئین ہندی
5.2.4 عجائب القصص
5.2.5 فورٹ ولیم کالج میں نثر نگاری
5.2.6 دہلی میں دلی کالج میں نثر نگاری
5.2.7 غالب کی نثر نگاری
5.2.8 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)
5.3 عمومی جائزہ
5.3.1 آپ نے کیا سیکھا؟
5.5 فرہنگ
5.6 خود جانچ سوالات/امتحانی سوالات
5.7 مشقی سوالات وجوابات
5.8 جواباتِ سرگرمی
5.9 امدادی کتب

5.0:اغراض ومقاصد

شمالی ہند میں اردونثر کے مطالعے کا بنیادی مقصد اس خطے میں اردونثر کی ابتدا، ارتقا اور فروغ کو سمجھنا ہے۔اس موضوع کے ذریعے یہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ شمالی ہند کے سماجی، ثقافتی اور تہذیبی حالات نے اردونثر کی تشکیل میں کس حد تک کردار ادا کیا۔اس مطالعے کا مقصد یہ بھی ہے کہ مختلف ادوار میں پیدا ہونے والی نثری اصناف، ان کے اسالیب اور موضوعات کا جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ شمالی ہند کے ادیبوں اور دانشوروں نے اردونثر کو کس طرح فکری وسعت اور فنی تنوع عطا کیا۔اس موضوع کے ذریعے اردونثر کی ان ادبی روایتوں کو واضح کرنا بھی مقصود ہے جو دہلی، لکھنؤ اور دیگر علمی و ادبی مراکز میں پروان چڑھیں اور جنہوں نے اردو زبان و ادب کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔مزید برآں اس مطالعے کا مقصد یہ بھی ہے کہ شمالی ہند میں پیدا ہونے والی نثر کے ادبی، فکری اور تہذیبی اثرات کو سمجھا جائے اور اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ اس خطے کے ادیبوں نے اردونثر کو کس طرح ایک مضبوط ادبی روایت میں تبدیل کیا۔اس طرح یہ موضوع اردونثر کی تاریخی، ادبی اور فکری جہات کو واضح کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

5.1: تعارف

اردونثر کی تاریخ میں شمالی ہند کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے۔اردو زبان کی تشکیل و ترقی میں اس خطے نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔دہلی، لکھنؤ، میرٹھ، آگرہ اور دیگر شہروں میں علمی و ادبی سرگرمیوں کے باعث اردو زبان کو فروغ ملا اور اسی ماحول میں اردونثر نے بھی بتدریج ارتقا حاصل کیا۔ابتدا میں اردو زبان زیادہ تر شاعری کے لیے استعمال ہوتی تھی، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نثر کی ضرورت محسوس کی گئی اور مختلف علمی، دینی اور ادبی مقاصد کے لیے نثر لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔شمالی ہند کے ادبی مراکز میں پیدا ہونے والی نثر نے نہ صرف اردو زبان کو وسعت دی بلکہ اس کے اسلوب اور انداز بیان کو بھی نکھارا۔یہاں کے ادیبوں اور علماء نے مذہبی رسائل، خطوط، داستانوں، تاریخ اور تنقید جیسی مختلف اصناف میں نثر تخلیق کی جس سے اردونثر کی بنیاد مضبوط ہوئی۔خاص طور پر فورٹ ولیم کالج اور دہلی و لکھنؤ کے علمی ماحول نے اردونثر کو باقاعدہ ادبی شکل دینے میں اہم کردار ادا کیا۔اس طرح شمالی ہند میں اردونثر کی روایت ایک مضبوط ادبی اور تہذیبی پس منظر رکھتی ہے۔اس خطے کے ادیبوں کی کاوشوں کے نتیجے میں اردونثر نہ صرف ترقی یافتہ ہوئی بلکہ اس میں فکری گہرائی، سادگی اور دلکشی بھی پیدا ہوئی۔اسی وجہ سے شمالی ہند کو اردونثر کی تشکیل اور ارتقا کا اہم مرکز تصور کیا جاتا ہے۔

5.2: اردو نثر کا آغاز وارتقاء (شمالی ہند)

دراصل فورٹ ولیم کالج سے قبل اُردو زبان نوخیز تھی۔ شمالی ہند میں نثری ادب کی صورت گری ہو رہی تھی۔ اس میں عربی اور فارسی زبان کے الفاظ کی آمیزش کثرت سے تھی۔ اس صورتحال میں اُردو دوسری زبانوں سے دامن بچاتے ہوئے نکھرنے سنورنے اور اپنی منفرد شناخت قائم کرنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ اٹھارہویں صدی کے نصف اول میں صنف داستان کی مضبوط و مستحکم بنیاد رکھی گئی اور نثری تصنیفات کی مختلف النوع تحریریں سامنے آئیں۔ دیباچے اُردو شاعروں سے متعلق تذکرے، لغات اور ترجمے وغیرہ اُردو نثر کی ابتدائی شکل میں موجود ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ اُردو کا ابتدائی دور تھا، جسے اُردو زبان کہا جا رہا تھا، اسی آدھی ادھوری زبان میں شاعری کی باقاعدہ ابتدا ہو چکی تھی اور نثر کی شمع نے بھی روشنی دینی شروع کر دی تھی۔ جعفر زٹلی جو اس عہد کا بہت ہی معروف شاعر تھا، وہ اپنی مزاحیہ شاعری اور پھکڑ پن کے لیے جانا جاتا ہے۔ اُس کے یہاں نثر کے بھی نمونے ملتے ہیں۔ یہ نثری تحریریں باضابطہ طور پر نہیں ہیں بلکہ ٹکڑوں کی شکل میں ملتی ہیں جن سے اُس عہد کی سیاسی اور معاشی حالات کا پتہ چلتا ہے۔

اٹھارہویں صدی میں خصوصاً شمالی ہند میں اُردو نثر میں بہترین اضافہ ہوا ہے۔ یہ میر وسودا کا دور تھا جسے اُردو شاعری کا عہد زریں کہا جاتا ہے۔ اس وقت اُردو کے سب سے بڑے صوفی شاعر خواجہ میر درد اور ان کے برادر خورد خواجہ میر اثر بھی موجود تھے۔ میر سوز، انشاء مصحفی، نظیر اکبرآبادی، میر حسن وغیرہ جیسے مایہ ناز شعرا بھی شاعری میں کمالات دکھا رہے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ سبھی بحیثیت شاعر اپنی شناخت رکھتے تھے۔ یہ نثر نگار نہیں تھے۔ البتہ اس زمانے میں نثر کا ایک بہترین نمونہ سودا کے دیباچے کی شکل میں منظر عام پر آتا ہے جس سے اس عہد اور وہاں کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔ مرزا محمد رفیع سودا گرچہ اُردو قصیدے کے صف اول کے شاعر مانے جاتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے قصیدے کے فن کو اوج ثریا تک پہنچایا ہے۔ انہوں نے ہجویہ قصیدے لکھ کر ایک نئی طرح کی بنیاد ڈالی۔ سودا نے غزلیں بھی خاصی تعداد میں کہی ہیں۔ مثنویاں بھی لکھی ہیں اور مرثیے لکھ کر بھی اُردو ادب میں بہترین اضافہ کیا ہے۔ انہوں نے جب مرثیوں کو مرتب کیا تو اس پر ایک مبسوط دیباچہ بھی تحریر کیا جو کئی بار مجموعے کے ساتھ شائع ہوا۔ اس نثری نگارش کی عبارت مقفیٰ و مسجع ہے۔ سودا نے میر تقی میر کی مثنوی ''شعلہ عشق کو نثری پیکر عطا کیا، لیکن اب یہ نثری کارنامہ دستیاب نہیں ہے۔ تذکرے اور تاریخ کی کتابوں میں محض ذکر ملتا ہے۔ سودا کے معاصر خدائے سخن میر تقی میر جو اُردو غزل کے بے تاج بادشاہ کہلاتے ہیں۔ انہوں نے بھی نثری کارنامے انجام دیے ہیں۔ میر نے نکات الشعرا لکھ کر اُردو شاعروں کی یادوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ اس میں شاعروں سے متعلق معلومات فراہم کر کے اُردو ادب کو بیش قیمت تحفہ عطا کیا ہے، لیکن اس تذکرے

کی زبان فارسی ہے۔اردوادب میں ترجمے کے ذریعے بھی غیر معمولی اضافے ہوئے ہیں۔ترجمہ بنیادی طور پر ایک زبان کے موادکو دوسری زبان میں منتقل کرنے کو کہتے ہیں۔ترجمے کے ذریعے دوسری زبانوں کے ادب اوراس کی باریکیوں کو سمجھا جاسکتا ہے۔اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں شاہ رفیع الدین اورشاہ عبدالقادر نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔دونوں اپنے وقت کے عالم دین تھے اوراسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ان کے والدمتقی پرہیزگار،صوفی بزرگ تھے۔شاہ رفیع الدین اورشاہ عبدالقادر دونوں ہی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے کام کوآگے بڑھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔مذہب کی تبلیغ میں خاص حلقے یا طبقے کی کوئی قید نہیں ہوتی ہے بلکہ اس معاملے میں عوام وخواص ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔اُردوزبان کی توسیع وترویج میں صوفیائے کرام کا بھی حصہ رہا ہے۔اس دور میں بھی مذہبی نوعیت کی کتابیں لکھی گئیں مگر وہ وقت کے ہاتھوں تلف ہوگئیں۔ تصوف اورترجمے کے حوالے سے ایک اہم نام معین الدین حسین علی کا ہے جنھوں نے فارسی تصنیف کواُردو میں منتقل کیا۔جمیل جالبی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> 7160-61 میں معین الدین حسین علی نے تصوف کی فارسی کتاب جام جہاں نما کو اپنے الفاظ میں اُردونثر میں لکھا جس میں تصوف کے دقیق نکات کوآسان زبان میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔''

اسی تسلسل میں مزید فرماتے ہیں کہ جام جہاں نما میں دراصل تصوف کے مسائل پر بات کی گئی ہے۔اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس دور کی نثر میں غور وفکر کے ساتھ تصوف جیسے سنجیدہ موضوع پر نہ صرف گفتگو کی جارہی تھی بلکہ رقم طرازی بھی کی جارہی تھی۔شاہ مراداللہ انصاری سنبھلی بھی ایک مترجم کی حیثیت سے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔ اُنہوں نے''عم پارہ کی تفسیر خدائی نعمت کے عنوان سے کیا ہے۔اس کی اشاعت کئی بارعمل میں آئی اور''تفسیر مرادیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں رستم علی بجنوری نے''قصہ واحوال روہیلہ'' کے عنوان سے تاریخ لکھی،جس میں 1730ء سے لےکر 1755ءتک رونما ہونے والے روح فرسا واقعات کوقلم بند کیا ہے۔اٹھارہویں صدی کی تیسری چوتھی دہائی میں دتی اُجڑ سی گئی تھی۔مغل حکومت کی جو بنیاد بابر کے زمانے میں رکھی گئی تھی وہ اورنگ زیب کے دورحکومت تک مزید مستحکم ہوتی رہی لیکن اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس میں وہ پائیداری نہ رہی۔ایک عجیب سی کشمکش کے ساتھ زندگی گزررہی تھی۔سچ پوچھیے تو نہ پہلے جیسی دتی تھی اورنہ داد دینے کا ماحول باقی تھا۔ مورخوں نے ان تمام حالات وواقعات کوکتابوں میں محفوظ کردیا ہے۔تاہم رستم علی بجنوری نے روہیلہ کی جوتاریخ رقم کی ہے،اُس میں تمام واقعات کے ساتھ ساتھ انسان کی داخلی کیفیات کوبھی پیش کیا ہے۔یہ تاریخ بہت ہی آسان زبان میں لکھی گئی ہے۔

شمالی ہند میں پہلی با قاعدہ نثری کتاب واقعات کربلا کے بیان پر مشتمل" کربل کتھا'' ہے۔ یہ فضلی کی تصنیف ہے اٹھارہویں صدی کے نصف آخر تک شمالی ہند میں نثری ادب کے فروغ میں دیباچے، تاریخ اور ترجمے نے بہت اہم کردار نبھایا ہے۔ اُردو کی قدیم نثری صنف داستان ہے۔ داستان نویسی کا باقاعدہ آغاز 1635ء میں وجہی کی تصنیف ''سب رس" سے ہوتا ہے۔ وجہی دکن کا رہنے والا تھا۔ وہ قطب شاہی عہد کا بہت ہی مشہور شاعر وادیب تھا۔ دربار سے اُس کی گہری وابستگی تھی۔ اور یہیں اس نے عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر داستان قلم بند کی۔ دکن میں داستان نگاری کی تقریباً ایک صدی کا وقفہ گزر جانے کے بعد عطا حسین تحسین نے ''نوطرز مرصع'' کے عنوان سے ایک داستان لکھی۔ ''قصہ مہر افروز دلبر'' کے عنوان سے عیسوی خاں بہادر نے داستان لکھی۔ مہر چند کھتری نے ''نوآئین ہندی اور شاہ عالم ثانی نے ''عجائب القصص اور شاہ حسین حقیقت نے جذب عشق لکھ کر داستان نگاری کی صحت مند روایت کی بنا ڈالی۔

5.2.1 : کربل کتھا

شمالی ہند میں اُردو نثر کے ابتدائی دور کے مصنفین میں فضل علی فضلی کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ تاریخی اعتبار سے شمالی ہند میں اُردو نثر کی ابتدا محمد شاہی عہد سے ہوتی ہے جس میں فضلی کی تصنیف کربل کتھا کو اولیت حاصل ہے۔ ان کا نام فضل علی تھا۔ انہوں نے 1732-33ء میں کربل کتھا تصنیف کی اور 1747-48ء میں نظر ثانی کی ہے۔ انتخاب کربل کتھا کے مرتب پروفیسر حنیف نقوی نے ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے۔ مولوی کریم الدین نے اپنے تذکرے "طبقات الشعرائے ہند میں فضلی اور کربل کتھا کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد تحقیق کا ایک سلسلہ چل پڑا اور اب یہ تصنیف شہرت عام حاصل کر چکی ہے۔ فضلی کی ترجمہ شدہ تصنیف" کربل کتھا'' میں چیدہ چیدہ دکنی زبان کے الفاظ اور محاورے ملتے ہیں، لیکن اس کے باوجود محققین کی رائے ہے کہ وہ شمال کے رہنے والے تھے۔ فضلی فارسی زبان کے اچھے واقف کار تھے۔ کربل کتھا میں فارسی کے اشعار الفاظ اور عربی زبان میں عبارتیں ملتی ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں۔ اول اس زمانے میں اُردو، فارسی آمیز ہوتی تھی۔ دوم اس تصنیف کا پس منظر مذہبی نوعیت کا ہے۔ کربل کتھا کا ماخذ روضۃ الشہدا ہے جو ملا حسین واعظ کاشفی کی تحریر کردہ ہے۔ وہ ایران کا رہنے والا تھا۔ اس کی مادری زبان فارسی تھی اور فارسی میں ہی اُنہوں نے روضۃ الشہد ارقم کی جو تاریخی و مذہبی نوعیت کی کتاب ہے۔ اسے محرم کے مہینے میں پڑھا جاتا تھا۔ روضۃ الشہدا میں حضرت امام حسین کی شہادت کا بیان بہت ہی پُر درد انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ تاہم فارسی ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کے لیے اس کا سمجھنا آسان نہ تھا۔ فضلی نے اسے اُردو زبان میں منتقل کر کے کار نیک کیا ہے اور اس کا نام کربل کتھا رکھا۔ کربل سے مراد

کربلا اور کتھا کا مطلب کہانی ہے۔یعنی کربلا کی کہانی۔کربل کتھا میں مقدمہ، دیباچہ بارہ مجلس اور خاتمہ کی پانچ فصلیں ہیں۔

7.3.2 قصہ مہر افروز و دلبر:

قصہ مہر افروز و دلبر اُردو کی قدیم داستان ہے۔ اس کے مصنف نواب عیسوی خاں ہیں۔ وہ ہندی زبان میں بھی لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے ''بہاری ست سئی'' کے دوہوں کی شرح درس چندرکا'' کے عنوان سے لکھی۔ قصہ مہر افروز دلبر میں بھی عربی فارسی سے زیادہ سنسکرت الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ پوری داستان پر دیو مالائی اثرات ملتے ہیں۔یعنی اس میں ہندوستانی تہذیبی عناصر پر مبنی متعدد کہانیاں اور ذیلی قصے موجود ہیں۔مسعود حسین خاں کا خیال ہے کہ ''یہ قدما کی زبان کا پہلا ہیولی یا زبان دہلی کا پہلا ادبی نقش ہے، جس پر ایک طرف ہندی شاعری کی چھاپ ملتی ہے، دوسری طرف فارسی داستانوں کے جملوں کا دروبست پایا جاتا ہے۔'' مجموعی طور پر اس داستان کی زبان سادہ، سلیس اور عام فہم ہے۔کہانی دلچسپ اور تجسس سے بھر پور ہے۔ بنیادی طور پر یہ ایک طبع زاد داستان ہے۔کرداروں کی بہتات اور مافوق الفطرت عناصر کے سہارے کہانی آگے بڑھتی ہے۔

5.2.2 نوطرز مرصع

نوطرز مرصع عطا حسین تحسین کی تصنیف ہے۔ یہ ایک فارسی داستان بعنوان ''قصہ چہار درویش کا اُردو ترجمہ ہے۔ نوطرز مرصع کا اصل نام انشائے نوطرز مرصع ہے۔اس میں انشا پردازی اور تخیل کی آمیزش ملتی ہے۔اُس میں عربی اور فارسی الفاظ کی آمیزش کم ہوتی چلی گئی۔ایک زمانے تک قصہ چہار درویش کے مصنف امیر خسرو کہلاتے رہے لیکن کتاب کی داخلی شہادتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ امیر خسرو کی تصنیف نہیں ہے بلکہ محمد معصوم اس کے مصنف ہیں۔ عطا حسین تحسین اٹاوہ کے رہنے والے تھے۔تحسین کی دیرینہ خواہش تھی کہ وہ اپنی تصنیف شجاع الدولہ کے حضور میں پیش کریں لیکن صد افسوس کہ کتاب کی تکمیل سے قبل شجاع الدولہ کا انتقال ہو گیا۔تحسین نے اُن کے صاحبزادے آصف الدولہ کو اپنی یہ تصنیف پیش کردی۔ داستان نوطرز مرصع'' کی ابتدا پہلے لکھی گئی مثنویوں اور داستانوں کے انداز سے ہوتی ہے۔نوطرز مرصع کے حوالے سے یہ عام تاثر ہے کہ اس کی عبارت کو پر تکلف زبان فارسی الفاظ کے کثرت استعمال اور صنعتوں کے افراط نے بوجھل بنا دیا ہے۔کہیں کہیں تو مقفع و مسجع انداز کی عبارت بھی ملتی ہے۔لیکن اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ اٹھارہویں صدی میں زبان وادب کی صورتحال کے پس منظر میں نوطرز مرصع کی زبان مشکل نہیں تھی۔جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اُردو زبان نکھرتی چلی گئی۔اس کی زبان ثقیل ہے اور تفہیم کا مسئلہ اس داستان کی

شہرت میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ پر تکلف اور مرصع و مسجع زبان نے اسے عوام پسند نہیں بننے دیا۔ بعد میں منظر عام پر آنے والی میر امن کی تصنیف ''باغ و بہار کا ماخذ نوطرز مرصع ہی ہے۔ اس کا متن سادہ اور عام فہم ہے۔ باغ و بہار میں آسان زبان استعمال کرنے کا مقصد انگریزوں کو اُردو سے واقف کرانا تھا۔ قابل غور یہ بھی ہے کہ جس زمانے میں نوطرز مرصع لکھی گئی اس وقت اُردو زبان پر عربی اور خصوصاً فارسی زبان کا خاصا اثر موجود تھا۔ اور یہی خواص کی زبان علمی و ادبی حلقوں کی زبان بھی سمجھی جاتی تھی۔

5.2.3 نوآئین ہندی

نوآئین ہندی'' کا شمار اٹھارہویں صدی کی منفرد تصنیف میں ہوتا ہے۔ یہ سیاسی خلفشار کا زمانہ تھا۔ انگریزوں کا تسلط بتدریج بڑھتا جارہا تھا۔ انگریزوں کی ضرورت اور خواہش نے مصنفین کو ایسی نثر لکھنے کی طرف متوجہ کیا جو آسان ہو، روزمرہ سے قریب ہو اور عام بول چال میں استعمال کی جاتی ہو۔ ''نوآئین ہندی'' اس کی بہترین مثال ہے۔ مہر چند کھتری علمی و ادبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے نوآئین ہندی کے بارے میں محققین کی رائے ہے کہ یہ داستان کئی لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں اُردو اور فارسی زبانوں میں لکھی ہے۔ ان میں سے رجب علی بیگ سرور کا نام کافی اہم ہے۔ انہوں نے شگوفہ محبت کے عنوان سے یہی داستان قلم بند کی ہے جو سرور کی ایک اہم تصنیف تسلیم کی جاتی ہے۔ نوآئین ہندی مہر چند کھتری مہر کی تصنیف ہے، جو 1793ء میں تحریر کی گئی۔ دراصل مہر کسی انگریز کو اُردو زبان سکھانے پر معمور ہوئے تھے۔ ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ آسان اور عام فہم زبان میں کوئی ایسی کہانی تحریر کی جائے جس سے زبان سکھانے میں سہولت ہو۔ ان کے سامنے تحسین کی تصنیف نوطرز مرصع موجود تھی لیکن اس کی زبان انہیں مشکل لگی۔ مہر چند کھتری آسان اور روزمرہ کی زبان میں لکھنا چاہتے تھے۔ تاکہ تفہیم و ترسیل کا مسئلہ پیش نہ آئے اور خاص و عام اس سے استفادہ کرسکیں۔ لہٰذا اُنہوں نے فارسی زبان میں تحریر کردہ ''آذر شاہ اور سمن رُخ بانو'' کا قصہ آسان زبان میں اُردو میں لکھا۔

5.2.4 عجائب القصص

عجائب القصص شاہ عالم ثانی کی تصنیف ہے جو اٹھارہویں صدی کی آخری دہائی میں لکھی گئی۔ عجائب القصص بہت طویل داستان ہے۔ گیان چند جین اُردو کی نثری داستانیں'' میں لکھتے ہیں ''ایک نابینا شخص اتنی طویل داستان کا شیرازہ درست نہیں رکھ سکتا۔ منشیوں نے اس کی ترتیب میں ہاتھ بٹایا ہوگا۔ چنانچہ پلاٹ میں بھول چوک حیرت انگیز حد تک مفقود ہے۔'' داستان کی ابتدا حمد نعت منقبت کے بعد اصل قصے سے

ہوتی ہے۔ کہانی کے اعتبار سے اس داستان میں جدت نہیں پائی جاتی ہے۔ اس کے مطالعے سے اُس زمانے میں لکھی گئی مثنویوں اور نثری داستانوں کی یاد تازہ ہونے لگتی ہے۔ اس میں نوطرز مرصع اور سحرالبیان کا خصوصی طور پر عکس نظر آتا ہے۔ داستانوں میں تلاش وجستجو بھی لازمی جزو کے طور پر شامل ہوتا ہے۔ شہزادی کی تلاش، نایاب قسم کے پھول کی تلاش آب حیات کی تلاش وغیرہ۔ اور اس تلاش میں عموماً شہزادہ صحرا کی خاک چھانتا ہے اور آخر میں منزل مقصود کو پالیتا ہے۔ شمالی ہند میں اس دور کی آخری تصنیف شاہ حسین حقیقت کی ''جذب عشق'' کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ شاہ حسین حقیقت معروف شاعر اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ انہوں نے محض 25 برس کی عمر میں جذب عشق رقم کی۔ اس قصے کے دیباچے میں شاہ حقیقت نے خود لکھا ہے کہ یہ ایک سچے واقعے پر مبنی ہے۔ جذب عشق موضوعاتی سطح پر ایک رومانی قسم کی داستان ہے۔ اس کا مرکزی کردار جوان رعنا ہے جو مرہٹوں کی فوج میں شامل ہے۔

5.2.5 فورٹ ولیم کالج میں نثر نگاری

اس کے بعد فورٹ ولیم کالج میں اردو نثر کو مزید ترقی ملی۔ یہ کالج انگریزوں کو اردو سکھانے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ تاکہ ہندوستان میں رہ کر ان کو اپنے تجارتی و دیگر معاملات میں آسانی مل سکے۔ اس سے اردو زبان کو ترقی کرنے کا موقع ملا اور پھر رفتہ رفتہ اس کالج کے ذریعہ بہت سی اردو کتابیں شائع کی گئیں۔ اردو کی خدمت کے حوالے سے اس کالج کا سب سے بڑا اور اہم نام جان گل کرسٹ کا ہے۔ اس کالج میں انہیں ہندوستانی زبان کے شعبے کا نگراں بنایا گیا۔ گل کرسٹ نے اس کالج سے پہلے ہی اردو سیکھ لی تھی۔ انہوں نے اردو لغت اور قواعد جیسی کتابیں بھی لکھیں۔ انہوں نے اس کالج میں رہ کر اردو کی ہر اعتبار سے خدمت کی۔ خود تو انہوں نے کتابیں لکھیں۔ ساتھ ہی انہوں نے کالج کے لیے اردو کی کتابیں لکھنے کے لیے پورے ملک کے بڑے بڑے قلم کاروں کو جمع کرنے میں اہم کردار بھی ادا کیا۔ پھر ان کی ہی کوششوں سے کتب خانہ اور پریس کا قیام بھی ہوا۔ گل کرسٹ کے بعد اس کالج کا دوسرا اہم نام میر امن کا ہے۔ فورٹ ولیم کالج میں گلکرسٹ کی کوششوں سے جو کتابیں ترجمہ کی گئی ان میں سب سے زیادہ شہرت باغ و بہار کے حصے میں آئی۔ جس کا ماخذ فارسی قصہ چہار درویش ہے۔ جو امیر احمد خلف شاہ محمد کی تصنیف ہے۔ باغ و بہار کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ اس کا سلیس اور سادہ اسلوب ہے اس کی نثر میں تازگی توانائی اور دلکشی ہے عبارت میں وہ سادگی اور روانی ہے کہ پڑھتے ہوئے کسی طرح کی اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا۔ میر امن کو زبان دہلی پر قدرت حاصل تھی لہذا جزیات نگاری اور واقع نگاری کا فن انہیں خوب آتا ہے ان کے اسلوب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس سے قبل میر عطا حسین خان تحسین اسی

داستان کونوطرزِ مرصع کے نام سے رنگین، مقفی اور مسجع عبارت میں ترجمہ کر چکے تھے۔

اس داستان کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت امیر خسرو اپنے مرشد حضرت نظام الدین اولیاء کو یہ داستان دوران علالت سنایا کرتے تھے اور جب غسل صحت تمام ہو چکا تو آپ نے دعا دی کہ جو کوئی بھی اس قصے کو سنے گا وہ بیماری سے نجات پائے گا۔ یہ داستان میر امن کی تبازات نہیں تھی لیکن میر امن نے اس میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔ انہوں نے جغرافیائی حد بندیوں کو توڑ کر مختلف ممالک کی تہذیب و ثقافت، رہن سہن اور ذائقوں کو ہندوستانی دسترخوان پر لا کر رکھ دیا ہے۔ قصہ چہار درویش کو باغ و بہار کے نام سے لکھ کر شہرت عام اور بقائے دوام حاصل کر لی۔ میر امن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اردو نثر کو سادہ اور آسان و عام فہم بنا کر پیش کر کے اردو کو ایک نیا راستہ دکھایا۔ انہوں نے عطا حسین تحسین کی کتاب "نوطرز مرصع" کو سادہ، آسان اور عام فہم زبان میں تبدیل کر کے اردو نثر کی دنیا میں انقلاب پیدا کیا۔ کیونکہ میر امن سے پہلے مشکل الفاظ و زبان کو استعمال کرنا زیادہ اچھا مانا جاتا تھا۔ میر امن نے "باغ و بہار" لکھ کر سادہ نثر کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ میر امن کی دوسری نثری کتاب " گنج خوبی" ہے۔

سید حیدر بخش حیدریؔ بھی اس کالج سے جڑے تھے۔ اس کالج کے وہ ایک ایسے مصنف و مترجم ہیں جنہوں نے سب سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ قصہ مہر وماہ، قصہ لیلیٰ مجنوں، طوطا کہانی، آرائش محفل، ہفت پیکر، تاریخ نادری، گلزار دانش، گلشن ہند وغیرہ ان کی تصانیف ہیں لیکن ان میں "طوطی کہانی" اور " آرائش محفل" کو کافی شہرت ملی۔ آرائش محفل حاتم طائی کے فارسی قصوں کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے بعد میر شیر علی افسوسؔ کا نام آتا ہے۔ انہوں نے " آرائش محفل" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ " گلستان سعدی" کا ترجمہ "باغ اردو" کے نام سے کیا۔ ' ' خلاصۃ التواریخ ' ' بھی فارسی بھی ایک کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس کالج سے سب سے پہلے منسلک ہونے والے میر بہادر علی حسینی تھے۔ انہوں نے بھی کئی اردو کتابیں لکھیں جن میں اخلاق ہندی، نثر بے نظیر، تاریخ آسام، رسالہ گلکرسٹ اہمیت رکھتی ہیں لیکن ان میں "اخلاق ہندی" (ترجمہ فارسی کتاب مفرح القلوب) اور "نثر بے نظیر" کو مقبولیت ملی۔ "نثر بے نظیر" "مثنوی" سحر البیان" کا ترجمہ ہے۔

ان کے علاوہ میر کاظم علی جوان نے بھی کئی کتابیں لکھیں۔ انہوں نے شکنتلا، تاریخ فرشتہ اور قرآن پاک کا بھی ترجمہ کیا۔ اسی طرح نہال چندلاہوری نے گل بکاولی کی کہانی کا فارسی سے اردو میں ترجمہ "مذہب عشق" کے نام سے کیا۔ مظہر ولا نے بھی کئی کتابوں کے ترجمے کیے۔ ان میں بیتال پچیسی اور تاریخ شیر شاہی اہم ہیں۔ بنی نراین جہاں نے بھی اردو نثر میں " دیوان جہاں" اور " چار گلشن" جیسی کتابیں لکھیں۔ للولال جی نے

میر کاظم علی جوان کی مدد سے "سنگھاسن بتیسی" لکھی۔ان کے علاوہ بھی کئی مصنفین و مترجمین تھے جنہوں نے اردو نثر کی روایت میں حصہ لے کر اہم اضافہ کیا۔

لکھنو میں نثر نگاری:

اس کے علاوہ لکھنو میں بھی اردو نثر کی کئی کتابیں وجود میں آئیں۔انشاءاللہ خاں انشاؔ جن کا شمار لکھنو کے ابتدائی شاعروں میں ہوتا ہے، انہوں نے نثر میں بھی کئی کتابیں لکھیں۔ان کی سب سے اہم کتاب "رانی کیتکی کی کہانی" ہے۔ یہ بہت سادہ اور صاف زبان میں لکھی گئی۔اس میں عربی اور فارسی کے الفاظ کا استعمال نہیں ہوا ہے۔ان کی دوسری کتاب "دریائے لطافت" ہے۔انشا نے ایک اور کتاب لکھی۔اس کا نام "سلک گہر" ہے۔ یہ ایک کہانی کی کتاب ہے جس میں انہوں نے نقطے والے الفاظ کا استعمال نہیں کیا ہے۔اسی طرح فقیر محمد گویاؔ نے "بستان حکمت"، غلام امام شہید نے "مولود شریف" اور "انشائے بہار بے خزاں" اور رجب علی بیک سرور نے "فسانہ عجایب" لکھ کر اردو نثر میں اہم اضافہ کیا۔ "فسانہ عجائب" ایک داستان کی کتاب ہے جسے انہوں نے 1824ء میں لکھی۔اس کتاب میں لکھنو کی تہذیب کی عکاسی کی گئی ہے۔لیکن اس کی عبارت بہت مشکل ہے۔

5.2.6 دلی کالج میں نثر نگاری

اس کے بعد 1825ء میں دہلی میں انگریزی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ قائم ہوا جو 32 / 1831ء میں دلی کالج کے نام مشہور ہوا۔اس کالج کے تحت بھی اردو نثر کی آبیاری ہوئی۔اس کالج کے مصنفین نے اردو نثر میں بہت سی کتابیں لکھیں۔اس کالج کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سائنس، نجوم، ریاضی، فلسفہ، منطق اور تاریخ کی کتابیں زیادہ لکھی گئیں۔دلی کالج کے اہم مصنفین رام چندر، امام بخش صہبائی، ذکاءاللہ، پیارے لال اور مولوی نذیر وغیرہ تھے جنہوں نے اردو نثر کی کئی کتابیں لکھیں۔

5.2.7 :غالب کی نثر نگاری

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی خطوط غالبؔ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''خاکم بدہن اگر دیوان غالب نہ ہوتا اور صرف خطوط غالب ہوتے تو بھی غالب، غالب ہی رہتے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب جتنے بڑے شاعر ہیں اتنے بڑے نثر نگار بھی ہیں۔ میرامن نے پہلی بار اس زبان کو ادبی رتبہ عطا کیا۔غالب نے اپنے خطوط سے یہ ثابت کر دیا کہ سادہ نگاری کا انداز ایسا بھی ہوسکتا ہے جس پر ہزار بنا وسنگھار نثار کیے جا سکتے ہیں۔ آ گے چل کر سرسید احمد خان نے اسے عالمانہ وقار بخشا اور اسے علم وحکمت کے خزانوں سے مالا مال کر دیا۔ اردو نثر کی تاریخ میں غالب کا نام بھی اہم ہے۔انہوں نے اپنے خطوط کے ذریعہ اردو نثر کی خدمت کی۔انہوں نے اپنے دوست واحباب کو بہت سے خطوط لکھے۔ان کے خطوط کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے سادہ، صاف اور بول چال کی زبان کا استعمال کیا ہےاور آگے آنے والے نثر نگاروں کو سادگی کا راستہ دکھایا ہے۔ بہر حال یہ وہ ابتدائی نثر نگار ہیں جنہوں نے اردو نثر نگاری کو بلندی عطا کی۔ان کے بعد اردو نثر سرسید کی ادبی تحریک میں داخل ہوتی ہے۔ جہاں سرسید احمد خان اوران کے رفقا مولانا حالی، مولانا شبلی نعمانی، ڈپٹی نظیر احمد، نواب محسن الملک وغیرہ نے اردو نثر کے ارتقاء میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔

سرسید خود نثر نگار تھے انہوں نے لفاظی، عبارت آرائی، جھوٹ اور مبالغے کو خیر باد کہہ کر آسان اور سادہ نثر پر زور دیا۔انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی، رسالے تصنیف کیے، اخباروں اور رسالوں میں مضمون لکھے۔ مدعا نگاری پر زور دیا اور عبارت آرائی کو رد کیا۔ میر امن اور غالب نے جس سادہ نگاری کی روایت قائم کی تھی اسے آگے بڑھایا۔ سادہ، مدلل اور واضح انداز میں اظہار خیال کیا اور جدید اردو نثر کی بنیاد ڈالی۔ ان کی تصانیف میں آثار الصنادید، خطبات احمدیہ، تاریخ سرکشی بجنور، اسباب بغاوت ہند اور رسالہ تہذیب الاخلاق اہمیت کی حامل ہیں۔تہذب الاخلاق نے نہ صرف اچھی عادتوں، رہن سہن اور اعلی اخلاق کی تعلیم دی بل کہ اس کے ذریعے اردو نثر کو بہت ترقی ہوئی۔ سیدھی سادی نثر لکھنے کو رواج دینے میں اس رسالے کا بڑا ہاتھ ہے۔اس تحریک کے زیر اثر مولانا حالی نے سوانح نگاری کی بنیاد ڈالی۔ حاؔلی نے تین اہم سوانح عمریاں لکھیں۔ سرسید کی سوانح ''حیات جاوید''، مرزا غاؔلب کی سوانح ''یادگار غالب'' اور ''حیات سعدی'' جو فارسی کے مشہور شاعر شیخ سعدؔی کی سوانح عمری ہے۔اردو کی پہلی تنقیدی کتاب مقدمہ شعروشاعری کے خالق بھی مولانا حاؔلی ہی ہیں۔مولانا شبلی نعمانی کی تصانیف ''المامون''، ''الفاروق''، ''الغزالی''، اور ''سوانح مولانا روم'' اور تنقید پہ ''شعرالعجم'' اور ''موازنہ انیس ودبیر'' اہم ہیں۔

ڈپٹی نظیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار کہا جاتا ہے۔انہوں نے اردو کا پہلا ناول مرات العروس 1859 میں لکھا۔اس کے بعد اردو نثر ترقی پسند تحریک کے دور میں داخل ہو جاتی ہے جہاں اسے منشی پریم چند، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، قرۃ العین حیدر اور عصمت

چغتائی وغیرہ مل جاتے ہیں۔اس کے بعد اردو نثر کو مختلف تحریکات، رجحانات، شعبہ جات اور صحافت وغیرہ کے پرچم تلے ترقی عطا ہوئی اور ابھی تک رو بہ ترقی ہی ہے۔ بے شک شمالی ہند کا شعر و ادب اردو ادب کی روح اور بنیاد ہے۔اس خطے نے اردو ادب کو وہ کلاسیکی شان، فکری گہرائی اور فنی نزاکت عطا کی جس نے اسے برصغیر کی سب سے توانا ادبی روایتوں میں شامل کر دیا۔دہلی کے صوفیانہ اور عشقیہ رنگ سے لے کر لکھنؤ کی لطافت و نزاکت تک، اور جدید دور کی سماجی و اصلاحی رجحان سے ترقی پسند تحریک کے انقلابی لہجے تک ہر دور نے اس س روایت کی معنویت اور وسعت میں اضافہ کیا۔شمالی ہند کے تخلیق کاروں نے نہ صرف اپنے زمانے کے سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی حالات کا عکس پیش کیا بلکہ انسانی جذبات، مسائل اور آرزوؤں کو بھی گہری فنکارانہ مہارت کے ساتھ بیان کیا۔مجموعی طور پر شمالی ہند کا نثر ایک ایسے روشن چراغ کی حیثیت رکھتا ہے جس نے نہ صرف ماضی اور حال کے ادب کو منور کیا بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے فکری راستے بھی روشن کیے۔اس کی روایات آج بھی اردو ادب میں زندگی کی حرارت، احساس کی لطافت اور فن کی بلندی کا استعارہ سمجھی جاتی ہیں۔

5.2.8 : سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

خالی جگہیں پر کیجیے۔

1 شمالی ہند میں اردو نثر کی باقاعدہ ابتدا ________ دور میں ہوئی۔

2 فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد اردو نثر کی ترقی میں ________ نے اہم کردار ادا کیا۔

3 ________ کو سادہ اور عام فہم اردو نثر کا بانی کہا جاتا ہے۔

4 میر امن کی مشہور نثری تصنیف ________ ہے۔

5 سر سید احمد خان نے اردو نثر کو جدید رجحانات سے آشنا کرنے کے لیے ________ تحریک شروع کی۔

6 شمالی ہند میں اردو نثر کی ترقی میں ________ رسالہ نہایت اہم ثابت ہوا۔

5.3: عمومی جائزہ/خلاصہ

شمالی ہند میں اردو نثر کی روایت اردو زبان کی تاریخ کا نہایت اہم باب ہے۔اس خطے نے اردو زبان کی تشکیل، ترقی اور ترویج میں

بنیادی کردار ادا کیا۔ دہلی اور لکھنؤ جیسے علمی و ادبی مراکز نے اردو نثر کو پروان چڑھانے میں نمایاں حصہ لیا۔ ابتدا میں اردو زبان زیادہ تر شاعری تک محدود تھی، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ نثر کی ضرورت محسوس کی گئی اور مختلف علمی، دینی، سماجی اور ادبی موضوعات کو بیان کرنے کے لیے نثر کا استعمال بڑھنے لگا۔ شمالی ہند کے ادیبوں اور اہلِ علم نے اردو نثر کو باقاعدہ ادبی شکل دینے کے لیے اہم خدمات انجام دیں۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد اردو نثر کی باقاعدہ تدوین اور ترقی کا سلسلہ شروع ہوا، جہاں مختلف داستانوں اور علمی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا گیا۔ اس عمل نے اردو نثر کو سادگی، روانی اور وضاحت عطا کی۔ اس کے بعد سرسید تحریک اور علی گڑھ کے علمی ماحول نے اردو نثر کو جدید فکری اور سائنسی موضوعات سے روشناس کرایا۔ اس اکائی میں شمالی ہند میں اردو نثر کے آغاز، اس کے ارتقائی مراحل اور اس کی ادبی و فکری خصوصیات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان ادبی مراکز اور ادیبوں کی خدمات کو بھی اجاگر کیا جاتا ہے جنھوں نے اردو نثر کو وسعت، گہرائی اور فنی پختگی عطا کی۔ اس طرح یہ اکائی شمالی ہند میں اردو نثر کی تاریخی اہمیت اور اس کے ادبی اثرات کو سمجھنے میں مدد فراہم کرتی ہے۔

5.3.1: آپ نے کیا سیکھا؟

اس اکائی کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شمالی ہند اردو نثر کی تشکیل اور ارتقا کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔ اس خطے کے علمی، ادبی اور تہذیبی ماحول نے اردو زبان کو فروغ دینے میں بنیادی کردار ادا کیا اور اسی ماحول میں اردو نثر نے بتدریج ترقی حاصل کی۔ مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں اردو زبان زیادہ تر شاعری کے لیے استعمال ہوتی تھی، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ نثر کی ضرورت محسوس کی گئی اور مختلف علمی، دینی اور سماجی موضوعات کو بیان کرنے کے لیے نثر کو اختیار کیا گیا۔ اس اکائی کے ذریعے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ دہلی اور لکھنؤ جیسے ادبی مراکز نے اردو نثر کو فروغ دینے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اسی طرح فورٹ ولیم کالج اور بعد میں سرسید تحریک نے اردو نثر کو ایک نئی سمت دی اور اسے سادہ، بامقصد اور فکری اعتبار سے زیادہ مضبوط بنایا۔ اس مطالعے سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ شمالی ہند کے ادیبوں اور دانشوروں نے اردو نثر کو مختلف اصناف میں وسعت دی اور اسے ایک مضبوط ادبی روایت میں تبدیل کیا۔ یوں اس اکائی کے مطالعے سے اردو نثر کی تاریخی ترقی، اس کے اہم مراکز اور اس کی ادبی و فکری خصوصیات کے بارے میں جامع آگہی حاصل ہوتی ہے۔

5.5: فرہنگ

نوخیز	نئی، ابتدائی حالت میں
آمیزش	ملاوٹ
مستحکم	مضبوط، پائیدار
تذکرہ	حالاتِ زندگی کا بیان
مسجع	ہم وزن عبارت
معاصر	ہم عصر
ترویج	فروغ
عہدزریں	سنہرادور
ثقیل	بھاری، مشکل
بقائے دوام	ہمیشہ کی شہرت
مدعانگاری	مقصدکوواضح انداز میں بیان کرنا
عبارت آرائی	لفظی بناوٹ
نوادرات	نایاب چیزیں
صورت گری	تشکیل، بناوٹ
توسیع	پھیلاؤ
ترویج	فروغ
رقم طرازی	لکھنے کا عمل
مافوق الفطرت	غیرفطری، حیرت انگیز

مرصع	—	آراستہ، بناوٹی

5.6: خود جانچ سوالات/امتحانی سوالات

1 شمالی ہند میں اردو نثر کے آغاز اور ارتقا پر تفصیلی روشنی ڈالیں۔

2 فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر کی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟ وضاحت کیجیے۔

3 میر امن دہلوی کی نثر کی خصوصیات بیان کیجیے۔

4 سر سید احمد خان کی تحریک نے اردو نثر پر کیا اثرات مرتب کیے؟

5 شمالی ہند میں اردو نثر کی ترقی میں رسائل و جرائد کے کردار پر بحث کیجیے۔

5.7: مشقی سوالات و جوابات

سوال : شمالی ہند میں اردو نثر کا آغاز شاعری کے مقابلے میں دیر سے کیوں ہوا؟

جواب : اس لیے کہ شمالی ہند میں فارسی کو علمی و ادبی زبان سمجھا جاتا تھا اور اردو کو کم اہمیت دی جاتی تھی۔

سوال : فورٹ ولیم کالج سے قبل اردو نثر کی زبان کیسی تھی؟

جواب : اس میں عربی اور فارسی الفاظ کی آمیزش زیادہ تھی۔

سوال : اٹھارہویں صدی میں اردو نثر کی ابتدائی شکلیں کون سی تھیں؟

جواب : دیباچے، تذکرے، لغات، ترجمے اور داستانیں۔

سوال : میر تقی میر نے اردو نثر کے لیے کیا کام کیا؟

جواب : انہوں نے شعرا کا تذکرہ ''نکات الشعرا'' تحریر کیا۔

سوال : کربل کتھا کی ادبی اہمیت کیا ہے؟

جواب : یہ شمالی ہند کی پہلی باقاعدہ نثری کتاب مانی جاتی ہے۔

سوال : اردو نثر کی قدیم ترین صنف کون سی ہے؟

جواب : داستان۔

سوال : فورٹ ولیم کالج کا اردو نثر میں کیا کردار ہے؟

جواب : اس نے اردو نثر کو سادہ اور عام فہم بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

سوال : میر امن کی سب سے بڑی نثری خدمت کیا ہے؟

جواب : سادہ اور رواں نثر میں ''باغ و بہار'' کی تصنیف۔

سوال : غالب کی نثر کی بنیادی خصوصیت کیا ہے؟

جواب : سادگی، بے تکلفی اور گفتگو کا انداز۔

سوال : سر سید احمد خان نے اردو نثر میں کیا اصلاح کی؟

جواب : مشکل اور بناوٹی نثر کے بجائے سادہ اور مدلل نثر کو فروغ دیا۔

سوال : ڈپٹی نذیر احمد کی ادبی حیثیت کیا ہے؟

جواب : وہ اردو کے پہلے ناول نگار تسلیم کیے جاتے.

5.8 : جواباتِ سرگرمی

1 ۔انگریزی دور

2 ۔فورٹ ولیم کالج

3 ۔میر امن دہلوی

4 ۔باغ و بہار

5 ۔علی گڑھ تحریک

6 ۔تہذیب الاخلاق

5.9: امدادی کتب

۱۔دکن میں اردو	—	نصیر الدین ہاشمی
۲۔مقدمہ تاریخ زبان اردو	—	مسعود حسین خان
۳۔دکنی ادب کی تاریخ	—	عبدالقادر سروری
۴۔حیدرآباد دکن میں اردو شاعری (1960 تک)	—	ناہیدہ سلطانہ
۵۔دکنی اردو: تاریخ اور ساخت	—	رتھ لیلا شمٹ
۶۔دکن میں اردو شاعری	—	جمیل جالبی

سبق 6۔ بھگتی تحریک (امیر خسرو، کبیر داس، گرو نانک اور میراں بائی)

ساخت

6.0 اغراض ومقاصد

6.1 تعارف

6.2 بھگتی تحریک (امیر خسرو، کبیر داس، گرو نانک اور میراں بھائی)

6.2.1 امیر خسرو

6.2.2 کبیر داس

6.2.3 گرو نانک

6.2.4 میراں بائی

6.2.5 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

6.3 عمومی جائزہ

6.4 آپ نے کیا سیکھا؟

6.5 فرہنگ

6.6 خود جانچ سوالات

6.7 مشقی سوالات

6.8 جواباتِ سرگرمی

6.8.1 مشقی سوالات کے جوابات

6.9 امدادی کتب

6.0:اغراض ومقاصد

یہ سبق آپ کو پڑھانے کا بنیادی مقصد آپ میں مذہبی رواداری، فکری وسعت اور انسانی مساوات کا شعور پیدا کرنا ہے۔اس سبق کے ذریعے آپ کو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ مذہب کا اصل مقصد انسان کو انسان سے جوڑنا ہے نہ کہ توڑنا۔آپ اس سبق کے مطالعے سے یہ جان پائیں گئے کہ برصغیر کی تہذیب مختلف مذاہب، زبانوں اور ثقافتوں کے باہمی امتزاج سے تشکیل پائی ہے اور بھگتی تحریک اسی مشترکہ تہذیب کی ایک روشن مثال ہے۔اس سبق کا ایک اہم مقصد آپ کو ذات پات، طبقاتی امتیاز اور سماجی ناانصافی کے خلاف شعور دینا ہے تاکہ آپ انسان کو اس کے کردار اور اخلاق کی بنیاد پر پرکھنے کی صلاحیت حاصل کریں۔بھگتی تحریک کی تعلیمات آپ کو یہ سکھاتی ہیں کہ ہر انسان احترام اور برابری کا مستحق ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب، ذات یا طبقے سے ہو۔یہ سبق آپ میں اخلاقی اقدار جیسے محبت، برداشت، سچائی، خدمتِ خلق اور انکساری کو فروغ دینے کے لیے بھی نہایت مؤثر ہے۔کبیر داس، گرونانک، میراں بھائی اور امیر خسرو کی زندگیاں اور تعلیمات آپ کے لیے عملی نمونہ بنتی ہیں اور آپ کی شخصیت سازی میں مثبت سمت عطا کرتی ہیں۔اس سبق کا ایک مقصد آپ میں تنقیدی شعور پیدا کرنا بھی ہے تاکہ آپ مذہبی رسم پرستی اور ظاہری عبادات کے بجائے دین کی اصل روح کو سمجھ سکیں۔اس کے ذریعے آپ کو یہ ادراک حاصل ہوتا ہے کہ روحانیت دل کی کیفیت کا نام ہے نہ کہ صرف الفاظ اور رسومات کا۔ تعلیمی اعتبار سے یہ سبق آپ کے ادبی ذوق، فکری وسعت اور تاریخی شعور میں اضافہ کرتا ہے۔آپ برصغیر کی سماجی اور فکری تاریخ سے واقف ہوتے ہیں اور آپ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ادب اور مذہبی فکر نے سماج کی اصلاح میں کس طرح کردار ادا کیا۔اس طرح یہ سبق آپ کو ایک ذمہ دار، باشعور اور انسان دوست شہری بنانے میں مدد دیتا ہے جو اختلاف کو نفرت کے بجائے فہم اور احترام کے ساتھ قبول کرنا سیکھتا ہے۔

6.1:تعارف

بھگتی تحریک برصغیر کی تاریخ کی ایک ہمہ گیر مذہبی، سماجی اور روحانی تحریک تھی جس نے تیرھویں صدی سے لے کر سترھویں صدی تک عوامی ذہن وفکر پر گہرے اثرات مرتب کیے۔اس تحریک کا بنیادی مقصد مذہب کو ظاہری رسم ورواج، طبقاتی تفریق اور ذات پات کی قید سے آزاد کر کے براہِ راست انسان کے دل سے جوڑنا تھا۔بھگتی تحریک نے مذہب کو علما اور پنڈتوں کی اجارہ داری سے نکال کر عام انسان کی روزمرہ زندگی کا حصہ بنایا۔اس تحریک میں عبادت کو خوف یا رسم کے بجائے محبت، اخلاص اور قلبی وابستگی کا ذریعہ قرار دیا گیا۔

بھگتی تحریک اس دور میں ابھری جب برصغیر کا سماج مذہبی تعصب، طبقاتی ناانصافی اور ذات پات کے جبر کا شکار تھا۔ ہندو مذہب میں برہمنوں کی بالادستی اور مسلمانوں میں فرقہ وارانہ سختی نے عام انسان کو روحانی سکون سے محروم کر دیا تھا۔ ایسے حالات میں بھگتی تحریک نے ایک نئی فکری فضا قائم کی جس میں خدا کو ہر انسان کے دل میں موجود مانا گیا اور انسانیت کو مذہب سے بلند تر مقام دیا گیا۔ یہ تحریک ہندو بھگت سنتوں اور مسلمان صوفیوں کے مشترکہ فکری ورثے کا نتیجہ تھی، جس نے دونوں مذاہب کے درمیان روحانی ہم آہنگی پیدا کی۔ امیر خسرو، کبیر داس، گرو نانک اور میراں بھائی جیسے رہنماؤں نے اس تحریک کو زبان، شاعری اور فکر کے ذریعے عوام تک پہنچایا۔ بھگتی تحریک نے نہ صرف مذہبی شعور کو بیدار کیا بلکہ سماجی انصاف، مساوات اور محبت جیسے اقدار کو بھی فروغ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بھگتی تحریک کو برصغیر کی مشترکہ تہذیب کی بنیاد کہا جاتا ہے۔

6.2: بھگتی تحریک (امیر خسرو، کبیر داس، گرو نانک اور میراں بائی)

بھگتی تحریک برصغیر کی تاریخ کی ایک نہایت اہم مذہبی، سماجی اور ادبی تحریک ہے جس نے قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان میں مذہبی فکر، انسانی اقدار اور سماجی رویّوں کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ یہ تحریک بنیادی طور پر خدا سے خلوصِ دل کے ساتھ محبت، عقیدت اور وابستگی پر زور دیتی ہے اور ظاہری رسوم، ذات پات کے امتیازات اور مذہبی تنگ نظری کی مخالفت کرتی ہے۔ بھگتی تحریک کا مرکزی تصور یہ تھا کہ انسان بغیر کسی واسطے، براہِ راست خدا سے تعلق قائم کر سکتا ہے اور اس کے لیے کسی مخصوص طبقے یا رسم و رواج کی پابندی ضروری نہیں۔ بھگتی تحریک کی ابتدا جنوبی ہند میں ہوئی جہاں الوار اور نائنار سنتوں نے وشنو اور شیو کی عقیدت کو عام کیا۔ بعد میں یہ تحریک شمالی ہند تک پھیل گئی اور مختلف علاقوں میں مختلف صورتوں میں سامنے آئی۔ اس تحریک کے زیرِ اثر ایسے سنت اور شاعر پیدا ہوئے جنھوں نے عام عوام کی زبان میں خدا کی محبت اور انسان دوستی کا پیغام دیا۔ ان میں رامانند، کبیر، روی داس، میرابائی، سورداس، تلسی داس، نام دیو اور گرو نانک جیسے عظیم نام شامل ہیں۔ ان سب کی تعلیمات کا بنیادی مقصد انسان کو ذات پات، مذہبی تعصب اور ظاہری عبادات سے نکال کر خلوص، محبت اور اخلاق کی طرف لانا تھا۔

بھگتی تحریک کا سب سے نمایاں پہلو اس کی انسان دوستی ہے۔ اس تحریک نے یہ پیغام دیا کہ تمام انسان برابر ہیں اور کسی کو بھی اس کے جنم، ذات یا پیشے کی بنیاد پر کمتر نہیں سمجھا جا سکتا۔ کبیر نے اپنی شاعری میں پنڈتوں اور مولویوں کی ظاہرداری پر سخت تنقید کی اور کہا کہ اصل عبادت دل کی پاکیزگی میں ہے، نہ کہ رسموں کی ادائیگی میں۔ میرابائی نے سماجی بندشوں کو توڑ کر کرشن کی محبت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا اور عورت کی روحانی آزادی کا عملی نمونہ پیش کیا۔ بھگتی تحریک نے ہندوستانی ادب کو بھی ایک نئی سمت عطا کی۔ سنسکرت کے بجائے عوامی زبانوں جیسے ہندی، اودھی،

برج بھاشا، پنجابی اور مراٹھی میں شاعری کی گئی تا کہ عام لوگ بھی مذہبی اور اخلاقی پیغام کو سمجھ سکیں۔ اس طرح یہ تحریک ادب کو اشرافیہ کے دائرے سے نکال کر عوام تک لے آئی۔ بھگتی شاعری میں سادگی، خلوص، درد دل اور عشقِ حقیقی کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے، جو اسے آج تک زندہ اور مؤثر بنائے ہوئے ہے۔ سماجی سطح پر بھگتی تحریک نے ذات پات کے نظام کو چیلنج کیا اور مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دیا۔ اس تحریک نے ہندو اور مسلم دونوں معاشروں پر اثر ڈالا اور ایک ایسی فضا پیدا کی جس میں انسانیت کو مذہب سے زیادہ اہم سمجھا گیا۔ بعد کے دور میں یہی فکر صوفی تحریک کے ساتھ مل کر برصغیر میں مذہبی رواداری اور ثقافتی ہم آہنگی کی بنیاد بنی۔ بھگتی تحریک صرف ایک مذہبی تحریک نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر سماجی، اخلاقی اور ادبی انقلاب تھی جس نے انسان کو محبت، مساوات اور اخلاص کا درس دیا۔ آج بھی بھگتی سنتوں کی تعلیمات انسان کو نفرت، تعصب اور تنگ نظری سے نکال کر امن، بھائی چارے اور روحانی بلندی کی طرف لے جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ بھگتی تحریک برصغیر کی مذہبی، سماجی اور فکری تاریخ کی ایک نہایت اہم اور اثر انگیز تحریک ہے جس کا بنیادی مقصد مذہب کو رسم و رواج، ذات پات اور فرقہ واریت کی قید سے آزاد کر کے انسان کے دل سے جوڑنا تھا۔ یہ تحریک ہندو مسلم ہم آہنگی، روحانی مساوات اور انسان دوستی کے پیغام کی علمبردار بنی۔ بھگتی تحریک نے ذات پات، اونچ نیچ اور ظاہری مذہبی تفریق کے خلاف آواز بلند کی اور عشقِ حقیقی، سادگی، اخلاق اور انسانیت کی بنیاد پر مذہبی شعور کو فروغ دیا۔ اس تحریک میں امیر خسرو، کبیر داس، گرونانک اور میراں بھائی جیسے عظیم روحانی اور فکری رہنماؤں نے نمایاں کردار ادا کیا۔

6.2.1: امیر خسرو

امیر خسرو (1253ء–1325ء) برصغیر کے عظیم شاعر، موسیقار اور صوفی بزرگ تھے۔ ان کا پورا نام ابوالحسن یمین الدین امیر خسرو تھا۔ وہ دہلی سلطنت کے مشہور بزرگ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرید اور محبوب شاگرد تھے۔ امیر خسرو فارسی، ہندی اور ابتدائی اردو کے ممتاز شاعر مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی اور دوہے جیسے اصناف میں شاعری کی۔ فارسی میں ان کے کئی دیوان اور مثنویاں ملتی ہیں، جن میں خمسۂ خسروی خاص طور پر مشہور ہے۔ موسیقی کے میدان میں بھی امیر خسرو کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انہیں قوالی اور کئی راگوں کی تشکیل و ترویج کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں عشقِ حقیقی، تصوف، انسانی محبت اور ہندوستانی تہذیب کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ امیر خسرو کو برصغیر میں فارسی اور ہندی تہذیب کے سنگم کی علامت سمجھا جاتا ہے اور وہ آج بھی ادب و موسیقی کی دنیا میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں۔ امیر خسرو بھگتی تحریک کے اولین نمائندہ شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ صوفی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم تہذیبی اشتراک کی بہترین مثال تھے۔ ان

کی شاعری میں فارسی، ہندی اور مقامی بولیوں کا حسین امتزاج ملتا ہے جو عوامی سطح پر روحانی پیغام پہنچانے کا مؤثر ذریعہ بنا۔ امیر خسرو نے عشقِ الٰہی، انسان دوستی اور روحانی یکجہتی کو اپنی شاعری کا محور بنایا۔ ان کے کلام میں نہ تو مذہبی تنگ نظری ملتی ہے اور نہ ہی فرقہ وارانہ تعصب بلکہ وہ انسان کو انسان سے جوڑنے کی بات کرتے ہیں۔ ان کی نظمیں اور گیت بھگتی تحریک کے اس تصور کو مضبوط کرتے ہیں کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ محبت اور اخلاص سے ہو کر گزرتا ہے، نہ کہ ظاہری عبادات اور رسموں سے۔

6.2.2: کبیر داس

کبیر داس (تقریباً 1440ء–1518ء) بھگتی تحریک کے عظیم صوفی شاعر اور سماجی مصلح تھے۔ وہ بنارس کے قریب پیدا ہوئے اور ایک جولاہا خاندان میں پرورش پائی۔ کبیر داس نے ذات پات، مذہبی تعصب اور ظاہری رسومات کی سخت مخالفت کی اور انسان دوستی، سچائی اور روحانی مساوات کا پیغام دیا۔ ان کی شاعری سادہ ہندی زبان میں ہے، جس میں دوہے اور سبھا شیت زیادہ ملتے ہیں۔ کبیر کے دوہوں میں تصوف، بھکتی، اخلاقیات اور زندگی کی حقیقتوں کا گہرا شعور پایا جاتا ہے۔ وہ ہندو اور مسلم دونوں مذہبی انتہاپسندی کے ناقد تھے اور دل کی پاکیزگی کو اصل عبادت قرار دیتے تھے۔ کبیر داس کی تعلیمات آج بھی برصغیر میں رواداری، محبت اور انسانیت کا اہم سرچشمہ سمجھی جاتی ہیں۔ کبیر داس بھگتی تحریک کے سب سے توانا اور بے باک آوازوں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی مذہبی منافقت، رسم پرستی اور فرقہ واریت پر سخت تنقید کی۔ کبیر کا پیغام نہایت سادہ مگر گہرا تھا کہ خدا ایک ہے اور وہ دل میں بستا ہے، نہ کہ مندروں یا مسجدوں کی دیواروں میں۔ انہوں نے ذات پات کے نظام کو رد کیا اور انسان کی اصل پہچان کو اس کے کردار سے جوڑا۔ کبیر داس کی شاعری میں سادگی، صداقت اور روحانی جرات نمایاں نظر آتی ہے۔ ان کے دوہے عوام میں بے حد مقبول ہوئے اور انہوں نے عام انسان کو مذہب کی اصل روح سے روشناس کرایا۔ کبیر نے بھگتی تحریک کو فکری جرات، سماجی شعور اور روحانی آزادی عطا کی۔

6.2.3: گرو نانک

گرو نانک دیو جی (1469–1539) سکھ مذہب کے بانی، عظیم روحانی پیشوا اور سماجی مصلح تھے۔ وہ تلونڈی (موجودہ ننکانہ صاحب، پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ گرو نانک نے توحید، انسان کی برابری، محبت، خدمت اور سچائی کا پیغام دیا۔ انہوں نے ذات پات، مذہبی تعصب اور ظاہری رسومات کی مخالفت کی اور سادہ، پاکیزہ زندگی پر زور دیا۔ ان کی تعلیمات شبدوں اور بھجنوں کی صورت میں گرو گرنتھ صاحب میں محفوظ

ہیں۔ گرو نانک دیو جی نے امن، رواداری اور انسان دوستی کا جو پیغام دیا، وہ آج بھی پوری دنیا میں احترام اور عقیدت سے یاد کیا جاتا ہے۔ گرو نانک بھگتی تحریک کے ایک عظیم روحانی رہنما اور سکھ مذہب کے بانی تھے۔ ان کا پیغام بھی وحدتِ الٰہی، مساوات اور انسان دوستی پر مبنی تھا۔ گرو نانک نے اعلان کیا کہ نہ کوئی ہندو ہے نہ مسلمان بلکہ سب انسان ہیں۔ انہوں نے ذات پات، مذہبی تعصب اور ظاہری عبادات کی سخت مخالفت کی اور سچائی، محنت، دیانت اور خدمتِ خلق کو مذہب کی بنیاد قرار دیا۔ گرو نانک کے اقوال اور بھجن نہایت سادہ مگر اثر انگیز ہیں جو انسان کو اندرونی پاکیزگی کی طرف مائل کرتے ہیں۔ انہوں نے بھگتی تحریک کو منظّم فکری سمت دی اور اسے ایک باقاعدہ روحانی و سماجی تحریک میں تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

6.2.4: میراں بائی

میراں بائی (میرابائی) (تقریباً 1498ء–1547ء) بھگتی تحریک کی عظیم شاعرہ اور کرشن بھگت تھیں۔ وہ راجستھان کے ایک شاہی خاندان میں پیدا ہوئیں، مگر دنیاوی آسائشوں کے بجائے انہوں نے پوری زندگی بھگوان کرشن کی محبت اور عبادت کے لیے وقف کر دی۔ میراں بائی کی شاعری بھجنوں اور پدوں پر مشتمل ہے، جن میں عشقِ حقیقی، روحانی وابستگی اور خود سپردگی کا گہرا اظہار ملتا ہے۔ انہوں نے سماجی پابندیوں اور روایتی رسموں کی پروا نہ کرتے ہوئے عورت کی روحانی آزادی کا پیغام دیا۔ میراں بائی کو برصغیر کی ادبی اور روحانی تاریخ میں عشق، عقیدت اور استقامت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ میراں بائی بھگتی تحریک کی واحد خاتون نمائندہ نہیں بلکہ اس تحریک کی روحانی لطافت اور نسوانی جذبے کی علامت بھی ہیں۔ میراں بھائی نے اپنی شاعری میں کرشن کو محبوبِ حقیقی کے طور پر پیش کیا اور اپنی پوری زندگی عشقِ الٰہی کے لیے وقف کر دی۔ ان کی شاعری میں روحانی سرشاری، محبت، وارفتگی اور قربانی کے جذبات نمایاں ہیں۔ انہوں نے سماجی پابندیوں، خاندانی دباؤ اور روایتی حدود کو توڑ کر اپنے عشقِ حقیقی کا اظہار کیا، جو بھگتی تحریک کے آزادیِ فکر اور آزادیِ روح کے تصور کو مضبوط کرتا ہے۔ میراں بائی نے عورت کے روحانی تشخص کو اجاگر کیا اور یہ ثابت کیا کہ روحانیت میں جنس کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ یوں امیر خسرو نے تہذیبی ہم آہنگی، کبیر داس نے فکری جرات، گرو نانک نے روحانی تنظیم اور میراں بھائی نے جذباتی و روحانی وارفتگی کے ذریعے بھگتی تحریک کو مکمل اور ہمہ گیر صورت عطا کی۔ ان تمام شخصیات کا مشترکہ پیغام یہی تھا کہ خدا محبت ہے، انسانیت عبادت ہے اور دل کی پاکیزگی ہی اصل مذہب ہے۔ بھگتی تحریک نے برصغیر کے مذہبی شعور کو نئی سمت دی، سماجی مساوات کو فروغ دیا اور ہندو مسلم اتحاد کی فکری بنیاد رکھی۔ آج بھی ان عظیم رہنماؤں کا پیغام ہمارے لیے رواداری، محبت اور انسان دوستی کا روشن چراغ ہے۔

6.2.5 : سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

1 : امیر خسرو کس صوفی بزرگ کے مرید تھے؟

الف) خواجہ معین الدین (ب) حضرت نظام الدین اولیاء (ج) شیخ احمد سرہندی (د) شیخ سلیم چشتی

2 : کبیر داس کس تحریک کے نمایاں شاعر تھے؟

الف) صوفی تحریک (ب) بھگتی تحریک ج) اصلاحی تحریک (د) ترقی پسند تحریک

3 : سکھ مذہب کے بانی گرونانک کس مذہب کے بانی تھے؟

(الف) بدھ مت (ب) سکھ مت (ج) جین مت (د) ہندو مت

4 : میراں بائی کی شاعری زیادہ تر کس کی عقیدت میں ہے؟

(الف) رام (ب) کرشن (ج) شیو (د) بدھ

5: بھگتی تحریک کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

الف) مذہبی ہم آہنگی اور محبت کا پیغام دینا (ب) سیاسی اقتدار حاصل کرنا

(ج) جنگ وجدل کو فروغ دینا (د) درباری ادب کو فروغ دینا

6: کبیر داس کی تعلیمات میں کس چیز کی مخالفت کی گئی ہے؟

(الف) محبت اور بھائی چارہ (ب) ذات پات کا نظام (ج) عبادت (د) علم حاصل کرنا

7: امیر خسرو کو اردو اور ہندوی ادب میں کس حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے؟

(الف) صوفی شاعر اور موسیقار (ب) سپاہی (ج) بادشاہ (د) مورخ

6.3: عمومی جائزہ

بھگتی تحریک برصغیر کی فکری، مذہبی اور سماجی تاریخ کی ایک عظیم اور ہمہ گیر تحریک تھی جس نے مذہب کو رسم ورواج، فرقہ واریت اور ذات

پات کی سختیوں سے نکال کر محبت، اخلاص اور انسان دوستی کے تصور سے جوڑا۔ یہ تحریک دراصل انسان اور خدا کے درمیان براہِ راست روحانی تعلق کی علمبردار تھی۔ بھگتی تحریک نے یہ پیغام دیا کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ دل کی پاکیزگی، سچائی اور محبت سے ہو کر گزرتا ہے، نہ کہ ظاہری عبادات اور مذہبی اجارہ داری سے۔ اس تحریک میں امیر خسرو، کبیر داس، گرونانک اور میراں بھائی جیسی عظیم شخصیات نے اپنے اپنے انداز میں نمایاں کردار ادا کیا۔ امیر خسرو نے صوفیانہ فکر اور بھگتی روایت کے امتزاج سے ہندو مسلم تہذیبی ہم آہنگی کو فروغ دیا۔ ان کی شاعری میں عشقِ حقیقی، انسان دوستی اور روحانی یگانگت کے عناصر نمایاں ہیں۔ انہوں نے زبان و بیان کے ذریعے روحانی پیغام کو عوام تک پہنچایا اور ثابت کیا کہ ادب مذہبی اتحاد کا مؤثر ذریعہ بن سکتا ہے۔ کبیر داس نے بھگتی تحریک کو فکری جرات عطا کی۔ انہوں نے ہندو اور مسلمان دونوں کی مذہبی رسم پرستی اور منافقت پر تنقید کی اور خدا کی وحدانیت اور انسانی مساوات پر زور دیا۔ ان کے دوہے سادہ مگر گہرے فکری مفہوم کے حامل ہیں جنہوں نے عام انسان کو مذہب کی اصل روح سے روشناس کرایا۔ کبیر داس نے بھگتی تحریک کو سماجی اصلاح کی طاقتور آواز بنایا۔

گرونانک نے بھگتی تحریک کو ایک منظّم روحانی اور سماجی فکر میں ڈھالا۔ انہوں نے وحدتِ الٰہی، خدمتِ خلق اور مساوات کا درس دیا اور ذات پات و فرقہ واریت کی نفی کی۔ گرونانک کا پیغام نہ صرف مذہبی بلکہ انسانی بنیادوں پر قائم تھا، جس نے بھگتی تحریک کو ایک وسیع اور پائیدار فکری بنیاد فراہم کی۔ میراں بھائی بھگتی تحریک میں عشقِ حقیقی اور روحانی وارفتگی کی علامت ہیں۔ انہوں نے کرشن کو محبوبِ حقیقی کے طور پر پیش کر کے اپنی شاعری کو خالص جذبہ، محبت اور قربانی سے بھر دیا۔ میراں بھائی نے سماجی پابندیوں کو توڑ کر روحانی آزادی کا پیغام دیا اور عورت کے روحانی تشخص کو نمایاں کیا۔ عمومی طور پر دیکھا جائے تو بھگتی تحریک ان تمام شخصیات کی فکری ہم آہنگی کا نتیجہ تھی جنہوں نے مذہب کو انسانیت، محبت اور مساوات کے ساتھ جوڑ دیا۔ امیر خسرو نے تہذیبی ربط پیدا کیا، کبیر داس نے فکری بیداری دی، گرونانک نے روحانی تنظیم فراہم کی اور میراں بھائی نے جذبے اور عشق کی لطافت عطا کی۔ ان سب کے مجموعی اثر نے بھگتی تحریک کو برصغیر کی مشترکہ تہذیب کی بنیاد اور روحانی آزادی کی علامت بنا دیا۔ یوں بھگتی تحریک محض ایک مذہبی تحریک نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر انسانی تحریک تھی جو آج بھی رواداری، محبت اور اتحاد کا پیغام دیتی ہے اور انسان کو یاد دلاتی ہے کہ اصل مذہب انسان سے محبت ہے۔

6.4: آپ نے کیا سیکھا؟

اس اکائی کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مذہب کی اصل روح محبت، اخلاص اور انسان دوستی میں پوشیدہ ہے۔ بھگتی تحریک

نے یہ سکھایا کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ ظاہری عبادات اور رسمی عقیدت سے نہیں بلکہ دل کی پاکیزگی اور سچائی سے ہو کر گزرتا ہے۔ امیر خسرو، کبیر داس، گرو نانک اور میراں بھائی کی تعلیمات انسان کو اندر سے بہتر بنانے کا پیغام دیتی ہیں۔ اس اکائی مطالعے سے یہ سبق بھی ملا ہے کہ مذہبی رواداری اور باہمی احترام ایک پرامن معاشرے کی بنیاد ہیں۔ بھگتی تحریک کے رہنماؤں نے ہندو اور مسلمان کے درمیان نفرت کے بجائے ہم آہنگی پیدا کی اور یہ باور کرایا کہ مختلف مذاہب کے باوجود انسانی اقدار مشترک ہوتی ہیں۔ یہ سبق ہمیں ذات پات، طبقاتی امتیاز اور سماجی ناانصافی کے خلاف شعور عطا کرتا ہے۔ کبیر داس اور گرو نانک کی تعلیمات سے یہ سیکھنے کو ملتا ہے کہ انسان کی اصل پہچان اس کا کردار ہے نہ کہ اس کی ذات یا مذہبی شناخت۔

اس سبق کے مطالعے سے روحانی آزادی اور فکری جرآت کا درس بھی ملا ہے۔ میراں بھائی کی زندگی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ سچا عشق ہر سماجی رکاوٹ سے بلند ہوتا ہے جبکہ کبیر داس کی شاعری ہمیں سچ کہنے کی ہمت عطا کرتی ہے۔ ادبی اعتبار سے یہ سبق یہ بھی سکھاتا ہے کہ ادب اور شاعری سماج کی اصلاح میں نہایت مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ امیر خسرو کی زبان، کبیر کے دوہے، نانک کے شبد اور میراں کے بھجن اس بات کا ثبوت ہیں کہ الفاظ دلوں کو بدل سکتے ہیں۔ مجموعی طور پر اس سبق کے مطالعے سے یہ سبق ملا ہے کہ انسانیت، محبت، مساوات اور رواداری ہی وہ اقدار ہیں جو کسی بھی معاشرے کو ترقی کی راہ پر گامزن کرتی ہیں اور بھگتی تحریک ان اقدار کی روشن مثال ہے۔

6.5: فرہنگ

۱۔ بھگتی	:	خدا سے محبت اور عقیدت
۲۔ ہمہ گیر	:	ہر طرف پھیلا ہوا، جامع
۳۔ روحانی	:	روح سے متعلق
۴۔ امتزاج	:	ملاپ
۵۔ اجارہ داری	:	مکمل اختیار
۶۔ رسم پرستی	:	ظاہری رسومات کی اندھی پیروی

۷۔ فرقہ واریت	:	مذہبی گروہوں کی دشمنی
۸۔ مساوات	:	برابری
۹۔ تعصب	:	جانبداری، تنگ نظری
۱۰۔ انسان دوستی	:	انسان سے محبت
۱۱۔ اخلاص	:	دل کی سچائی
۱۲۔ وارفتگی	:	بے خود محبت
۱۳۔ روحانیت	:	باطنی پاکیزگی
۱۴۔ فکری وسعت	:	سوچ کی کشادگی
۱۵۔ تنقیدی شعور	:	پرکھنے کی صلاحیت
۱۶۔ ذات پات	:	نسلی وسماجی درجہ بندی
۱۷۔ طبقاتی امتیاز	:	طبقوں میں فرق
۱۸۔ سماجی ناانصافی	:	معاشرتی ظلم
۱۹۔ توانا	:	طاقتور
۲۰۔ وحدتِ الٰہی	:	خدا کی ایک ہونے کا تصور
۲۱۔ خلوصِ دل	:	سچی نیت
۲۲۔ قلبی وابستگی	:	دل کا تعلق
۲۳۔ وابستگی	:	لگاؤ
۲۴۔ بالادستی	:	برتری
۲۵۔ پابندیاں	:	روک ٹوک

۲۶۔ لطافت : نرمی، نزاکت

۲۷۔ تنظیم : ترتیب، نظام

۲۸۔ مذہبی اجارہ داری : مذہب پر مخصوص طبقے کا قبضہ

۲۹۔ بصیرت : گہری سمجھ

۳۰۔ یکجہتی : اتحاد

۳۱۔ وابستہ : جڑا ہوا

۳۲۔ شعور : سمجھ بوجھ

۳۳۔ روشناس : آگاہ

۳۴۔ اظہار : ظاہر کرنا

۳۵۔ سرشاری : خوشی کی کیفیت

۳۶۔ انکساری : عاجزی

6.6: خود جانچ سوالات

1- بھگتی تحریک کے بنیادی مقاصد کیا تھے اور اس نے سماج پر کیا اثرات مرتب کیے؟

2- امیر خسرو کی شاعری میں ہندو مسلم تہذیبی ہم آہنگی کس طرح نمایاں ہوتی ہے؟

3- کبیر داس نے مذہبی رسم پرستی اور ذات پات کے نظام پر کس انداز میں تنقید کی؟

4- گرونانک کی تعلیمات نے بھگتی تحریک کو کس طرح منظّم روحانی تحریک میں تبدیل کیا؟

5- میراں بھائی کی شاعری میں عشقِ حقیقی اور روحانی آزادی کے عناصر کی وضاحت کریں۔

6.7: مشقی سوالات

1- بھگتی تحریک کے اسباب اور اس کے تاریخی پس منظر پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

2- امیر خسرو، کبیر داس، گرونانک اور میراں بھائی کے فکری و روحانی کردار کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔

3- بھگتی تحریک نے برصغیر میں مذہبی رواداری کے فروغ میں کیا کردار ادا کیا؟ وضاحت کریں۔

4- بھگتی تحریک کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالیں اور اس کے اثرات آج کے معاشرے سے جوڑیں۔

5- بھگتی تحریک کو ایک ہمہ گیر انسانی تحریک کیوں کہا جاتا ہے؟ دلائل کے ساتھ جواب دیں۔

6.7.1 مشقی سوالات کے جوابات

سوال 1: بھگتی تحریک کے اسباب اور اس کے تاریخی پس منظر پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

جواب: بھگتی تحریک اس دور میں وجود میں آئی جب برصغیر کا معاشرہ ذات پات، طبقاتی تفریق اور مذہبی تعصب کا شکار تھا۔ ہندو سماج میں برہمنوں کی اجارہ داری اور مسلمانوں میں فرقہ وارانہ سختی نے عام انسان کو روحانی سکون سے محروم کر دیا تھا۔ ایسے حالات میں بھگتی تحریک نے مذہب کو رسم و رواج کی قید سے آزاد کر کے محبت، اخلاص اور انسان دوستی کی بنیاد پر پیش کیا۔ جنوبی ہند میں الوار اور نائنار سنتوں سے اس تحریک کا آغاز ہوا جو بعد میں شمالی ہند تک پھیلی۔ اس تحریک نے عوامی زبان میں خدا کی محبت اور انسانی مساوات کا پیغام دے کر سماج میں فکری بیداری پیدا کی۔

سوال 2: امیر خسرو، کبیر داس، گرونانک اور میراں بھائی کے فکری و روحانی کردار کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔

جواب: امیر خسرو نے صوفیانہ فکر اور بھگتی روایت کو ملا کر ہندو مسلم تہذیبی ہم آہنگی کو فروغ دیا۔ کبیر داس نے مذہبی رسم پرستی اور ذات پات کے نظام پر جرات مندانہ تنقید کر کے انسانی مساوات کا درس دیا۔ گرونانک نے وحدتِ الٰہی، خدمتِ خلق اور مساوات کو منظم روحانی نظام کی صورت میں پیش کیا۔ میراں بھائی نے عشقِ حقیقی اور روحانی وارفتگی کے ذریعے عورت کی روحانی آزادی کو نمایاں کیا۔ یوں چاروں شخصیات نے مختلف انداز میں بھگتی تحریک کو مکمل اور ہمہ گیر تحریک بنایا۔

سوال3: بھگتی تحریک نے برصغیر میں مذہبی رواداری کے فروغ میں کیا کردار ادا کیا؟

جواب: بھگتی تحریک نے مذہبی تعصب اور فرقہ واریت کے خلاف آواز بلند کی۔ اس تحریک کے رہنماؤں نے یہ پیغام دیا کہ خدا ایک ہے اور تمام انسان برابر ہیں۔ کبیر داس اور گرو نانک نے ہندو اور مسلمان کی تفریق کو رد کیا جبکہ امیر خسرو نے اپنی شاعری سے دونوں تہذیبوں کے درمیان پل قائم کیا۔ میراں بھائی نے مذہب کو عشق اور محبت کی صورت میں پیش کیا۔ اس طرح بھگتی تحریک نے برصغیر میں مذہبی رواداری، برداشت اور باہمی احترام کو فروغ دیا۔

سوال4: بھگتی تحریک کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالیں۔

جواب: بھگتی تحریک نے ادب کو عوامی زبانوں تک پہنچایا۔ سنسکرت کے بجائے ہندی، پنجابی، برج بھاشا اور دیگر مقامی زبانوں میں شاعری کی گئی تاکہ عام انسان بھی مذہبی پیغام سمجھ سکے۔ کبیر کے دوہے، گرو نانک کے شبد، میراں بھائی کے بھجن اور امیر خسرو کی شاعری نے ادب کو سادگی، خلوص اور روحانی گہرائی عطا کی۔ اس ادبی روایت نے بعد کے ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے اور ادب کو سماجی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔

سوال5: بھگتی تحریک کو ایک ہمہ گیر انسانی تحریک کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: بھگتی تحریک کو ہمہ گیر انسانی تحریک اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا پیغام کسی ایک مذہب یا طبقے تک محدود نہیں تھا بلکہ پوری انسانیت کے لیے تھا۔ اس تحریک نے محبت، مساوات، خدمتِ خلق اور اخلاص کو زندگی کی بنیاد قرار دیا۔ اس نے ذات پات، فرقہ واریت اور سماجی ناانصافی کی مخالفت کی اور انسان کو انسان سے جوڑنے کا درس دیا۔ اسی وجہ سے بھگتی تحریک آج بھی انسانیت، امن اور بھائی چارے کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

6.8: جواباتِ سرگرمی

1۔ (ب) حضرت نظام الدین اولیاء

2۔ (ب) بھگتی تحریک

3۔ (ب) سکھ مت

4۔ (ب) کرشن

5۔ (الف) مذہبی ہم آہنگی اور محبت کا پیغام دینا

6۔ (ب) ذات پات کا نظام

7۔ (الف) صوفی شاعر اور موسیقار

6.9: امدادی کتب

۱۔	تاریخ ادب اردو جلد دوم	— جمیل جالبی
۲۔	مقدمہ تاریخ زبان اردو	— مسعود حسین خان
۳۔	تصوف اور بھکتی: تنقیدی اور تقابلی مطالعہ	— شمیم طارق
۴۔	حیدرآباد دکن میں اردو شاعری (1960 تک)	— ناہیدہ سلطانہ
۵۔	دکنی اردو: تاریخ اور ساخت	— رتھ لیلا شمٹ

سبق: 07۔فورٹ ولیم کالج اور قدیم دلی کالج کی خدمات

ساخت

7.0 اغراض ومقاصد

7.1 تعارف

7.2 فورٹ ولیم کالج اور قدیم دلی کالج کی خدمات

7.2.1 فورٹ ولیم کالج

7.2.2 قدیم دلی کالج

7.2.3 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

7.3 عمومی جائزہ

7.4 آپ نے کیا سیکھا؟

7.5 فرہنگ

7.6 خود جانچ سوالات

7.7 مشقی سوالات

7.8 جواباتِ سرگرمی

7.8.1 مشقی سوالات کے جوابات

7.9 امدادی کتب

7.0: اغراض ومقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ:

1۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام اوراس کے مقاصد سے واقف ہوں گے۔

2۔ فورٹ ولیم کالج کی اردونثر کی ترقی میں خدمات کو سمجھ سکیں گے۔

3۔ دلی کالج کی تعلیمی اور علمی اہمیت کو جان سکیں گے۔

4۔ دلی کالج میں مشرقی اور مغربی علوم کے امتزاج کی نوعیت کو سمجھ سکیں گے۔

5۔ ان اداروں سے وابستہ اہم شخصیات اوران کی خدمات سے آگاہ ہوں گے۔

6۔ اردو زبان کی ترقی میں ترجمہ نگاری کی تحریک کی اہمیت کو جان سکیں گے۔

7.1 : تعارف

برصغیر کی علمی اورادبی تاریخ میں چند تعلیمی اداروں نے ایسے گہرے اثرات مرتب کیے جنہوں نے زبان، ادب اور فکر کی سمت متعین کی۔ ان اداروں میں فورٹ ولیم کالج اور دلی کالج کو نمایاں مقام حاصل ہے۔فورٹ ولیم کالج کے قیام کا بنیادی مقصد برطانوی افسران کو مقامی زبانوں اور تہذیب سے آشنا کرنا تھا،مگر اس ادارے کی سرگرمیوں نے اردو نثر کی ترقی میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ یہاں تیار ہونے والی سادہ اور عام فہم نثر نے اردو زبان کو ایک منظّم ادبی شکل دی اور متعدد اہم تصانیف وجود میں آئیں۔اسی طرح دلی کالج برصغیر میں جدید تعلیم کے فروغ کا ایک اہم مرکز تھا۔اس ادارے میں مشرقی اور مغربی علوم کو یکجا کر کے پڑھایا جاتا تھا جس کے نتیجے میں ایک ایسا علمی ماحول پیدا ہوا جس نے اردو زبان کو جدید علمی اظہار کا ذریعہ بنانے میں مدد دی۔اس طرح یہ دونوں ادارے اردو زبان وادب کی ترقی، علمی بیداری اور جدید تعلیمی رجحانات کے فروغ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

7.2.1: فورٹ ولیم کالج

فورٹ ولیم کالج برصغیر کی علمی، ادبی اور لسانی تاریخ کا ایک نہایت اہم ادارہ تھا جس نے خصوصاً اردو زبان وادب کی ترقی میں بنیادی

کردارادا کیا۔ اٹھارویں صدی کے آخراورانیسویں صدی کے آغاز میں جب برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی سیاسی اورانتظامی قوت مستحکم ہورہی تھی توانگریز حکام کو یہ احساس ہوا کہ ہندوستان کے نظم ونسق کو مؤثر انداز میں چلانے کے لیے مقامی زبانوں اورتہذیب سے واقفیت ناگزیر ہے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر 1800ء میں کولکتہ، جو اس زمانے میں برطانوی ہندوستان کا اہم انتظامی مرکز تھا، میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا گیا۔ اس ادارے کے قیام میں برطانوی گورنر جنرل لارڈ ولزلی کا بنیادی کردار تھا۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ برطانوی افسران اگر ہندوستانی زبانوں اور معاشرت سے ناواقف رہیں گے تو نہ صرف انتظامی امور میں مشکلات پیدا ہوں گی بلکہ مقامی آبادی کے ساتھ ان کے روابط بھی کمزور رہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایسے تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی جہاں انگریز افسران کو ہندوستانی زبانوں، تہذیب اور معاشرت کی تعلیم دی جا سکے۔

فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد یہاں مختلف ہندوستانی زبانوں کے شعبے قائم کیے گئے جن میں فارسی، عربی، سنسکرت، بنگالی اور اردو شامل تھیں۔ ان زبانوں کی تدریس کے لیے مقامی علماء، ادباء اور ماہرینِ زبان کو مقرر کیا گیا۔ اردو زبان کے شعبے کی نگرانی اور تنظیم کا اہم کام مشہور مستشرق اور ماہرِ لسانیات ڈاکٹر جان گلکرسٹ کے سپرد کیا گیا۔ گلکرسٹ کو اردو زبان سے گہری دلچسپی تھی اور انہوں نے اس زبان کو منظّم اور معیاری شکل دینے کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔ انہوں نے نہ صرف اردو کی تدریس کا باقاعدہ نظام قائم کیا بلکہ اس زبان میں نصابی کتابیں تیار کروانے کا بھی اہتمام کیا۔ فورٹ ولیم کالج کی سب سے نمایاں خدمت یہ تھی کہ اس نے اردو نثر کی ترقی اور ترویج میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس سے پہلے اردو ادب میں شاعری کو نمایاں مقام حاصل تھا جبکہ نثر کا دائرہ نسبتاً محدود تھا اور اس میں بھی زیادہ تر مذہبی یا درباری طرز کی تحریریں ملتی تھیں۔ فورٹ ولیم کالج نے پہلی مرتبہ اردو نثر کو ایک منظّم اور معیاری ادبی شکل دی۔ کالج کے زیرِ اہتمام متعدد ادیبوں اور مترجمین کو اس بات کی ترغیب دی گئی کہ وہ سادہ، رواں اور عام فہم زبان میں کتابیں تحریر کریں تا کہ انہیں انگریز افسران کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عام قارئین بھی آسانی سے سمجھ سکیں۔ اس مقصد کے لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے اہلِ قلم کو بلایا گیا اور انہیں کالج سے وابستہ کیا گیا۔

ان ادیبوں میں میر امن دہلوی کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جنہوں نے مشہور داستان باغ و بہار لکھی۔ اس داستان کا قصہ دراصل فارسی داستان ''قص? چہار درویش'' سے ماخوذ ہے۔ میر امن نے اسے نہایت سادہ اور دلنشین اردو میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب کو اردو نثر کے ابتدائی اور اہم نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے اور اسے جدید نثر کا سنگِ بنیاد بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح میر شیر علی افسوس نے باغ اردو اور آرائش محفل جیسی اہم تصانیف پیش کیں۔ جن میں تاریخی اور ادبی انداز کو یکجا کیا گیا۔ حیدر بخش حیدری دہلی میں پیدا ہوئے۔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفین میں سے میر امن کے بعد جس مصنف کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی، وہ سید حیدر بخش حیدری ہیں۔ دہلی کی بربادی کے زمانے میں حیدری کے والد

دہلی سے بنارس چلے گئے۔فورٹ ولیم کالج کے لیے ہندوستانی منشیوں کی ملازمت کے بارے میں سن کر حیدر بخش ملازمت کے لیے کلکتہ گئے۔ ڈاکٹر گلکرسٹ تک رسائی کے لیے ایک قصہ مہر و ماہ بھی ساتھ لکھ کر گئے۔گلکرسٹ نے کہانی کو پسند کیا اور اُن کو کالج میں بطور منشی مقرر کیا۔وہ بارہ برس تک کالج سے منسلک رہے۔1823ء میں بنارس میں انتقال کر گئے۔

فورٹ ولیم کالج کے تمام مصنفین میں سے سب سے زیادہ کتابیں لکھنے والے سید حیدر بخش حیدری ہیں۔ان کی تصانیف کی تعداد دس کے قریب ہے جن میں گلشن ہند، قصہ مہر و ماہ، طوطا کہانی اور آرائش محفل خاص اہمیت کی حامل ہیں۔بہادر علی حسینی نے "اخلاقِ ہندی" اور "نثرِ بے نظیر" جیسی مشہور کتابیں اردو ادب کو دیں۔مظہر علی ولا "مادھونل کام کندلا" اور "بتّیسی سنگھاسن" کے مصنف ہیں۔ نہال چند لاہوری "مذہبِ عشق" (قصہ گل وصنوبر) کے لیے مشہور ہیں۔مرزا کاظم علی جوان کی "شکنتلا" اور "بارہ ماسہ" کتابیں ہیں۔خلیل خان اشک "داستانِ امیر حمزہ" کے مترجم تھے۔یہ تمام مصنفین سادہ، عام فہم اور سلیس اردو نثر کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ان کے علاوہ دیگر اہلِ قلم نے بھی مختلف داستانوں اور قصوں کو اردو میں منتقل کیا اور یوں اردو نثر کا ذخیرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔فورٹ ولیم کالج کی ایک اور اہم خدمت تراجم کا وسیع سلسلہ تھا۔یہاں فارسی، عربی اور سنسکرت کی متعدد اہم کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا گیا۔اس عمل کے نتیجے میں نہ صرف اردو زبان کے ذخیر؟ الفاظ میں اضافہ ہوا بلکہ مختلف تہذیبی اور علمی روایات بھی اردو ادب میں منتقل ہوئیں۔تراجم کے اس عمل نے اردو کو ایک ایسی زبان بنانے میں مدد دی جو مختلف علوم وفنون کے اظہار کے قابل ہو سکے۔اس کے ساتھ ساتھ کالج میں زبان کی تدریس کے لیے لغات اور قواعد کی کتابیں بھی مرتب کی گئیں جس سے اردو زبان کو ایک منظّم اور با قاعدہ لسانی بنیاد حاصل ہوئی۔فورٹ ولیم کالج کے ادبی ماحول نے اردو نثر کو سادگی، روانی اور فصاحت کی نئی جہت عطا کی۔یہاں تیار ہونے والی کتابوں میں زبان کو اس انداز سے اختیار کیا گیا جو عام بول چال کے قریب تھا۔اس سے پہلے اردو نثر میں فارسی تراکیب اور مشکل اسلوب کا غلبہ تھا لیکن فورٹ ولیم کالج کے مصنفین نے زبان کو زیادہ سہل اور عام فہم بنانے کی کوشش کی۔یہی وجہ ہے کہ اس ادارے میں تیار ہونے والی کتابیں بعد میں اردو نثر کے معیار کی حیثیت اختیار کر گئیں اور آنے والے ادیبوں کے لیے نمونہ بنیں۔

اگرچہ فورٹ ولیم کالج کا قیام بنیادی طور پر برطانوی انتظامی ضرورت کے تحت ہوا تھا اور اس کا مقصد انگریز افسران کو ہندوستانی زبانوں کی تعلیم دینا تھا، لیکن اس کے اثرات اردو زبان وادب کی ترقی کے لیے انتہائی مثبت ثابت ہوئے۔اس ادارے نے اردو نثر کو ایک منظّم شکل دی، متعدد ادیبوں کو تخلیقی مواقع فراہم کیے اور زبان کے تدریسی وعلمی کام کو فروغ دیا۔یوں کہا جا سکتا ہے کہ اردو نثر کی جدید روایت کی بنیاد بڑی حد تک فورٹ ولیم کالج کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

اردو ادب کی تاریخ میں فورٹ ولیم کالج کو اس لیے بھی ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے کہ اس نے زبان و ادب کو درباری یا محدود حلقوں سے نکال کر وسیع علمی اور تعلیمی دائرے میں داخل کیا۔ اس ادارے کے زیرِ اثر اردو زبان میں جو نثری سرمایہ وجود میں آیا اس نے بعد کے ادبی ادوار، خصوصاً سرسید تحریک اور جدید اردو نثر کی تشکیل کے لیے راستہ ہموار کیا۔ اس طرح فورٹ ولیم کالج نہ صرف ایک تعلیمی ادارہ تھا بلکہ اردو زبان کی تاریخ میں ایک ایسی تحریک کی صورت اختیار کر گیا جس نے زبان کے فکری اور فنی ارتقا میں دیرپا اثرات مرتب کیے۔

7.2.2: قدیم دلی کالج

برصغیر کی علمی اور تعلیمی تاریخ میں دلی کالج کو ایک نہایت اہم اور تاریخی ادارے کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ادارہ انیسویں صدی میں ایسے دور میں قائم ہوا جب ہندوستان میں تعلیمی اور فکری تبدیلیوں کا آغاز ہو رہا تھا اور قدیم مشرقی علوم کے ساتھ جدید مغربی علوم کو ہم آہنگ کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ دلی میں قائم یہ ادارہ نہ صرف ایک تعلیمی مرکز تھا بلکہ ایک ایسی فکری تحریک کا سرچشمہ بھی بن گیا جس نے پورے برصغیر کی علمی اور تہذیبی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ دلی کالج نے جدید تعلیم کے فروغ، اردو زبان کی ترقی اور سائنسی شعور کی بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا۔ دلی کالج کی بنیاد دراصل ایک قدیم تعلیمی روایت سے جڑی ہوئی ہے۔ مغل دور میں دلی علم و ادب کا مرکز تھا اور یہاں متعدد مدارس اور تعلیمی ادارے قائم تھے۔ انہی میں سے ایک مشہور درسگاہ غازی الدین خان کا مدرسہ تھا جسے مغل عہد کے ایک امیر غازی الدین خان فیروز نے اٹھارویں صدی کے اوائل میں قائم کیا تھا۔ اس مدرسے کی بنیاد تقریباً 1690ء کے بعد کے زمانے میں رکھی گئی اور یہ جلد ہی دلی کے اہم تعلیمی مراکز میں شمار ہونے لگا۔ اس درسگاہ میں عربی، فارسی، منطق، فلسفہ اور دینی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے اساتذہ اور طلبہ علمی حلقوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ بعد کے زمانے میں جب برطانوی اقتدار مستحکم ہوا تو انہوں نے ہندوستان میں تعلیمی نظام کو نئے خطوط پر استوار کرنے کی کوشش کی۔ اسی سلسلے میں 1825ء میں اس قدیم مدرسے کو ازسرِ نو منظّم کر کے دلی کالج کی شکل دی گئی۔ اس طرح ایک روایتی اسلامی مدرسہ بتدریج ایک جدید تعلیمی ادارے میں تبدیل ہو گیا۔ اس ادارے کی باضابطہ تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز 1825ء میں ہوا اور اسی سال کو دلی کالج کے قیام کی بنیادی تاریخ قرار دیا جاتا ہے۔ بعد ازاں 1828ء اور 1830ء کے درمیان اس ادارے میں مزید اصلاحات کی گئیں اور اسے جدید تعلیمی تقاضوں کے مطابق ترقی دی گئی۔

دلی کالج کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ یہاں مشرقی اور مغربی علوم کو ایک ساتھ پڑھایا جاتا تھا۔ اس ادارے میں دو بڑے شعبے

قائم تھے جن میں ایک مشرقی شعبہ اور دوسرا انگریزی شعبہ تھا۔ مشرقی شعبے میں عربی، فارسی اور اسلامی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی جبکہ انگریزی شعبے میں جدید سائنسی علوم، ریاضی، فلسفہ اور دیگر مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ اس امتزاج نے دلی کالج کو اپنے زمانے کا ایک منفرد تعلیمی ادارہ بنا دیا جہاں قدیم علمی روایت اور جدید فکری رجحانات ایک ساتھ پروان چڑھ رہے تھے۔

دلی کالج کی خدمات میں سب سے اہم خدمت اس کا علمی ماحول تھا جس نے بے شمار اہلِ علم اور اہلِ قلم کو پیدا کیا۔ یہاں کے اساتذہ اور طلبہ نے علمی مباحث، ادبی نشستوں اور تحقیقی سرگرمیوں کے ذریعے ایک ایسا فکری ماحول پیدا کیا جو پورے برصغیر میں مشہور ہو گیا۔ اس ادارے نے اردو زبان کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کیا اور اسے علمی و سائنسی اظہار کا ذریعہ بنانے میں مدد دی۔ دلی کالج کی ایک اور اہم خدمت ترجمہ نگاری کی تحریک تھی۔ اس ادارے کے اساتذہ اور طلبہ نے مغربی علوم کی اہم کتابوں کو اردو میں منتقل کرنے کا عظیم کام انجام دیا۔ اس مقصد کے لیے کالج میں ایک علمی انجمن قائم کی گئی جس کے ذریعے ریاضی، سائنس، فلسفہ اور دیگر مضامین کی کتابیں اردو میں ترجمہ کی گئیں۔ اس ترجمہ تحریک نے اردو زبان کو جدید علمی اصطلاحات سے مالا مال کیا اور اسے ایک مؤثر علمی زبان بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ دلی کالج سے وابستہ کئی ممتاز علماء اور ادباء نے برصغیر کی علمی تاریخ میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ ان افراد نے نہ صرف تعلیم کے میدان میں خدمات انجام دیں بلکہ ادب، صحافت اور سماجی اصلاح کے شعبوں میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح دلی کالج صرف ایک تعلیمی ادارہ نہیں رہا بلکہ ایک ایسی فکری تحریک کا مرکز بن گیا جس نے معاشرے میں جدید شعور اور علمی بیداری کو فروغ دیا۔

انیسویں صدی کے وسط میں جب 1857 کی جنگِ آزادی رونما ہوئی تو اس کے اثرات دلی کے تمام علمی اور تعلیمی اداروں پر پڑے۔ اس ہنگامے کے بعد دلی کالج بھی شدید متاثر ہوا اور اس کی تعلیمی سرگرمیاں معطل ہو گئیں۔ اگرچہ بعد میں تعلیمی نظام کو دوبارہ منظّم کیا گیا، لیکن دلی کالج کی وہ شان و شوکت برقرار نہ رہ سکی جو اس سے پہلے تھی۔ اس کے باوجود اس ادارے کی علمی روایت اور اس کی خدمات تاریخ میں محفوظ رہیں۔ درحقیقت دلی کالج برصغیر کی تعلیمی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ اس ادارے نے قدیم اور جدید علوم کے امتزاج کے ذریعے ایک نئی تعلیمی روایت کو جنم دیا اور اردو زبان کو علمی اظہار کا موثر ذریعہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کی بنیاد کی تاریخ، اس کے علمی کارنامے اور اس سے وابستہ اہلِ علم کی خدمات اسے برصغیر کے اہم ترین تعلیمی اداروں میں شامل کرتی ہیں۔ اسی لیے دلی کالج کو نہ صرف دلی بلکہ پورے ہندوستان کی علمی اور تہذیبی ترقی میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

دلی کالج کی سب سے بڑی خدمات میں اس کا علمی اور فکری ماحول تھا جس نے متعدد نمایاں شخصیات کو پیدا کیا۔ ان شخصیات نے نہ صرف تعلیم و تحقیق کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے بلکہ اردو زبان و ادب، صحافت اور سماجی اصلاح کی تحریکوں میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ان نمایاں شخصیات میں مولوی ذکاءاللہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ مولوی ذکاءاللہ دہلوی ایک ممتاز عالم، مؤرخ اور ماہرِ تعلیم تھے۔ انہوں نے ریاضی، تاریخ اور دیگر علوم پر متعدد کتابیں تصنیف کیں اور جدید سائنسی علوم کو اردو زبان میں متعارف کرانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی تصانیف نے اردو میں علمی اور تحقیقی روایت کو فروغ دیا۔ اسی طرح ماسٹر رام چندر بھی دلی کالج کی ایک نمایاں شخصیت تھے۔ وہ ریاضی کے ماہر تھے اور انہوں نے جدید ریاضی کی تعلیم کو عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ماسٹر رام چندر نے نہ صرف تدریس کے میدان میں خدمات انجام دیں بلکہ ریاضی کے مضامین کو سادہ اور قابل فہم انداز میں پیش کر کے طلبہ کے لیے آسان بنا دیا۔ ان کی علمی خدمات نے جدید سائنسی تعلیم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ دلی کالج سے وابستہ ایک اور ممتاز شخصیت مولوی نذیر احمد دہلوی کی ہے۔ مولوی نذیر احمد دہلوی اردو ادب کے ایک اہم ناول نگار اور مصلح تھے۔ انہوں نے اردو کے ابتدائی اصلاحی ناول لکھے جن میں اخلاقی اور سماجی اصلاح کے موضوعات کو بڑی مہارت سے پیش کیا گیا۔ ان کے ناولوں نے اردو نثر کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا اور اردو ادب میں ایک نئی صنف کو فروغ دیا۔ محمد حسین آزاد اسی کالج کے طالب علم تھے۔ انھوں نے تذکرہ آب حیات کے علاوہ شاعری کے میدان میں بھی نام کمایا۔ اسی طرح الطاف حسین حالی بھی اس علمی ماحول سے متاثر ہونے والی شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ حالی اردو ادب کے عظیم شاعر، نقاد اور مصلح تھے۔ انہوں نے اردو شاعری میں اصلاحی اور اخلاقی رجحانات کو فروغ دیا اور اپنی مشہور تصنیف ''مقدمہ شعر و شاعری'' کے ذریعے اردو تنقید کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ ان کی ادبی خدمات نے اردو ادب کو ایک نئی سمت عطا کی۔ دلی کالج کی خدمات میں ترجمہ نگاری کی تحریک بھی نہایت اہم ہے۔ اس ادارے کے اساتذہ اور طلبہ نے مغربی علوم کی متعدد کتابوں کو اردو میں ترجمہ کیا۔ اس عمل نے اردو زبان کو جدید سائنسی اور فکری اصطلاحات سے مالا مال کیا اور اسے ایک علمی زبان کے طور پر ترقی دی۔ اس طرح دلی کالج ایک ایسی علمی تحریک کا مرکز بن گیا جس نے جدید علوم کو عام کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

7.2.3 : سرگرمی (آؤ! اپنی معلومات کو جانچیں)

1 فورٹ ولیم کالج کے قیام کا بنیادی مقصد ــــــــــــــ زبانوں کی تعلیم دینا تھا۔

2 فورٹ ولیم کالج کے قیام میں ــــــــــــــ کا اہم کردار تھا۔

3 فورٹ ولیم کالج سے وابستہ مشہور ادیب ــــــــــــــ نے ''باغ و بہار'' تصنیف کی۔

4 قدیم دلی کالج کا قیام ــــــــــــــ میں عمل میں آیا۔

5 دلی کالج نے اردو زبان میں ــــــــــــــ علوم کے تراجم کا اہم کام انجام دیا۔

6 دلی کالج کے علمی و ادبی فروغ میں ــــــــــــــ سوسائٹی کا اہم کردار تھا۔

7 فورٹ ولیم کالج اور دلی کالج دونوں نے ــــــــــــــ زبان و ادب کے فروغ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

7.3 عمومی جائزہ

فورٹ ولیم کالج کا قیام 1800ء میں کولکتہ میں ہوا اور اس کے قیام میں برطانوی گورنر جنرل لارڈ ویلزلی کا بنیادی کردار تھا۔ اس ادارے میں فارسی، عربی، سنسکرت، بنگالی اور اردو زبانوں کی تدریس کا اہتمام کیا گیا۔ اردو شعبے کی نگرانی جان بورتھوک گلکرسٹ کے سپرد کی گئی جنہوں نے اردو زبان کو منظم اور معیاری بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کالج کے زیرِ اہتمام متعدد ادیبوں نے سادہ اور عام فہم اردو میں کتابیں تحریر کیں جن میں میر امن کی ''باغ و بہار'' خاص طور پر مشہور ہے۔ اس کے علاوہ سید حیدر بخش حیدری، میر شیر علی افسوس اور دیگر مصنفین نے بھی اہم خدمات انجام دیں۔ دوسری طرف دلی کالج انیسویں صدی میں ایک اہم تعلیمی مرکز کے طور پر ابھرا۔ اس کی بنیاد دراصل غازی الدین خان کے قائم کردہ مدرسے پر تھی جسے بعد میں جدید تعلیمی ادارے کی شکل دی گئی۔ یہاں مشرقی علوم کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی اور مغربی علوم بھی پڑھائے جاتے تھے۔ اس ادارے نے ترجمہ نگاری کی تحریک کو فروغ دیا جس کے ذریعے مغربی علوم کی کتابیں اردو میں منتقل کی گئیں۔ دلی کالج سے وابستہ متعدد ممتاز شخصیات نے علمی اور ادبی میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان میں مولوی ذکاء اللہ دہلوی، ماسٹر رام چندر، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی شامل ہیں۔ ان شخصیات نے اردو ادب، تاریخ، سائنس اور سماجی اصلاح کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔

7.5 فرہنگ

الفاظ		معانی
برصغیر	۔	جنوبی ایشیا کا بڑا خطہ
مستحکم	۔	مضبوط، قائم
انتظامی	۔	نظم و نسق سے متعلق
تدریس	۔	تعلیم دینا
مستشرق	۔	مشرقی علوم کا مغربی ماہر
ترویج	۔	پھیلانا، فروغ دینا
نثر	۔	شاعری کے مقابلے میں سادہ تحریر
داستان	۔	طویل قصہ یا کہانی
منشی	۔	لکھنے پڑھنے کا ماہر یا کاتب
تصنیف	۔	لکھی ہوئی کتاب
تراجم	۔	ترجمہ کی جمع
اصطلاحات	۔	مخصوص علمی الفاظ
فصاحت	۔	زبان کی صفائی اور روانی
روایت	۔	چلن یا رواج
امتزاج	۔	ملاپ
مباحث	۔	علمی گفتگو
اصلاحی	۔	بہتری پیدا کرنے والا

بیداری ۔ شعور کا پیدا ہونا

سنگ میل ۔ اہم مرحلہ یا نمایاں مقام

7.6 : امتحانی سوالات

1 فورٹ ولیم کالج کے قیام کے اسباب اور اس کی اردو زبان کے لیے خدمات بیان کریں۔

2 فورٹ ولیم کالج کے مصنفین اور ان کی اہم تصانیف کا ذکر کریں۔

3 دلی کالج کے قیام اور اس کی تعلیمی خصوصیات پر روشنی ڈالیں۔

4 دلی کالج کی ترجمہ نگاری کی تحریک کی اہمیت بیان کریں۔

5 فورٹ ولیم کالج اور دلی کالج کی اردو زبان وادب کے فروغ میں خدمات کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔

7.8 : جوابات سرگرمی

1 ۔ہندوستانی

2 ۔لارڈ ویلزلی

3 ۔میرامن دہلوی

4 1825

5 ۔مغربی

6 ۔ورناکیولر ٹرانسلیشن سوسائٹی

7 ۔اردو

7.9: امدادی کتب

ا۔ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات — عبیدہ بیگم

۲۔ مرحوم دہلی کالج — مولوی عبدالحق

۳۔ دکنی ادب کی تاریخ — عبدالقادر سروری

۴۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو — مسعود حسین خان

۵۔ دکنی اردو: تاریخ اور ساخت — رتھ لیلا شمٹ

۶۔ تاریخ ادب اردو — جمیل جالبی

سبق : 08 دبستانِ دہلی کی خصوصیات

ساخت

8.0 اغراض ومقاصد
8.1 تعارف
8.2 دبستانِ دہلی کی خصوصیات
8.2.1 دبستانِ دہلی کے نمائندہ شعراء
8.2.2 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)
8.3 عمومی جائزہ
8.4 آپ نے کیا سیکھا؟
8.5 فرہنگ
8.6 خود جانچ سوالات
8.7 مشقی سوالات
8.8 جواباتِ سرگرمی
8.8.1 مشقی سوالات کے جوابات
8.9 امدادی کتب

8.0 : اغراض ومقاصد

اس سبق کے مطالعے کے چند اہم مقاصد درج ذیل ہیں:

اس سبق کے ذریعے آپ کو اردو ادب کے اہم دبستان، دبستانِ دہلی سے متعارف کرانا مقصود ہے۔اس کے علاوہ اس دبستان کے تاریخی پس منظر، ادبی ماحول اور اس کے بنیادی فکری وفنی رجحانات کو سمجھانا بھی اس کا مقصد ہے۔اس سبق کے مطالعے سے آپ کو دبستانِ دہلی کی اہم خصوصیات اور اس کی ادبی خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل ہوتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ آپ کو اس دبستان کے اہم نمائندہ شعرا جیسے میر تقی میر، خواجہ میر درد، میر سوز اور مرزا غالب وغیرہ کی شاعری اور ان کے ادبی مقام سے روشناس کرانا بھی اس سبق کا اہم مقصد ہے۔مزید یہ کہ آپ کو اردو شاعری کے ارتقا اور مختلف ادبی رجحانات کو سمجھنے میں مدد دینا بھی اس سبق کے مقاصد میں شامل ہے۔یہ سبق آپ میں ادب فہمی، تنقیدی شعور اور ادبی ذوق پیدا کرنے میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔اس کے ذریعے آپ کو اردو شاعری کی خوبصورتی، اس کی فکری گہرائی اور تہذیبی اہمیت کو بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں۔

8.1 : تعارف

اردو ادب کی تاریخ میں مختلف ادبی دبستانوں نے زبان وادب کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ان دبستانوں میں دبستانِ دہلی کو بنیادی اور قدیم حیثیت حاصل ہے۔دہلی صدیوں تک ہندوستان کا سیاسی، ثقافتی اور علمی مرکز رہا، اسی وجہ سے یہاں ادب کی ایک مضبوط روایت پروان چڑھی۔جب اردو زبان ایک ادبی زبان کے طور پر ابھر رہی تھی تو دہلی کے شعرا نے اس کی تشکیل اور ارتقا میں نمایاں کردار ادا کیا۔اس دبستان کے شعرا نے اپنی شاعری میں سادگی، فکری گہرائی اور جذباتی صداقت کو اہمیت دی۔دبستانِ دہلی کی شاعری میں انسانی جذبات، عشق و محبت، درد وغم، تصوف اور زندگی کی حقیقتوں کا بیان نہایت سادہ اور مؤثر انداز میں ملتا ہے۔اس دبستان کے شعرا نے لفظی تصنع اور غیر ضروری آرائش سے گریز کرتے ہوئے فطری اور سادہ زبان اختیار کی۔اسی وجہ سے ان کی شاعری براہِ راست دل پر اثر کرتی ہے۔اس دبستان کے نمایاں شعرا میں میر تقی میر، خواجہ میر درد، میر سوز، شاہ حاتم، مرزا مظہر جانِ جاناں، انشا اللہ خاں انشا اور مرزا غالب شامل ہیں۔ان شعرا نے نہ صرف اردو غزل کو فروغ دیا بلکہ اسے فکری اور فنی اعتبار سے بھی مضبوط بنیاد فراہم کی۔دبستانِ دہلی کی روایت نے بعد کے شعرا کو بھی متاثر کیا اور اردو ادب کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

8.2: دبستانِ دہلی کی خصوصیات

اردو ادب کی تاریخ میں مختلف ادبی دبستانوں نے زبان و ادب کی ترقی اور اس کے فکری و فنی ارتقا میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ انہی دبستانوں میں ایک اہم اور بنیادی دبستان دبستانِ دہلی ہے۔ دبستانِ دہلی کو اردو شاعری کے ابتدائی اور بنیادی مراکز میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس دبستان نے اردو زبان کو ادبی وقار بخشا اور اس کے اسلوب، فکر اور زبان کو ایک خاص تہذیبی رنگ عطا کیا۔ دہلی صدیوں تک ہندوستان کی سیاسی، تہذیبی اور علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا، اسی وجہ سے یہاں کی ادبی روایت بھی نہایت مضبوط اور گہری تھی۔ چنانچہ اردو شاعری کی تشکیل اور ارتقا میں دہلی کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ دبستانِ دہلی نہ صرف زبان کی سادگی، فکری گہرائی اور جذبات کی صداقت کی وجہ سے ممتاز ہے بلکہ اس نے اردو شاعری کو ایک سنجیدہ اور باوقار انداز بھی عطا کیا۔ دبستانِ دہلی سے مراد اردو شاعری کی وہ روایت ہے جو دہلی اور اس کے نواحی علاقوں میں پروان چڑھی اور جس نے اردو شاعری کو ایک مخصوص فکری اور فنی سمت عطا کی۔ اس دبستان کے شعرا نے زبان کی سادگی، خیالات کی گہرائی اور جذبات کی سچائی کو اہمیت دی۔ دہلی میں فارسی زبان اور تہذیب کا گہرا اثر تھا، اسی لیے یہاں کی شاعری میں فارسی ادب کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ تاہم دبستانِ دہلی کے شعرا نے فارسی اثرات کو اپناتے ہوئے بھی اردو زبان کی فطری سادگی اور روانی کو برقرار رکھا۔ ان شعرا نے محض لفظی آرائش یا صنعت گری پر زور دینے کے بجائے انسانی جذبات، زندگی کے تجربات اور معاشرتی حقائق کو شاعری کا موضوع بنایا۔

دبستانِ دہلی کا آغاز اٹھارہویں صدی کے اوائل میں ہوتا ہے، جب دہلی میں اردو زبان ایک ادبی زبان کی حیثیت سے ابھر رہی تھی۔ اس دور میں مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو چکا تھا اور سیاسی و سماجی حالات میں بڑی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ ان حالات نے شعرا کے ذہن و فکر پر گہرا اثر ڈالا اور ان کی شاعری میں زندگی کی ناپائیداری، انسانی دکھ درد اور معاشرتی انتشار کی جھلک نظر آنے لگی۔ دبستانِ دہلی کے شعرا نے اپنی شاعری میں ان حالات کو نہایت حساس انداز میں بیان کیا، جس سے ان کی شاعری میں ایک خاص سنجیدگی اور دردمندی پیدا ہوگئی۔ دبستانِ دہلی کے اہم شعراء میں شاہ خاتم، آبرو، یک رنگ، مظہر جان جاناں، میر تقی میر، خواجہ میر درد، میر سوز، ابرہیم ذوق اور مرزا غالب شامل ہیں۔ ان شعراء نے اردو شاعری کو فکری گہرائی، سادہ زبان اور جذباتی صداقت سے مالا مال کیا۔ خصوصاً میر تقی میر کو دبستانِ دہلی کا سب سے بڑا نمائندہ شاعر سمجھا جاتا ہے۔ میر کی شاعری میں انسانی جذبات کی سچائی، دردمندی اور سادگی کا ایسا حسین امتزاج ملتا ہے جو دبستانِ دہلی کی بنیادی خصوصیات کو نمایاں کرتا ہے۔ ان کے ہاں عشق، غمِ حیات، تنہائی اور انسانی کمزوریوں کا بیان نہایت مؤثر اور دل نشین انداز میں ملتا ہے۔ دبستانِ

دہلی کی سب سے اہم خصوصیت زبان کی سادگی اور فطری پن ہے۔اس دبستان کے شعرانے تصنع اور بناوٹ سے گریز کرتے ہوئے ایسی زبان اختیار کی جو عام فہم اور دلنشین ہو۔ان کی شاعری میں الفاظ کا انتخاب نہایت سادہ مگر معنی خیز ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ دبستانِ دہلی کی شاعری پڑھنے والے کے دل پر براہ راست اثر کرتی ہے۔اس کے برعکس بعد کے بعض دبستانوں میں لفظی آرائش اور پیچیدہ تراکیب کا رجحان زیادہ نظر آتا ہے، لیکن دہلی کے شعرانے ہمیشہ سادگی اور خلوص کو ترجیح دی۔

دبستانِ دہلی کی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی جذباتی صداقت ہے۔اس دبستان کے شعرانے اپنے دل کے احساسات اور تجربات کو پوری سچائی کے ساتھ بیان کیا۔ان کی شاعری میں بناوٹ یا مصنوعی پن کم اور حقیقی جذبات زیادہ نظر آتے ہیں۔عشق، جدائی،غم اور انسانی کمزوریوں کوانہوں نے نہایت خلوص اور سادگی کے ساتھ پیش کیا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری قاری کے دل کو گہرائی سے متاثر کرتی ہے۔ دبستانِ دہلی میں تصوف کا عنصر بھی نمایاں طور پر موجود ہے۔دہلی صوفیائے کرام کا مرکز رہا ہے اور یہاں کی روحانی فضانے شعرا کی فکر کو بھی متاثر کیا۔خواجہ میر درد کی شاعری اس کی بہترین مثال ہے۔ان کے کلام میں تصوف، روحانیت اور باطنی تجربات کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔انہوں نے عشقِ حقیقی اور روحانی تجربات کو شاعری کا موضوع بنایا اور انسانی روح کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا۔اس طرح دبستانِ دہلی کی شاعری میں صرف دنیاوی جذبات ہی نہیں بلکہ روحانی احساسات بھی شامل ہوگئے۔اس دبستان کی شاعری میں انسانی زندگی کی ناپائیداری اور زمانے کی بے ثباتی کا احساس بھی نمایاں ہے۔اٹھارہویں صدی میں دہلی مسلسل سیاسی انتشار اور حملوں کا شکار رہی۔نادرشاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے دہلی کی تہذیبی اور سماجی زندگی کو شدید متاثر کیا۔ان حالات کا اثر شعرا کی شاعری پر بھی پڑا اور ان کے کلام میں غم، مایوسی اور زندگی کی بے ثباتی کا احساس نمایاں ہونے لگا۔میر تقی میر کی شاعری میں دہلی کی بربادی اور انسانی دکھ درد کا بیان نہایت مؤثر انداز میں ملتا ہے۔

دبستانِ دہلی کی شاعری میں فکری سنجیدگی بھی ایک اہم خصوصیت ہے۔اس دبستان کے شعرانے محض عشقیہ مضامین تک خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ انسانی زندگی، اخلاقی اقدار اور معاشرتی مسائل پر بھی غور کیا۔ان کی شاعری میں زندگی کے مختلف پہلوؤں پر گہری سوچ اور فکر کا اظہار ملتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ دبستانِ دہلی کی شاعری محض جذباتی اظہار نہیں بلکہ ایک فکری اور تہذیبی دستاویز بھی ہے۔دبستانِ دہلی کی ایک اور خصوصیت اس کی تہذیبی شائستگی ہے۔دہلی ہمیشہ سے تہذیب وثقافت کا مرکز رہا ہے، اس لیے یہاں کی شاعری میں بھی تہذیبی نفاست اور شائستگی نمایاں نظر آتی ہے۔اس دبستان کے شعرانے اخلاقی اقدار، معاشرتی آداب اور انسانی احترام کو اپنی شاعری میں نمایاں کیا۔ان کے کلام میں شائستگی اور وقار کا ایک خاص انداز ملتا ہے جو دہلی کی تہذیبی روایت کی عکاسی کرتا ہے۔دبستانِ دہلی کا اثر بعد کے ادبی ادوار پر بھی گہرا رہا۔بعد میں اگرچہ لکھنؤ

میں دبستانِ لکھنؤ نے ایک الگ انداز اختیار کیا، لیکن دہلی کی ادبی روایت ہمیشہ اردو شاعری کی بنیاد بنی رہی۔ حتیٰ کہ بعد کے شعرانے بھی کسی نہ کسی حد تک دبستانِ دہلی کی سادگی، فکری گہرائی اور جذباتی صداقت سے اثر قبول کیا۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ دبستانِ دہلی اردو شاعری کی بنیاد اور اس کی ابتدائی ادبی روایت کا اہم ستون ہے۔ اس دبستان نے اردو شاعری کو سادگی، سنجیدگی، فکری گہرائی اور جذباتی صداقت عطا کی۔ اس کے شعرانے نہ صرف زبان کی خوبصورتی کو نکھارا بلکہ انسانی زندگی کے مختلف تجربات کو بھی شاعری میں جگہ دی۔ ان کی شاعری میں عشق، درد، روحانیت اور زندگی کی حقیقتوں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ اسی وجہ سے دبستانِ دہلی اردو ادب کی تاریخ میں ایک ممتاز اور بنیادی مقام رکھتا ہے اور اس کی ادبی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

8.2.1 : دبستانِ دہلی کے نمائندہ شعراء

دبستانِ دہلی اردو شاعری کا ایک اہم اور قدیم دبستان ہے جس نے اردو ادب کو فکری گہرائی، سادگی اور جذباتی صداقت عطا کی۔ اس دبستان کے شعرانے زبان و بیان کی پاکیزگی، انسانی جذبات کی سچائی اور فکری سنجیدگی کو اپنی شاعری کا بنیادی وصف بنایا۔ دہلی کی تہذیبی فضا، صوفیانہ ماحول اور سیاسی حالات نے ان شعرا کی فکر وفن کو متاثر کیا، جس کے نتیجے میں ان کی شاعری میں درد، محبت، تصوف اور زندگی کی حقیقتوں کا گہرا احساس ملتا ہے۔ دبستانِ دہلی کے کئی اہم شعرا ہیں جنہوں نے اردو شاعری کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا، جن میں چند نمایاں نام درج ذیل ہیں۔ شاہ حاتم بھی دبستانِ دہلی کے اہم شعرا میں شامل ہیں۔ ان کا پورا نام شیخ ظہورالدین حاتم تھا۔ انہوں نے اردو شاعری میں سادگی اور فصاحت کو فروغ دیا اور غیر ضروری تصنع سے گریز کیا۔ شاہ حاتم نے زبان کو عام فہم بنانے کی کوشش کی اور اپنے کلام میں سادہ اور رواں انداز اختیار کیا۔ ان کی شاعری میں اخلاقی مضامین اور زندگی کے تجربات کا بیان بھی ملتا ہے۔ مرزا مظہر جانِ جاناں بھی اس دبستان کے اہم شاعر تھے۔ وہ ایک صوفی بزرگ اور عالمِ دین بھی تھے۔ ان کی شاعری میں تصوف، عشقِ حقیقی اور روحانیت کا رنگ نمایاں ہے۔ انہوں نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کی۔ ان کے کلام میں روحانی تجربات اور صوفیانہ خیالات کا اظہار بڑی خوبصورتی سے ملتا ہے۔ ان کی شاعری میں زبان کی سادگی اور معنوی گہرائی نمایاں ہے۔

میر تقی میر کو دبستانِ دہلی کا سب سے بڑا اور نمایاں شاعر سمجھا جاتا ہے۔ میر کو اردو غزل کا خدائے سخن بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں انسانی جذبات کی سچائی، دردمندی اور سادگی نمایاں نظر آتی ہے۔ میر نے عشق، غمِ حیات، تنہائی اور انسانی دکھ درد کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا۔

ان کے ہاں زبان نہایت سادہ مگر اثر انگیز ہے اور یہی خصوصیت دبستانِ دہلی کی بنیادی پہچان ہے۔ میر کی شاعری میں دہلی کی بربادی اور زمانے کی بے ثباتی کا احساس بھی گہرائی سے موجود ہے۔ ان کے اشعار دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے محسوس ہوتے ہیں اور یہی ان کی شاعری کی اصل قوت ہے۔ دبستانِ دہلی کے ایک اور اہم شاعر خواجہ میر درد ہیں۔ میر درد نہ صرف ایک بڑے شاعر تھے بلکہ ایک صوفی بزرگ بھی تھے۔ ان کی شاعری میں تصوف اور روحانیت کا گہرا رنگ پایا جاتا ہے۔ انہوں نے عشقِ حقیقی، روحانی تجربات اور باطنی کیفیات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ان کے کلام میں سادگی، سنجیدگی اور فکری گہرائی نمایاں ہے۔ میر درد کی شاعری میں دنیا کی بے ثباتی اور انسان کی روحانی جستجو کا بیان بڑی خوبصورتی سے ملتا ہے۔ میر سوز بھی دبستانِ دہلی کے نمایاں شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا اصل نام سید محمد علی تھا۔ میر سوز کی شاعری میں بھی سادگی اور جذباتی صداقت نمایاں ہے۔ انہوں نے غزل کو اپنی شاعری کا بنیادی ذریعہ بنایا اور اس میں عشق و محبت کے جذبات کو نہایت دلنشین انداز میں بیان کیا۔ ان کے کلام میں دہلی کی تہذیبی فضا اور انسانی احساسات کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔

اسی طرح شیخ ابراہیم ذوق کو بھی کسی حد تک دبستانِ دہلی کی روایت کا نمائندہ شاعر کہا جا سکتا ہے۔ ذوق، بہادر شاہ ظفر کیدرباری شاعر تھے اور ان کی شاعری میں زبان کی صفائی، محاورے کی درستگی اور فنی مہارت نمایاں ہے۔ انہوں نے اردو شاعری میں سادگی اور شائستگی کو برقرار رکھا اور اپنے کلام میں اخلاقی اور فکری مضامین کو بھی جگہ دی۔ دبستانِ دہلی کے نمایاں شعرا میں مرزا اسداللہ خاں غالب کا نام نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ مرزا غالب اردو اور فارسی کے عظیم شاعر تھے جنہوں نے اردو شاعری کو فکری وسعت، فلسفیانہ گہرائی اور انفرادیت عطا کی۔ اگرچہ غالب کی شاعری میں روایت سے ہٹ کر جدت اور فکری پیچیدگی بھی ملتی ہے، لیکن وہ دہلی کی ادبی روایت سے گہرا تعلق رکھتے ہیں، اس لیے انہیں دبستانِ دہلی کے اہم نمائندہ شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان شعرا کے علاوہ بھی کئی ایسے شعرا ہیں جنہوں نے دبستانِ دہلی کی ادبی روایت کو آگے بڑھایا اور اردو شاعری کو فکری و فنی اعتبار سے مالا مال کیا۔ ان شعرا کی مشترکہ خصوصیت زبان کی سادگی، خیالات کی گہرائی، جذبات کی سچائی اور تہذیبی شائستگی ہے۔

مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ دبستانِ دہلی کے نمائندہ شعرا نے اردو شاعری کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کی۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے انسانی جذبات، روحانی تجربات اور زندگی کی حقیقتوں کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا۔ ان کی ادبی خدمات کی بدولت اردو شاعری کو ایک سنجیدہ، باوقار اور اثر انگیز روایت نصیب ہوئی جو آج بھی اردو ادب میں اہم مقام رکھتی ہے۔

8.2.2 : سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

خالی جگہوں کو پر کیجیے

1۔ دبستانِ دہلی اردو شاعری کا ایک اہم ___________ ہے۔

2۔ دبستانِ دہلی کا سب سے نمایاں شاعر ___________ کو کہا جاتا ہے۔

3۔ خواجہ میر درد کی شاعری میں ___________ کا رنگ نمایاں ہے۔

4۔ مرزا غالب اردو اور ___________ زبان کے عظیم شاعر تھے۔

5۔ دبستانِ دہلی کی شاعری کی اہم خصوصیت زبان کی ___________ اور سادگی ہے۔

6۔ میر تقی میر کو اردو غزل کا ___________ کہا جاتا ہے۔

8.3 : عمومی جائزہ

دبستانِ دہلی اردو شاعری کا ایک اہم اور بنیادی دبستان ہے جس نے اردو ادب کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس دبستان کا تعلق دہلی کے ادبی اور تہذیبی ماحول سے ہے جہاں اردو زبان نے ایک ادبی زبان کی حیثیت حاصل کی۔ اس دبستان کے شعرا نے اپنی شاعری میں سادگی، خلوص اور جذباتی صداقت کو اہمیت دی۔ دبستانِ دہلی کی شاعری میں عشق و محبت، انسانی جذبات، زندگی کی بے ثباتی اور روحانیت جیسے موضوعات نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس دبستان کے شعرا نے انسانی زندگی کے مختلف تجربات اور احساسات کو نہایت سادہ اور دلنشین انداز میں بیان کیا۔ ان کے کلام میں تصوف کا رنگ بھی نمایاں ہے، جس کی بہترین مثال خواجہ میر درد اور مرزا مظہر جانِ جاناں کی شاعری میں ملتی ہے۔ اس دبستان کے سب سے بڑے شاعر میر تقی میر کو اردو غزل کا خدائے سخن کہا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں درد، سادگی اور خلوص کی گہری جھلک ملتی ہے۔ اسی طرح مرزا غالب نے اردو غزل کو فلسفیانہ وسعت اور فکری گہرائی عطا کی۔ دبستانِ دہلی کی شاعری میں زبان کی سادگی، محاورے کی صحت، تہذیبی شائستگی اور فکری سنجیدگی نمایاں خصوصیات کے طور پر موجود ہیں۔ یہی خصوصیات اس دبستان کو اردو ادب میں ایک ممتاز مقام عطا کرتی ہیں۔

8.4 : آپ نے کیا سیکھا؟

اس سبق کے مطالعے سے آپ کو اردو ادب کے اہم ادبی دبستان دبستانِ دہلی کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں۔آپ کو یہ معلوم ہوا کہ دہلی اردو شاعری کا ایک اہم مرکز رہا ہے جہاں اردو زبان کو ادبی فروغ حاصل ہوا۔اس دبستان کے شعرا نے اپنی شاعری میں سادگی، فکری گہرائی اور جذباتی صداقت کو بنیادی اہمیت دی۔آپ کو اس سبق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دبستانِ دہلی کی شاعری میں انسانی جذبات، عشق و محبت، درد و غم اور زندگی کی حقیقتوں کا نہایت مؤثر انداز میں بیان ملتا ہے۔اس کے علاوہ اس دبستان کی شاعری میں تصوف اور روحانیت کا رنگ بھی نمایاں طور پر موجود ہے۔آپ نے اس سبق کے ذریعے دبستانِ دہلی کے اہم نمائندہ شعرا جیسے میر تقی میر، خواجہ میر درد، میر سوز، شاہ حاتم اور مرزا غالب کے بارے میں بھی معلومات حاصل کیں۔ان شعرا نے اپنی شاعری کے ذریعے اردو ادب کو فکری اور فنی اعتبار سے مالا مال کیا۔اس سبق کے مطالعے سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ دبستانِ دہلی نے اردو شاعری کی بنیاد مضبوط کی اور بعد کے شعرا کو بھی متاثر کیا۔اس طرح یہ دبستان اردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم اور بنیادی مقام رکھتا ہے

8.5:فرہنگ

دبستان	—	مکتبِ فکر، ادبی مکتب
ارتقا	—	ترقی، بتدریج بڑھنا
تہذیب	—	شائستگی، ثقافت
تصنع	—	بناوٹ، مصنوعی انداز
صداقت	—	سچائی، خلوص
فصاحت	—	زبان کی صفائی اور روانی
بلاغت	—	مؤثر اور بلیغ اندازِ بیان
روحانیت	—	باطنی یا روح سے متعلق کیفیت
بے ثباتی	—	ناپائیداری، عدم استحکام

انفرادیت	—	الگ اور منفرد خصوصیت
رجحان	—	میلان، جھکاؤ
فلسفیانہ	—	حکمت و فلسفے سے متعلق
معنویت	—	معنی کی گہرائی
ادبی روایت	—	ادب کی مسلسل روایت یا سلسلہ
کیفیات	—	جذباتی حالتیں
تجربات	—	مشاہدات اور آزمائشیں
حقیقت	—	اصل حالت، سچائی
وسعت	—	پھیلاؤ، کشادگی
اثر انگیز	—	گہرا اثر ڈالنے والا
وقار	—	عزت، عظمت اور سنجیدگی

8.6: خود جانچ سوالات

1 دبستانِ دہلی کا تعارف پیش کرتے ہوئے اس کی اہم خصوصیات بیان کیجیے۔

2 دبستانِ دہلی کے تاریخی اور ادبی پس منظر پر روشنی ڈالیے۔

3 دبستانِ دہلی کے نمایاں شعرا کا تعارف پیش کیجیے۔

4 مرزا غالب کی شاعری کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے اردو ادب میں ان کے مقام پر روشنی ڈالیے۔

5 میر تقی میر اور خواجہ میر درد کی شاعری کا دبستانِ دہلی کے حوالے سے جائزہ لیجیے۔

8.7: مشقی سوالات

دبستانِ دہلی سے کیا مراد ہے؟

دبستانِ دہلی کی شاعری میں کون سی نمایاں خصوصیت پائی جاتی ہے؟

دبستانِ دہلی کے شعرا زبان کے کس انداز کو ترجیح دیتے تھے؟

دبستانِ دہلی میں کن موضوعات کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے؟

دبستانِ دہلی کی شاعری میں سادگی اور سلاست کا کیا مقام ہے؟

دبستانِ دہلی کے اہم شعرا کے نام لکھیں۔

دبستانِ دہلی کی شاعری میں جذبات کی نوعیت کیسی ہوتی ہے؟

دبستانِ دہلی میں حقیقت نگاری کی کیا حیثیت ہے؟

دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ میں ایک بنیادی فرق بیان کریں۔

دبستانِ دہلی کی شاعری میں تہذیبی رنگ کس طرح نمایاں ہوتا ہے؟

8.8: جواباتِ سرگرمی

1 دبستان/ادبی مکتب

2 میر تقی میر

3 تصوف

4 فارسی

5 فصاحت

6 خدائے

8.9: امدادی کتب

۱۔ دلی کا دبستان شاعری	—	نورالحسن ہاشمی
۲۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو	—	مسعود حسین خان
۳۔ دکنی ادب کی تاریخ	—	عبدالقادر سروری
۴۔ حیدرآباد دکن میں اردو شاعری (1960 تک)	—	ناہیدہ سلطانہ
۵۔ دکنی اردو: تاریخ اور ساخت	—	رتھ لیلا شمٹ
۶۔ تاریخ ادب اردو	—	جمیل جالبی

سبق : 09 دبستانِ لکھنؤ کی خصوصیات

ساخت

9.0 اغراض ومقاصد

9.1 تعارف

9.2 دبستانِ لکھنؤ خصوصیات

9.2.1 دبستانِ لکھنؤ کے نمائندہ شعراء

9.2.2 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

9.3 عمومی جائزہ

9.4 آپ نے کیا سیکھا؟

9.5 فرہنگ

8.6 خود جانچ سوالات

9.7 مشقی سوالات

9.8 جواباتِ سرگرمی

9.8.1 مشقی سوالات کے جوابات

9.9 امدادی کتب

9.0 : اغراض ومقاصد

اس سبق کے اغراض ومقاصد میں سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ آپ دبستانِ لکھنؤ کی تاریخی حیثیت اورادبی اہمیت کو سمجھ سکیں۔اس کے ساتھ ساتھ آپ کو اردو شاعری کے مختلف دبستانوں کے فرق کو جاننے کا شعور حاصل ہو، خاص طور پر دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ کے مابین امتیازات کو پہچان سکیں۔اس سبق کے ذریعے آپ میں زبان کی نزاکت، بیان کی خوبصورتی اور شعری صنعتوں کے استعمال کا ادراک پیدا کرنا بھی مقصود ہے۔مزید یہ کہ آپ کو نمایاں شعرا کے کلام اوران کے فنی محاسن سے روشناس کرانا اور آپ کے اندر تنقیدی صلاحیت پیدا کرنا بھی اس سبق کا بنیادی ہدف ہے تاکہ آپ ادب کو محض پڑھنے تک محدود نہ رکھیں بلکہ اسے سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت بھی پیدا کریں۔دبستانِ لکھنؤ اردو ادب کی تاریخ کا ایک نہایت اہم باب ہے جس کی جڑیں لکھنؤ کی اس تہذیبی فضا میں پیوست ہیں جہاں شائستگی، نفاست اورحسنِ اظہار کو غیرمعمولی اہمیت حاصل تھی۔اس دبستان کو نصاب میں شامل کرنے اور طلبہ کو پڑھانے کا بنیادی مقصد محض ادبی معلومات فراہم کرنا نہیں بلکہ ان میں جمالیاتی شعور، لسانی لطافت اور تہذیبی آگہی پیدا کرنا بھی ہے۔دبستانِ لکھنؤ کو پڑھانے کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ آپ اردوزبان کی نزاکت، مٹھاس اور شستگی سے واقف ہوسکیں۔اس دبستان کی شاعری میں الفاظ کا چناؤ، محاورات کا استعمال اور بیان کی لطافت اس قدر دلکش ہوتی ہے کہ آپ نہ صرف زبان کی خوبصورتی کو محسوس کرتے ہیں بلکہ اپنی تحریر وتقریر میں بھی اس معیار کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔اس طرح آپ کی لسانی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔

اس دبستان کی تدریس کا ایک اور مقصد آپ میں جمالیاتی ذوق کی تربیت ہے۔ یہاں حسن وعشق کے مختلف پہلوؤں کو جس باریکی اور دلکشی سے پیش کیا گیا ہے، وہ آپ کے اندر خوبصورتی کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت کو جلا بخشتا ہے۔آپ یہ سیکھتے ہیں کہ کس طرح ایک عام خیال کو بھی دلکش اور مؤثر انداز میں بیان کیا جا سکتا ہے۔دبستانِ لکھنؤ کو پڑھانے سے آپ کو اس دور کی معاشرت، تہذیب اور ثقافت کا شعور بھی حاصل ہوتا ہے۔لکھنؤ کی سماجی زندگی، آداب، رکھ رکھاؤ اور انسانی رویے اس شاعری میں نمایاں طور پر جھلکتے ہیں، جس سے آپ کو نہ صرف ادبی بلکہ سماجی اور ثقافتی آگہی بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہ شعور آپ کو اپنے ماضی سے جوڑتا ہے اور تہذیبی تسلسل کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔اس دبستان کی تدریس کا ایک اہم پہلو تنقیدی شعور کی بیداری بھی ہے۔ جب آپ اس دبستان کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کے بعض نقائص، جیسے تصنع اور بناوٹ، کا بھی جائزہ لیتے ہیں تو آپ میں تنقیدی سوچ پیدا ہوتی ہے۔آپ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ادب میں توازن، فطری پن اور سادگی کی کیا اہمیت

ہے اور محض آرائش ہمیشہ مؤثر نہیں ہوتی۔ مزید برآں، دبستانِ لکھنؤ کو پڑھانے کا مقصد آپ کو اردو شاعری کی مختلف اصناف خصوصاً مرثیہ نگاری سے روشناس کرانا بھی ہے۔ میر انیس اور مرزا دبیر جیسے شعرا کے کلام کے ذریعے آپ نہ صرف ایک عظیم ادبی روایت کو سمجھتے ہیں بلکہ انسانی جذبات، قربانی اور حوصلے جیسے موضوعات سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ دبستانِ لکھنؤ کی تدریس کا مقصد زبان و بیان کی بہتری، جمالیاتی شعور کی تربیت، تہذیبی آگہی، اور تنقیدی فکر کی نشوونما ہے۔ یہ دبستان آپ کو محض شاعری کا ذوق نہیں دیتا بلکہ آپ ایک مہذب، حساس اور باشعور فرد بنانے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

9.1: تعارف

دبستانِ لکھنؤ اردو ادب کی ایک اہم اور دلکش روایت ہے جس نے زبان و بیان، تہذیب و ثقافت اور شعری اسلوب کو ایک منفرد رنگ عطا کیا۔ اس سبق میں دبستانِ لکھنؤ کے پس منظر، اس کی تشکیل، نمایاں خصوصیات اور اس کے نمائندہ شعرا جیسے امام بخش ناسخ، خواجہ حیدر علی آتش، میر ببر علی انیس اور میرزا سلامت علی دبیر کے ادبی کارناموں کا مطالعہ شامل ہے۔ یہ سبق ہمیں نہ صرف ایک ادبی دبستان کی فنی خصوصیات سے آگاہ کرتا ہے بلکہ اس دور کی تہذیبی زندگی، معاشرتی اقدار اور جمالیاتی رجحانات کو بھی سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ دبستانِ لکھنؤ اردو شاعری کا ایک اہم ادبی مکتبِ فکر ہے جو لکھنؤ میں پروان چڑھا۔ یہ دبستان خصوصاً اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں اس وقت عروج پر پہنچا جب لکھنؤ نوابینِ اودھ کی سرپرستی میں تہذیب، شائستگی اور نزاکت کا مرکز بن چکا تھا۔ اس ماحول نے شاعری کو ایک خاص طرح کی نفاست، رکھ رکھاؤ اور جمالیاتی رنگ عطا کیا۔ دبستانِ لکھنؤ کی شاعری کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی زبان و بیان کی لطافت اور نزاکت ہے۔ یہاں الفاظ کا انتخاب نہایت سلیقے اور نفاست سے کیا جاتا ہے، جس سے کلام میں ایک دلکش نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ تاہم اس دبستان میں اکثر تصنع اور بناوٹ کا عنصر بھی نمایاں نظر آتا ہے، یعنی شاعر فطری سادگی کے بجائے اظہار میں آرائش اور زیبائش کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس دبستان میں عشق و محبت کو خاص اہمیت حاصل ہے، لیکن یہ عشق زیادہ تر مجازی اور ظاہری نوعیت کا ہوتا ہے۔ محبوب کے حسن و جمال، اس کے ناز و ادا اور دلکشی کو نہایت باریک بینی سے بیان کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے یہاں سراپا نگاری کو خاص مقام حاصل ہے، جس میں محبوب کے جسمانی خدوخال کو تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

دبستانِ لکھنؤ کی شاعری میں مقامی تہذیب اور معاشرتی آداب کا گہرا عکس بھی ملتا ہے۔ لکھنؤ کی شائستگی، رکھ رکھاؤ اور نفیس طرزِ زندگی شاعری میں جھلکتا ہے۔ ساتھ ہی شعرا محاورات اور روزمرہ زبان کا خوبصورت استعمال کرتے ہیں، جس سے کلام میں روانی اور دلکشی پیدا ہوتی

ہے۔اس دبستان کی ایک اہم خصوصیت مرثیہ نگاری بھی ہے، جسے یہاں غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی۔خصوصاً میر انیس اور مرزا دبیر نے مرثیے کو فنی بلندیوں تک پہنچایا اور اسے اردو ادب کی ایک اہم صنف بنا دیا۔مجموعی طور پر دبستانِ لکھنؤ اردو شاعری میں حسن، عشق، نزاکت اور تہذیبی لطافت کا نمائندہ ہے۔اگرچہ اس میں تصنع اور بناوٹ کا عنصر بھی پایا جاتا ہے، لیکن اس کی فنی خوبصورتی، زبان کی مٹھاس اور اظہار کی دلکشی اسے اردو ادب میں ایک منفرد اور اہم مقام عطا کرتی ہے۔

9.2: دبستانِ لکھنؤ خصوصیات

دبستانِ لکھنؤ اردو ادب کی تاریخ کا ایک نہایت اہم اور دلکش باب ہے، جس نے نہ صرف اردو شاعری کو ایک مخصوص رنگ و آہنگ عطا کیا بلکہ تہذیبی اور ثقافتی سطح پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔یہ دبستان اٹھارویں اور انیسویں صدی کے دوران لکھنؤ میں پروان چڑھا، جب دہلی کی سیاسی و تہذیبی زوال پذیری کے نتیجے میں اہلِ علم و فن نے لکھنؤ کا رخ کیا۔لکھنؤ اس زمانے میں اودھ کے نوابوں کے زیرِ سایہ ایک پُر امن، خوشحال اور عیش و عشرت سے بھرپور شہر تھا، جہاں ادب، موسیقی، رقص اور دیگر فنون کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔اس سازگار ماحول نے ایک ایسے ادبی دبستان کو جنم دیا جس کی بنیاد لطافت، نزاکت، رنگینی، عشقیہ جذبات اور جمالیاتی اظہار پر رکھی گئی۔دبستانِ لکھنؤ کی تشکیل دراصل اس تاریخی عمل کا نتیجہ ہے جس میں دہلی کے ادبی سرمائے کو نئی زمین اور نئے سماجی پس منظر میں فروغ ملا۔دہلی کے زوال کے بعد وہاں کے بڑے شعرا اور ادبا لکھنؤ منتقل ہوئے اور یہاں کی درباری فضا، معاشرتی رنگینی اور نوابی تہذیب سے متاثر ہو کر اپنی شاعری میں نئے رجحانات پیدا کیے۔یوں دبستانِ دہلی کی سنجیدگی، سادگی اور فکری گہرائی کے مقابلے میں دبستانِ لکھنؤ نے ایک مختلف، زیادہ دلکش اور رنگین اسلوب اختیار کیا۔

دبستانِ لکھنؤ کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی زبان و بیان میں نفاست اور آرائش ہے۔اس دبستان کے شعرا نے الفاظ کے انتخاب، محاورات کے استعمال اور تشبیہات و استعارات کی تراش خراش میں غیر معمولی مہارت دکھائی۔زبان میں شستگی کے ساتھ ساتھ ایک طرح کی نزاکت اور لطافت پیدا کی گئی، جو لکھنؤ کی تہذیبی فضا کی عکاس تھی۔یہاں کی شاعری میں عام طور پر مشکل الفاظ، نازک خیالات اور باریک نکتہ آفرینی ملتی ہے، جس سے اس کا اسلوب دلکش مگر کبھی کبھی تصنع سے بھرپور محسوس ہوتا ہے۔اس دبستان کی دوسری اہم خصوصیت عشقیہ مضامین کی فراوانی ہے۔دبستانِ لکھنؤ کے شعرا نے عشق کو اپنی شاعری کا مرکزی موضوع بنایا، مگر یہ عشق زیادہ تر سطحی، جذباتی اور حسن و جمال کی تعریف تک محدود رہا۔محبوب کی زلفیں، آنکھیں، رخسار، اندازِ گفتگو اور ادا و؟ ں کی باریک تصویر کشی اس شاعری کا خاصہ ہے۔یہاں عشق ایک کھیل، ایک تفریح

اور ایک جمالیاتی تجربہ بن جاتا ہے، جس میں درد و کرب کی گہرائی نسبتاً کم نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس دبستانِ دہلی میں عشق زیادہ سنجیدہ، المیہ اور فکری نوعیت کا حامل تھا۔ دبستانِ لکھنؤ کی شاعری میں حسن پرستی اور جمالیاتی ذوق کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ شعراء نے حسن کے مختلف پہلوؤں کو نہایت باریکی اور دلکشی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چہرے کی خوبصورتی، لباس کی نزاکت، زیورات کی چمک دمک اور نشست و برخاست کے آداب تک کو شاعری کا حصہ بنایا گیا۔ اس طرح یہ شاعری محض جذباتی اظہار نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیبی منظرنامہ پیش کرتی ہے۔ اس میں لکھنؤ کی درباری زندگی، محفلوں کی رونق، جشن و سرور اور عیش و عشرت کی جھلک نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ دبستانِ لکھنؤ کی ایک اور اہم خصوصیت صنعتوں اور بدائع کا کثرت سے استعمال ہے۔ شعراء نے اپنی شاعری کو خوبصورت بنانے کے لیے مختلف شعری صنعتوں جیسے تجنیس، تلمیح، مراعات النظیر، ایہام اور دیگر بدیعی عناصر کا بھرپور استعمال کیا۔ اس سے شاعری میں ایک طرح کی چمک اور دلکشی پیدا ہوئی، مگر بعض اوقات یہ صنعت کاری حد سے بڑھ کر تصنع اور بناوٹ کا تاثر بھی پیدا کرتی ہے۔ اس دبستان کے شعرا کے لیے الفاظ کی آرائش اور خیال کی تزئین ایک اہم مقصد بن گیا تھا۔ لکھنؤ کے دبستان میں مرثیہ نگاری کو بھی غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ یہ وہ صنف ہے جس میں اس دبستان نے اردو ادب کو ایک نئی بلندی عطا کی۔ مرثیہ میں واقعہ ؟ کربلا اور اس سے جڑے کرداروں کی داستان کو نہایت درد انگیز اور مؤثر انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ لکھنؤ کے شعراء نے مرثیہ کو محض مذہبی اظہار تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک مکمل ادبی صنف کی حیثیت دی، جس میں کردار نگاری، منظرکشی، جذبات نگاری اور بیانیہ فن کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ مرثیہ نگاری میں زبان کی شستگی، بیان کی روانی اور جذبات کی شدت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔

دبستانِ لکھنؤ کی شاعری میں نسوانی جذبات اور عورت کی نمائندگی بھی ایک اہم پہلو ہے۔ یہاں عورت کو ایک نازک، حسین اور دلکش وجود کے طور پر پیش کیا گیا، جس کے حسن و جمال اور ادا؟ں کو بڑی باریکی سے بیان کیا گیا ہے۔ تاہم اس تصویر میں عورت کی داخلی شخصیت یا اس کے مسائل پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی، بلکہ اسے زیادہ تر ایک جمالیاتی شے کے طور پر دیکھا گیا۔ یہ رجحان اس دور کی معاشرتی ساخت اور درباری ثقافت کی عکاسی کرتا ہے۔ اس دبستان کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی تہذیبی نمائندگی ہے۔ لکھنؤ کی تہذیب، جسے عموماً ''لکھنوی تہذیب'' کہا جاتا ہے، اپنی شائستگی، آداب، مہمان نوازی اور نفاست کے لیے مشہور ہے۔ دبستانِ لکھنؤ کی شاعری اس تہذیب کا آئینہ دار ہے۔ یہاں گفتگو کے انداز، سلام و دعا کے طریقے، محفلوں کے آداب اور روزمرہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ شاعری نہ صرف ادبی بلکہ سماجی اور ثقافتی دستاویز بھی بن جاتی ہے۔ دبستانِ لکھنؤ کی ایک اور اہم خصوصیت اس کا قصیدہ نگاری میں کمال ہے۔ قصیدہ ایک ایسی صنف ہے جس میں کسی کی تعریف و مدح کی جاتی ہے، اور لکھنؤ کے شعرا نے اس صنف کو خاص طور پر درباری سرپرستی کے تحت فروغ دیا۔

نوابوں اور امرا کی تعریف میں لکھی جانے والی یہ نظمیں زبان و بیان کی چاشنی، مبالغہ آرائی اور صنعتوں کے استعمال سے بھرپور ہوتی تھیں۔ قصیدہ نگاری میں بھی لکھنؤ کے شعرا نے اپنی فنی مہارت کا لوہا منوایا۔

اگرچہ دبستانِ لکھنؤ نے اردو ادب کو بہت کچھ دیا، مگر اس پر تنقید بھی کی گئی۔ بعض ناقدین کے مطابق اس دبستان کی شاعری میں فکری گہرائی کی کمی ہے اور یہ زیادہ تر سطحی جذبات اور ظاہری خوبصورتی تک محدود رہتی ہے۔ اس میں زندگی کے سنجیدہ مسائل، فلسفیانہ خیالات اور معاشرتی حقیقتوں کا فقدان نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ حد سے زیادہ صنعت کاری اور تصنع بھی اس کی کمزوریوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر ادبی دبستان اپنے عہد اور ماحول کا آئینہ ہوتا ہے، اور دبستانِ لکھنؤ بھی اپنے دور کی تہذیبی اور سماجی حقیقتوں کی عکاسی کرتا ہے۔ دبستانِ لکھنؤ کے نمایاں شعراء میں متعدد بڑے نام شامل ہیں جنہوں نے اس دبستان کو فروغ دیا اور اسے ایک منفرد شناخت عطا کی۔ ان شعرا نے اپنی شاعری کے ذریعے نہ صرف اس دبستان کی خصوصیات کو اجاگر کیا بلکہ اردو ادب کو بھی مالا مال کیا۔ ان کے کلام میں لکھنؤ کی تہذیب، زبان کی نزاکت اور جذبات کی رنگینی پوری طرح جھلکتی ہے۔ مجموعی طور پر دبستانِ لکھنؤ اردو ادب کی ایک اہم روایت ہے، جس نے شاعری کو ایک نیا اسلوب، نئی زبان اور نئی جمالیاتی جہت عطا کی۔ اس نے اردو شاعری میں حسن، عشق، نزاکت اور آرائش کے عناصر کو فروغ دیا اور ایک ایسی ادبی دنیا تخلیق کی جو اپنی رنگینی اور دلکشی کے باعث ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ اگرچہ اس میں بعض کمزوریاں بھی موجود ہیں، مگر اس کی ادبی خدمات اور فنی کمالات سے انکار ممکن نہیں۔ یہ دبستان اردو ادب کی تاریخ میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے، جس نے نہ صرف اپنے عہد کو متاثر کیا بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایک اہم ادبی سرمایہ چھوڑا۔ دبستانِ لکھنؤ کی اہمیت اس بات میں بھی مضمر ہے کہ اس نے اردو زبان کو ایک تہذیبی زبان کے طور پر مستحکم کیا۔ اس دبستان کی بدولت اردو نہ صرف شاعری کی زبان بنی بلکہ ایک مکمل ثقافتی اظہار کا ذریعہ بھی بن گئی۔ لکھنؤ کی درباری اور شہری زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اردو شاعری میں اس خوبصورتی سے پیش کیا گیا کہ وہ ہمیشہ کے لیے ادب کا حصہ بن گئے۔ اس طرح دبستانِ لکھنؤ نے اردو زبان و ادب کی ترقی میں ایک ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا۔

آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دبستانِ لکھنؤ اپنی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ اردو ادب کی ایک اہم اور نمایاں روایت ہے۔ اس نے شاعری کو حسن و جمال، نزاکت و لطافت اور رنگینی و دلکشی کے ایسے عناصر عطا کیے جو اسے دیگر دبستانوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ اس دبستان کی ادبی خدمات، فنی مہارت اور تہذیبی نمائندگی اردو ادب کے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہیں، جن کا مطالعہ نہ صرف ادبی ذوق کو جلا بخشتا ہے بلکہ ایک مکمل تہذیبی شعور بھی عطا کرتا ہے۔

9.2.1:: دبستانِ لکھنؤ کے نمائندہ شعراء

دبستانِ لکھنؤ کے نمائندہ شعراث وہ ہیں جنہوں نے اس دبستان کے اسلوب، تہذیبی رنگ، نزاکتِ بیان اور عشقیہ و جمالیاتی رجحانات کو نہ صرف اپنایا بلکہ انہیں اپنے کلام کے ذریعے عروج تک پہنچایا۔ ان شعرا کی تخلیقات میں لکھنؤ کی درباری فضا، شائستگی، نفاست اور صنعت کاری پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ دبستانِ لکھنؤ کے حقیقی اور بنیادی نمائندہ شعراء میں خواجہ حیدر علی آتش کا نام نہایت اہم ہے۔ آتش کی شاعری میں سادگی اور سلاست کے ساتھ ساتھ لکھنوی رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ انہوں نے زبان کو زیادہ بناوٹ سے بچانے کی کوشش کی اور جذبات کو فطری انداز میں پیش کیا، اس لیے وہ لکھنؤ کے دبستان میں ایک متوازن آواز کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اسی طرح امام بخش ناسخ دبستانِ لکھنؤ کے ایک اور اہم ستون ہیں۔ ناسخ نے زبان کی صفائی، محاورے کی درستگی اور صنعت کاری پر خاص توجہ دی۔ ان کی شاعری میں قواعد کی پابندی، الفاظ کی تراش خراش اور فنی مہارت نمایاں ہے۔ وہ اس دبستان کے اس رجحان کے نمائندہ ہیں جس میں زبان کی درستی اور فنی کمال کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ میر ببر علی انیس دبستانِ لکھنؤ کے سب سے بڑے مرثیہ نگار سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے مرثیہ کو ایک اعلیٰ ادبی صنف کے طور پر ترقی دی۔ ان کے مرثیوں میں واقعہ؟ کربلا کی منظر نگاری، کرداروں کی جاندار تصویر کشی اور جذبات کی شدت اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ انیس کی شاعری میں زبان کی روانی اور بیان کی قوت انہیں ایک منفرد مقام عطا کرتی ہے۔ انیس کے ہم عصر میرزا سلامت علی دبیر بھی مرثیہ نگاری کے عظیم شاعر تھے۔ دبیر اور انیس کے درمیان ادبی رقابت مشہور ہے، جس نے مرثیہ نگاری کو مزید فروغ دیا۔ دبیر کے ہاں الفاظ کی شان و شوکت، بیان کی وسعت اور صنعتوں کا استعمال زیادہ نمایاں ہے۔

دبستانِ لکھنؤ کے ایک اور اہم شاعر جرأت ہیں جن کا اصل نام غلام حسین تھا۔ جرأت کی شاعری میں رنگینی، شوخی اور بعض اوقات بے باکی بھی نظر آتی ہے۔ انہوں نے عشق کے معاملات کو زیادہ کھلے اور جرات مندانہ انداز میں بیان کیا، جس سے لکھنوی شاعری میں ایک الگ رنگ پیدا ہوا۔ انشا اللہ خاں انشا بھی اس دبستان کے نمایاں شاعر اور نثر نگار تھے۔ انشا کی شاعری میں شوخی، ظرافت اور زبان دانی کا کمال نظر آتا ہے۔ انہوں نے زبان کے تجربات کیے اور اردو نثر و شاعری دونوں میں اپنی انفرادیت قائم کی۔ اسی طرح مصطفیٰ خاں شیفتہ کو بھی اس دبستان سے وابستہ کیا جاتا ہے، اگرچہ ان کی شاعری میں دہلی کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ ان کے ہاں سادگی اور خلوص کے ساتھ ساتھ لکھنوی اثرات بھی موجود ہیں۔ دبستانِ لکھنؤ کے شعراء میں ریاض خیرآبادی کا نام بھی قابلِ ذکر ہے، جنہوں نے غزل میں لکھنوی رنگ کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی انفرادیت

پیدا کی۔ان کی شاعری میں عشق،تصوف اور جمالیات کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

ان شعراء کے علاوہ بھی کئی دیگر نام ہیں جنہوں نے دبستانِ لکھنؤ کی روایت کو آگے بڑھایا،مگر مذکورہ شعرا کو اس دبستان کے بنیادی اور نمائندہ ستون کی حیثیت حاصل ہے۔ان کے کلام میں زبان کی نفاست، بیان کی آرائش،عشقیہ جذبات کی فراوانی اور لکھنوی تہذیب کی جھلک واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔مجموعی طور پر دبستانِ لکھنؤ کے نمائندہ شعراء نے اردو شاعری کو ایک ایسا جمالیاتی اور تہذیبی رنگ عطا کیا جو اسے دیگر ادبی دبستانوں سے ممتاز بناتا ہے۔ان شعرا کی تخلیقات نہ صرف ادبی لحاظ سے اہم ہیں بلکہ وہ اپنے عہد کی سماجی وثقافتی زندگی کی عکاس بھی ہیں۔

9.2.2 : سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

خالی جگہوں کو پُر کیجیے

دبستانِ لکھنؤ کا مرکز شہر________ تھا۔(لکھنؤ)

دبستانِ لکھنؤ کی شاعری میں زبان کی________ اور لطافت نمایاں ہوتی ہے۔

اس دبستان میں________ اور محبت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

دبستانِ لکھنؤ میں________ نگاری کو عروج حاصل ہوا۔

________ اور________ اس دبستان کے مشہور مرثیہ نگار ہیں۔(میر انیس، مرزا دبیر)

دبستانِ لکھنؤ کی شاعری میں________ اور تہذیب کا عکس نمایاں ہوتا ہے۔

9.3: عمومی جائزہ

دبستانِ لکھنؤ ایک ایسا ادبی رجحان ہے جو عیش وعشرت، نزاکت، لطافت اور جمالیاتی ذوق کا عکاس ہے۔اس دبستان میں عشق ومحبت کے مضامین کو خاص اہمیت دی گئی اور حسن و جمال کی باریک تصویرکشی کی گئی۔زبان میں شستگی اور بیان میں آرائش اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ مرثیہ نگاری کو اس دبستان میں عروج حاصل ہوا اور اس صنف کو ایک مکمل ادبی مقام ملا۔اس کے ساتھ ساتھ صنعتوں کا کثرت سے استعمال بھی اس دبستان کی پہچان ہے۔تاہم اس میں بعض اوقات تصنع اور فکری سطحیت بھی نظر آتی ہے، جو اس کی ایک کمزوری سمجھی جاتی ہے۔مجموعی طور پر یہ

دبستان اردو ادب میں ایک اہم اور منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ دبستانِ لکھنؤ اردو ادب کا ایک اہم اور نمایاں مکتبِ فکر ہے جو لکھنؤ کی تہذیبی اور ثقافتی فضا میں پروان چڑھا۔ اس دبستان کی شاعری اپنی نزاکت، لطافت اور شائستگی کے باعث منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں زبان کی مٹھاس، الفاظ کا خوبصورت انتخاب اور بیان کی دلکشی نمایاں ہوتی ہے، جس سے شاعری میں ایک خاص طرح کی نفاست پیدا ہو جاتی ہے۔ اس دبستان میں عشق و محبت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور محبوب کے حسن و جمال کو بڑی باریکی سے بیان کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی لکھنؤ کی تہذیب، آداب اور معاشرتی اقدار بھی شاعری میں نمایاں نظر آتی ہیں۔ اگرچہ اس دبستان میں تصنع اور بناوٹ کا عنصر بھی پایا جاتا ہے، لیکن اس کی فنی خوبصورتی اور زبان کی دلکشی اس کمی کو بڑی حد تک پورا کر دیتی ہے۔ دبستانِ لکھنؤ کی ایک اہم خصوصیت مرثیہ نگاری ہے، جسے میر انیس اور مرزا دبیر جیسے عظیم شعرا نے عروج پر پہنچایا۔ مجموعی طور پر یہ سبق ہمیں دبستانِ لکھنؤ کی ادبی، لسانی اور تہذیبی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے اور اردو شاعری کی ایک خوبصورت روایت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

9.4: آپ نے کیا سیکھا؟

دبستانِ لکھنؤ کے تاریخی پس منظر اور اس کے قیام کے اسباب سے آگاہی حاصل ہوئی۔

لکھنؤ کے مخصوص تہذیبی اور ثقافتی ماحول نے ادب، خصوصاً شاعری، پر کیا اثرات مرتب کیے — یہ بات واضح ہوئی۔

دبستانِ لکھنؤ کی نمایاں خصوصیات جیسے زبان کی شستگی، لطافت، نزاکت، اور صنعت گری کو سمجھنے کا موقع ملا۔

اس دبستان کے اہم شعراء جیسے میر انیس، مرزا دبیر، آتش اور ناسخ کی ادبی خدمات سے واقفیت حاصل ہوئی۔

خصوصاً مرثیہ نگاری میں دبستانِ لکھنؤ کی عظمت اور کمال کو سمجھا گیا۔

دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ کے درمیان اسلوبی اور فکری فرق کو پہچانا گیا۔

اس دبستان میں جذبات، حسن و عشق، اور معاشرتی آداب کی عکاسی کا انداز سیکھنے میں آیا۔

ادبی محاسن کے ساتھ ساتھ بعض تنقیدی پہلوؤں (مثلاً حد سے زیادہ صنعت گری یا تصنع) کا بھی ادراک ہوا۔

اردو ادب کی ترقی میں دبستانِ لکھنؤ کے مجموعی کردار اور اہمیت کو سمجھا گیا۔

طلبہ میں ادبی تنقید اور تجزیہ کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوا۔

9.5:فرہنگ

1۔	نفاست	: باریکی، صفائی اور خوبصورتی
2۔	نزاکت	: نرمی، نازک پن
3۔	لطافت	: دلکشی، خوشگواری
4۔	آرائش	: سجاوٹ، زیبائش
5۔	تصنع	: بناوٹ، غیر فطری انداز
6۔	فصاحت	: زبان کی صفائی اور روانی
7۔	بلاغت	: مؤثر اور بلیغ اندازِ بیان
8۔	صنعت	: شعری ہنر، فنی خوبی
9۔	تلمیح	: کسی مشہور واقعے یا شخصیت کی طرف اشارہ
10۔	مراعات النظیر	: ہم مناسبت الفاظ کا استعمال
11۔	ایہام	: ایک لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ہونا
12۔	قصیدہ	: تعریف و مدح پر مبنی نظم
13۔	مرثیہ	: غم و شہادت کی شاعری
14۔	جمالیات	: حسن اور خوبصورتی کا علم
15۔	تہذیب	: شائستہ طرزِ زندگی اور آداب
16۔	شستگی	: صفائی، سادگی، سلیقہ
17۔	مبالغہ	: بڑھا چڑھا کر بیان کرنا
18۔	اسلوب	: اظہار کا انداز

19۔ روایت : تسلسل کے ساتھ چلی آنے والی ادبی یا ثقافتی روش

20۔ تنقید : محاسن ومعائب کا جائزہ لینا

8.6: خود جانچ سوالات

1۔ دبستانِ لکھنؤ کا تعارف پیش کرتے ہوئے اس کے تاریخی پس منظر کو بیان کیجیے۔

2۔ دبستانِ لکھنؤ کی نمایاں خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

3۔ دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ کا تقابلی جائزہ پیش کیجیے۔

4۔ مرثیہ نگاری کے فروغ میں میر ببر علی انیس اور میرزا سلامت علی دبیر کے کردار کو واضح کیجیے۔

5۔ امام بخش ناسخ اور خواجہ حیدر علی آتش کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

9.7: مشقی سوالات

1۔ دبستانِ لکھنؤ کی اہم خصوصیات بیان کیجیے۔

2۔ دبستانِ لکھنؤ کی شاعری میں عشق اور حسن کے تصور کی وضاحت کیجیے۔

3۔ دبستانِ لکھنؤ میں زبان و بیان کی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔

4۔ مرثیہ نگاری کے فروغ میں میر انیس اور مرزا دبیر کے کردار کا جائزہ لیجیے۔

5۔ دبستانِ لکھنؤ کی شاعری میں تہذیب و معاشرت کے اثرات بیان کیجیے۔

9.8: جواباتِ سرگرمی

1 لکھنؤ

2 نزاکت

3 عشق

4 مرثیہ

5 میر انیس، مرزا دبیر

6 شائستگی

8.9: امدادی کتب

۱۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری	—	ابواللیث صدیقی
۲۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو	—	مسعود حسین خان
۳۔ دکنی ادب کی تاریخ	—	عبدالقادر سروری
۴۔ حیدر آباد دکن میں اردو شاعری (1960 تک)	—	ناہیدہ سلطانہ
۵۔ دکنی اردو: تاریخ اور ساخت	—	رتھ لیلا شمٹ
۶۔ تاریخ ادب اردو	—	جمیل جالبی

سبق: 10 اردو کے دیگر ادبی مراکز (پنجاب، عظیم آباد اور حیدر آباد)

ساخت

10.0 اغراض ومقاصد

10.1 تعارف

10.2 اردو کے دیگر ادبی مراکز (پنجاب، عظیم آباد اور حیدر آباد)

10.2.1 تقابلی مطالعہ

10.2.2 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

10.3 عمومی جائزہ

10.4 آپ نے کیا سیکھا؟

10.5 فرہنگ

10.6 خود جانچ سوالات

10.7 مشقی سوالات

10.8 جواباتِ سرگرمی

10.8.1 مشقی سوالات کے جوابات

10.9 امدادی کتب

10.0: اغراض و مقاصد

اس سبق کا بنیادی مقصد آپ میں اردو زبان و ادب کی تاریخی اور تہذیبی اہمیت کا شعور پیدا کرنا ہے۔ اس کے ذریعے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اردو ادب کی تشکیل اور ترقی میں مختلف ادبی مراکز کا کردار کس قدر اہم اور فیصلہ کن رہا ہے۔ یہ سبق آپ کو اس قابل بناتا ہے کہ آپ اردو ادب کو صرف چند مشہور ناموں تک محدود نہ سمجھیں بلکہ اسے ایک وسیع تہذیبی اور فکری روایت کے طور پر دیکھیں۔ اس سبق کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ آپ پنجاب، عظیم آباد اور حیدرآباد کے ادبی ماحول، وہاں کے شعراء و ادباء اور ان کی تخلیقی خدمات سے واقف ہوں اور یہ جان سکیں کہ ہر مرکز نے اردو ادب کو کس طرح الگ اور منفرد جہت عطا کی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ میں زبان کی قدر، ادبی ورثے سے محبت اور تہذیبی رواداری کا جذبہ پیدا کرنا بھی اس سبق کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ یہ سبق آپ کو تنقیدی فکر کی طرف راغب کرتا ہے تاکہ آپ مختلف ادبی دبستانوں کا تقابلی مطالعہ کر سکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ اردو ادب کی خوبصورتی اسی تنوع اور اشتراک میں مضمر ہے۔ مزید برآں اس سبق کا مقصد یہ بھی ہے کہ آپ میں اردو زبان کے تحفظ، فروغ اور ترقی کا شعور پیدا ہو اور آپ اس ادبی ورثے کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کی ذمہ داری کو محسوس کریں۔ یوں یہ سبق نہ صرف اردو ادب کی تاریخی معلومات فراہم کرتا ہے بلکہ آپ کی فکری، تہذیبی اور ادبی تربیت میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

10.1: تعارف

اردو زبان و ادب کی تاریخ مختلف تہذیبی، ثقافتی اور فکری مراکز کے اشتراک سے تشکیل پاتی ہے۔ اردو کسی ایک خطے یا قوم کی زبان نہیں بلکہ برصغیر کی مشترکہ تہذیبی روایت کی نمائندہ ہے۔ اس کی نشو و نما میں مختلف علاقوں نے اپنے اپنے انداز اور فکری میلانات کے ذریعے حصہ لیا۔ انہی علاقوں میں پنجاب، عظیم آباد اور حیدرآباد دکن کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ یہ تینوں مراکز جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا ہونے کے باوجود اردو زبان و ادب کے ارتقا میں بنیادی ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حیدرآباد دکن اردو کا پہلا باقاعدہ ادبی مرکز تھا جہاں اردو نے ایک مستقل شعری اور نثری زبان کی صورت اختیار کی۔ یہیں سے اردو نے اپنی ادبی شناخت قائم کی اور شمالی ہند تک اپنا اثر پہنچایا۔ عظیم آباد نے اردو غزل اور زبان کی شائستگی کو فروغ دے کر اسے فکری وقار عطا کیا جب کہ پنجاب نے اردو کو فکری وسعت، انقلابی شعور اور جدید ادبی رجحانات سے ہمکنار کیا۔ ان تینوں مراکز نے مل کر اردو کو ایک ہمہ گیر ادبی زبان بنایا جو مختلف تہذیبوں اور فکری دھاروں کو اپنے اندر سمو لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

یہ سبق انہی تینوں مراکز کی ادبی خدمات، تاریخی اہمیت اور فکری اثرات کو واضح کرنے کے لیے مرتب کیا گیا ہے تاکہ آپ اردو ادب کی تاریخ کو فقط زمانی ترتیب میں نہیں بلکہ تہذیبی اور فکری تناظر میں سمجھ سکیں۔ اس کے ذریعے یہ شعور پیدا کرنا مقصود ہے کہ اردو ادب کی ترقی ایک مسلسل اور مشترکہ جدوجہد کا نتیجہ ہے جس میں مختلف علاقوں کے شعراء و ادباء نے برابر کا حصہ ادا کیا۔

10.2: اردو کے دیگر ادبی مراکز (پنجاب، عظیم آباد اور حیدرآباد)

اردو زبان و ادب کی تاریخ فقط ایک لسانی ارتقاء کی داستان نہیں بلکہ تہذیبی، ثقافتی، سماجی اور فکری تغیرات کا ایک ہمہ گیر مرقع ہے۔ اس تاریخ میں بعض شہروں اور علاقوں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے اردو کی تشکیل، ترویج اور ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ان مراکز میں پنجاب، عظیم آباد (پٹنہ) اور حیدرآباد دکن کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ تینوں مراکز جغرافیائی اعتبار سے مختلف ہونے کے باوجود فکری، ادبی اور تہذیبی سطح پر اردو ادب کو نئی جہات عطا کرنے میں یکساں طور پر موثر ثابت ہوئے۔ ان مراکز نے نہ صرف اردو شاعری اور نثر کو وسعت بخشی بلکہ اردو کو ایک ہمہ گیر قومی اور تہذیبی زبان بنانے میں بھی بنیادی کردار ادا کیا۔ اردو ادب کے ابتدائی نقوش اگرچہ دکن میں ملتے ہیں، تاہم پنجاب کا خطہ بھی اردو کی فکری تشکیل میں ایک نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے۔ پنجاب صدیوں سے مختلف تہذیبوں، مذاہب اور زبانوں کا سنگم رہا ہے۔ اسی تنوع نے یہاں کی ادبی فضا کو وسعت اور گہرائی عطا کی۔ پنجابی، فارسی، عربی اور بعدازاں اردو کے امتزاج نے ایک ایسی فکری روایت کو جنم دیا جس میں تصوف، انسان دوستی اور اخلاقی اقدار کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ پنجاب میں اردو کی ترویج کا ایک اہم ذریعہ صوفیاء کرام کی تعلیمات تھیں، جنہوں نے اپنی شاعری اور نثر کے ذریعے عوام الناس تک روحانی پیغام پہنچایا۔ اگرچہ ان کی زبان خالص اردو نہیں تھی، تاہم اس میں اردو کے ابتدائی عناصر واضح طور پر موجود تھے۔ پنجاب میں اردو شاعری کے باقاعدہ ارتقاء کا آغاز مغلیہ دور میں ہوتا ہے، جب درباروں، مدارس اور علمی حلقوں میں فارسی کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی اظہار کا ذریعہ بنایا جانے لگا۔ لاہور اس ضمن میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ لاہور کو اردو ادب کا وہ مرکز کہا جا سکتا ہے جہاں روایت اور جدیدیت کا حسین امتزاج پیدا ہوا۔ یہاں اردو غزل، نظم، افسانہ، ناول اور تنقید ہر صنف نے اپنی شناخت قائم کی۔ پنجاب کے شعرا میں میرزا غالب کا تعلق اگرچہ دہلی سے تھا، مگر ان کی فکری گونج پنجاب تک پہنچی اور یہاں کے شعرا نے ان کے اسلوب سے گہرا اثر قبول کیا۔ بعد کے دور میں علامہ محمد اقبال پنجاب کا وہ عظیم نام ہیں جنہوں نے اردو شاعری کو عالمی سطح پر فکری وقار عطا کیا۔ اقبال کی شاعری میں خودی، ملت، عشق، عمل اور حیاتِ نو کا تصور اردو ادب کو ایک نئی فکری جہت دیتا ہے۔ اقبال نہ صرف شاعر تھے بلکہ ایک عظیم مفکر بھی تھے، جن کی

شاعری نے برصغیر کے مسلمانوں میں بیداری کی نئی روح پھونکی۔ان کی نظموں اور غزلوں نے اردو شاعری کو فلسفیانہ گہرائی عطا کی اور اسے محض جذباتی اظہار سے نکال کر فکری مکالمے کی سطح پر پہنچا دیا۔

اقبال کے بعد پنجاب میں فیض احمد فیض کا نام اردو ادب کے آسمان پر ایک روشن ستارے کی مانند چمکتا ہے۔فیض نے اردو شاعری کو انقلابی شعور، رومانوی لطافت اور انسانی ہمدردی کا حسین امتزاج عطا کیا۔ان کی شاعری میں عشق اور انقلاب ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔فیض کی نظموں اور غزلوں نے اردو ادب کو عالمی سطح پر متعارف کرایا اور انہیں دنیا کے عظیم شعرا کی صف میں لا کھڑا کیا۔پنجاب کے دیگر اہم شعرا میں حفیظ جالندھری، ناصر کاظمی، منیر نیازی، احمد فراز، اور پروین شاکر جیسے نام شامل ہیں جنہوں نے اردو شاعری کو فکری، جذباتی اور فنی سطح پر نئی جہتیں عطا کیں۔ناصر کاظمی کی شاعری میں ہجرت کا کرب، تنہائی کا احساس اور یادوں کی دھندلی پرچھائیاں نمایاں ہیں۔منیر نیازی نے علامتی اور استعاراتی اسلوب کے ذریعے اردو شاعری میں ایک منفرد لہجہ پیدا کیا۔احمد فراز نے محبت، مزاحمت اور سماجی شعور کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا، جب کہ پروین شاکر نے اردو شاعری میں نسائی احساسات کو ایک باوقار اور بااثر آواز عطا کی۔نثر کے میدان میں پنجاب نے بھی اردو ادب کو عظیم نام عطا کیے۔پطرس بخاری نے طنز و مزاح کو اردو ادب میں نئی زندگی بخشی۔قدرت اللہ شہاب، اشفاق احمد، بانو قدسیہ اور ممتاز مفتی جیسے ادیبوں نے اردو افسانے اور ناول کو فکری، روحانی اور سماجی گہرائی عطا کی۔اشفاق احمد کے افسانوں اور مکالموں میں انسان کی باطنی کشمکش نمایاں ہوتی ہے، جب کہ بانو قدسیہ کے ناول راجہ گدھ نے اخلاقی اور نفسیاتی موضوعات کو اردو ادب میں ایک نئی جہت دی۔

اب اگر ہم عظیم آباد کی طرف نظر ڈالیں تو یہ شہر اردو ادب کی تاریخ میں ایک نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔عظیم آباد جو آج پٹنہ کہلاتا ہے، اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں اردو ادب کا ایک زرخیز مرکز تھا۔دہلی اور لکھنؤ کے بعد عظیم آباد کو اردو شاعری کا تیسرا بڑا مرکز تسلیم کیا جاتا ہے۔یہاں کی ادبی فضا میں سادگی، خلوص اور فکری وقار نمایاں تھا۔عظیم آباد کا سب سے نمایاں نام مرزا محمد رفیع سودا کے بعد آنے والے شعرا میں شیخ امام بخش ناسخ اور آتش کے ہم عصر شعرا کا ہے، مگر عظیم آباد کی اصل شناخت شاد عظیم آبادی سے قائم ہوتی ہے۔شاد عظیم آبادی نے اردو غزل کو سادگی، صفائی اور فکری گہرائی عطا کی۔ان کی شاعری میں نہ تصنع ہے نہ بناوٹ بلکہ ایک فطری روانی اور جذباتی سچائی پائی جاتی ہے۔عظیم آباد کے دیگر اہم شعرا میں جلال لکھنوی، احسن عظیم آبادی اور محشر بدایونی جیسے نام شامل ہیں جنہوں نے اردو غزل اور نظم کی روایت کو آگے بڑھایا۔عظیم آباد کی شاعری میں زبان کی شستگی اور اظہار کی سادگی نمایاں ہے، جو اسے دہلی اور لکھنؤ کے دبستانوں سے الگ ایک منفرد شناخت عطا کرتی ہے۔عظیم آباد نے نثر کے میدان میں بھی اہم خدمات انجام دیں۔یہاں کے ادیبوں نے اردو صحافت، تنقید اور تحقیق کو فروغ دیا۔اردو اخبارات اور رسائل نے

اس شہر کو ایک فکری مرکز بنا دیا، جہاں ادبی مباحث اور تنقیدی مکالمے باقاعدگی سے ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عظیم آباد اردو ادب کی تاریخ میں ایک مضبوط ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔

اب حیدرآباد دکن کی طرف آئیں تو اردو ادب کی تاریخ اس مرکز کے بغیر نامکمل نظر آتی ہے۔ دکن اردو کا پہلا باقاعدہ ادبی مرکز تھا، جہاں اردو نے ایک مستقل ادبی زبان کی صورت اختیار کی۔ دکن میں اردو کو ابتدا میں دکنی یا دکنی اردو کہا جاتا تھا۔ یہی وہ خطہ ہے جہاں اردو نے اپنی ابتدائی شعری روایت قائم کی۔ دکن کے شعراء میں محمد قلی قطب شاہ کو اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ان کی شاعری میں عشق، تصوف، حسن اور فطرت کے مناظر نہایت دلکش انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ ان کے بعد ولی دکنی کا نام آتا ہے جنہوں نے شمالی ہند میں اردو شاعری کو متعارف کرایا اور دہلی کے شعرا کو اردو کی طرف متوجہ کیا۔ ولی دکنی کی شاعری نے اردو غزل کو وہ بنیاد فراہم کی جس پر بعد میں میر، سودا اور غالب جیسے عظیم شعرا نے اپنی عمارت تعمیر کی۔ حیدرآباد دکن میں اردو شاعری کے ساتھ ساتھ نثر بھی پروان چڑھی۔ یہاں کے درباروں اور علمی اداروں نے اردو کو سرکاری اور ادبی زبان کے طور پر فروغ دیا۔ دکن کے ادیبوں نے مذہبی، تاریخی، اخلاقی اور داستانوی نثر کو فروغ دیا، جس سے اردو نثر کی بنیاد مضبوط ہوئی۔ حیدرآباد کے شعرا میں فانی بدایونی، سحر، اور بعد کے دور میں مخدوم محی الدین کا نام نہایت اہم ہے۔ مخدوم محی الدین نے اردو شاعری کو انقلابی شعور اور رومانوی حسن کا حسین امتزاج عطا کیا۔ ان کی شاعری میں عوامی درد، محبت اور جدوجہد کی صدائیں نمایاں ہیں۔ نثر کے میدان میں حیدرآباد نے اردو ادب کو بے شمار نام دیے۔ شوکت صدیقی، عزیز احمد اور سجاد ظہیر جیسے ادیبوں نے اردو ناول اور افسانے کو سماجی حقیقت نگاری کی نئی جہت عطا کی۔ ان کے افسانوں اور ناولوں میں حیدرآباد کی تہذیب، طبقاتی کشمکش اور انسانی نفسیات کی باریکیاں نہایت خوبصورتی سے اجاگر ہوتی ہیں۔ یہ تینوں مراکز، یعنی پنجاب، عظیم آباد اور حیدرآباد، اردو ادب کے تین مضبوط ستون ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی اردو کی تاریخ سے نکال دیا جائے تو یہ تاریخ ادھوری اور نامکمل نظر آئے گی۔ پنجاب نے اردو کو فکری وسعت، عظیم آباد نے زبان کی سادگی اور شائستگی، اور حیدرآباد نے ابتدائی ادبی روایت اور تہذیبی رنگ عطا کیا۔ ان تینوں مراکز نے مل کر اردو ادب کو وہ ہمہ گیری عطا کی جو اسے دیگر زبانوں سے ممتاز بناتی ہے۔

اردو زبان کی خوبصورتی اسی تنوع میں مضمر ہے کہ یہ مختلف علاقوں، تہذیبوں اور فکری دھاروں کو اپنے اندر جذب کر کے ایک مشترکہ ادبی ورثہ تشکیل دیتی ہے۔ پنجاب کی صوفیانہ روایت، عظیم آباد کی کلاسیکی شائستگی اور حیدرآباد کی دکنی مٹھاس مل کر اردو کو ایک ایسی زبان بناتی ہیں جو دلوں کو جوڑنے اور فکری مکالمے کو فروغ دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کی تاریخ کو ان مراکز کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں۔ ان

شہروں کے شعرا و ادباء نے نہ صرف اپنے اپنے عہد کی نمائندگی کی بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے فکری اور فنی رہنما خطوط بھی متعین کیے۔ اردو زبان و ادب آج جس بلندی پر فائز ہے، اس کے پس منظر میں ان مراکز کی صدیوں پر محیط محنت، ریاضت اور تخلیقی جدوجہد شامل ہے۔

10.2.1: تقابلی مطالعہ

اردو ادب کی تاریخ میں اگر ہم مراکز کے اثرات کا باہمی تقابل کریں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر مرکز نے اردو کو الگ فکری شناخت عطا کی۔ پنجاب نے اردو کو فلسفہ، تصوف اور انقلابی شعور بخشا، عظیم آباد نے سادگی، شائستگی اور زبان کی صفائی کو فروغ دیا جب کہ حیدر آباد دکن نے اردو کو اس کی ابتدائی تہذیبی اور شعری بنیادیں فراہم کیں۔ ان تینوں مراکز کی مشترکہ کوششوں سے اردو ایک علاقائی زبان سے نکل کر ایک ہمہ گیر ادبی زبان بنی۔ پنجاب کے ادبی ماحول میں بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کو ایک نیا رخ دیا۔ لاہور اس تحریک کا سب سے مضبوط مرکز بن کر ابھرا۔ یہاں ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں نے ادب کو محض تفریح یا جذباتی اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ سماجی تبدیلی کا ہتھیار بنایا۔ فیض احمد فیض، سجاد ظہیر، احمد ندیم قاسمی اور سبط حسن جیسے ادیبوں نے اردو ادب میں سیاسی شعور، طبقاتی کشمکش اور انسانی حقوق کے موضوعات کو نمایاں کیا۔ احمد ندیم قاسمی نے افسانے اور شاعری دونوں میں انسان دوستی، دیہی زندگی اور سادہ انسانی جذبات کو نہایت لطیف انداز میں پیش کیا۔ سبط حسن نے اردو تنقید میں تاریخ، سیاست اور ادب کو باہم مربوط کیا۔ ان کی تحریریں اردو ادب میں فکری گہرائی اور سائنسی شعور کو فروغ دینے کا باعث بنیں۔ یوں پنجاب اردو تنقید کا بھی ایک مضبوط مرکز بن کر ابھرا۔

پنجاب میں خواتین ادیبوں اور شاعرات کا کردار بھی نہایت اہم ہے۔ پروین شاکر کے بعد کشور ناہید، فہمیدہ ریاض اور فاطمہ حسن جیسی شاعرات نے اردو شاعری کو نسائی شعور، سماجی بغاوت اور جذباتی صداقت سے ہمکنار کیا۔ ان کی شاعری نے اردو ادب میں عورت کو محض محبوبہ کے تصور سے نکال کر ایک باشعور، خود مختار اور باوقار شخصیت کے طور پر پیش کیا۔ نثر میں بھی پنجاب کی خواتین ادیباؤں نے اہم کردار ادا کیا۔ بانو قدسیہ، الطاف فاطمہ اور عصمت چغتائی (اگرچہ ان کا تعلق براہِ راست پنجاب سے نہیں مگر لاہور سے ان کا گہرا تعلق رہا) نے اردو افسانے اور ناول کو نئی جہت عطا کی۔ عصمت چغتائی کی حقیقت نگاری اور بے باکی نے اردو ادب میں ایک انقلابی فضا پیدا کی۔

عظیم آباد کی ادبی روایت میں اگرچہ وسعت کے بجائے گہرائی نمایاں ہے، مگر یہی اس کی اصل طاقت ہے۔ عظیم آباد کے شعرا نے زبان کی شائستگی، محاورے کی درستی اور خیال کی سچائی کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ یہاں کے شعرا نے نہ تو تصنع کو قبول کیا اور نہ ہی مبالغہ آرائی کو۔ یہی وجہ ہے کہ

عظیم آباد کی شاعری آج بھی خالص اردو غزل کی بہترین مثال سمجھی جاتی ہے۔شاد عظیم آبادی کے بعد عظیم آباد کے شعرا نے غزل کو ایک باوقار اور متوازن روایت کے طور پر آگے بڑھایا۔ان کی شاعری میں نہ لکھنؤ کی حد سے زیادہ نزاکت ملتی ہے اور نہ دہلی کی سخت گیری، بلکہ ایک معتدل اور شائستہ انداز نظر آتا ہے۔یہی انداز عظیم آباد کی پہچان بن گیا۔عظیم آباد کی ادبی خدمات میں اردو صحافت کا کردار بھی نہایت اہم ہے۔یہاں سے شائع ہونے والے اخبارات اور رسائل نے اردو کو عوامی زبان بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔سیاسی شعور، سماجی اصلاح اور تعلیمی بیداری کے لیے اردو صحافت نے عظیم آباد کو ایک فکری مرکز میں تبدیل کر دیا۔

حیدرآباد دکن میں اردو ادب کی ترقی کا ایک بڑا سبب وہاں کے حکمرانوں کی سرپرستی تھی۔قطب شاہی اور آصف جاہی حکمرانوں نے اردو کو نہ صرف فروغ دیا بلکہ اسے درباری زبان کا درجہ بھی دیا۔اس سرپرستی کے باعث شعرا اور ادیبوں کو تخلیقی آزادی اور معاشی تحفظ حاصل ہوا، جس کے نتیجے میں اردو ادب کی تخلیقی قوت میں اضافہ ہوا۔دکن کی شاعری میں عشق اور تصوف کا امتزاج نمایاں ہے۔یہاں کی شاعری میں محبوب صرف ایک انسانی وجود نہیں بلکہ ایک روحانی استعارہ بھی ہے۔یہی صوفیانہ رنگ دکن کی شاعری کو دیگر مراکز سے ممتاز کرتا ہے۔انیسویں اور بیسویں صدی میں جب اردو ادب جدید رجحانات کی طرف بڑھا تو ان تینوں مراکز نے اس تبدیلی کو اپنے اپنے انداز میں قبول کیا۔پنجاب میں جدید نظم، آزاد نظم اور نثری نظم کا فروغ ہوا۔ن۔م۔راشد اور میراجی جیسے شعرا نے اردو شاعری کو علامتی، نفسیاتی اور فلسفیانہ جہت عطا کی۔اگرچہ ان کا تعلق براہ راست پنجاب سے نہیں تھا، مگر لاہور نے ان کی تخلیقات کو قبول کیا اور انہیں ادبی فضا فراہم کی۔ن۔م۔راشد کی نظموں میں وجودی کرب، تہذیبی زوال اور انسان کی تنہائی نمایاں ہے۔میراجی نے جنسی نفسیات اور باطنی خواہشات کو اردو شاعری کا موضوع بنایا۔ان دونوں نے اردو شاعری کو روایتی غزل کے دائرے سے نکال کر عالمی جدید شاعری کے ہم پلہ کر دیا۔

پنجاب میں اردو افسانہ بھی جدید حقیقت نگاری کی طرف بڑھا۔انتظار حسین، غلام عباس اور منٹو نے افسانے کو محض قصہ گوئی سے نکال کر سماجی اور نفسیاتی تجزیے کی سطح تک پہنچایا۔منٹو کی حقیقت نگاری، بے باکی اور انسانی درد نے اردو افسانے کو عالمی ادب میں نمایاں مقام دلایا۔عظیم آباد میں جدیدیت کا اثر نسبتاً کم مگر متوازن رہا۔یہاں کے ادیبوں نے روایت کو مکمل طور پر ترک کرنے کے بجائے اسے جدید حسیت کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔یہی وجہ ہے کہ عظیم آباد کا ادب روایت اور جدیدیت کے درمیان ایک خوبصورت پل کی حیثیت رکھتا ہے۔حیدرآباد میں جدید نظم اور افسانے نے ایک الگ رنگ اختیار کیا۔یہاں کے ادیبوں نے شہری زندگی، صنعتی تہذیب اور طبقاتی تفاوت کو اپنے ادب کا موضوع بنایا۔مخدوم محی الدین، سلیمان اریب اور شاذ تمکنت جیسے شعرا نے جدید حسیت کو کلاسیکی روایت سے جوڑ کر ایک منفرد اسلوب پیدا کیا۔حیدرآباد کے افسانہ

نگاروں نے متوسط طبقے کی زندگی، خواتین کے مسائل اور سماجی ناانصافی کو اپنے ادب کا موضوع بنایا۔ ان کے افسانوں میں مقامی تہذیب کی جھلک بھی نمایاں نظر آتی ہے، جو حیدرآباد کے ادب کو علاقائی رنگ عطا کرتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان تینوں مراکز کے ادیبوں کے درمیان فکری رابطہ ہمیشہ قائم رہا۔ لاہور، پٹنہ اور حیدرآباد کے ادیب ایک دوسرے کی تخلیقات سے متاثر ہوتے رہے۔ ادبی رسائل، خطوط اور ملاقاتوں کے ذریعے یہ فکری تبادلہ اردو ادب کو مزید وسعت دیتا رہا۔ اردو زبان کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس نے مختلف علاقوں کے فکری تجربات کو یکجا کر کے ایک مشترکہ ادبی روایت قائم کی۔ پنجاب کا انقلابی شعور، عظیم آباد کی کلاسیکی شائستگی اور حیدرآباد کی صوفیانہ لطافت مل کر اردو ادب کو ایک ہمہ گیر شناخت عطا کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ اردو زبان و ادب کے یہ تین اہم مراکز دراصل اردو کی تہذیبی روح کی علامت ہیں۔ پنجاب نے اردو کو فکری بیداری، سیاسی شعور اور انقلابی مزاج عطا کیا۔ عظیم آباد نے اردو کو زبان کی شائستگی، سادگی اور کلاسیکی وقار بخشا۔ حیدرآباد دکن نے اردو کو اس کی ابتدائی شعری بنیاد، صوفیانہ رنگ اور تہذیبی مٹھاس عطا کی۔ ان مراکز کے شعرا و ادباء نے اردو کو محض ایک زبان نہیں رہنے دیا بلکہ اسے ایک تہذیبی ورثہ بنا دیا۔ ان کی تخلیقات میں انسان، سماج، مذہب، سیاست، محبت، نفرت، امید اور یاس سب کچھ سمٹ آیا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب آج بھی زندہ، متحرک اور اثر انگیز ہے۔ اگر ہم اردو ادب کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ اردو کی ترقی کسی ایک شہر یا ایک طبقے کی مرہونِ منت نہیں بلکہ یہ مختلف مراکز کی مشترکہ تخلیقی کاوش کا نتیجہ ہے۔ پنجاب، عظیم آباد اور حیدرآباد تین مختلف تہذیبی دنیاؤں کی نمائندگی کرتے ہیں، مگر اردو نے ان تینوں کو اپنے اندر سمو کر ایک مشترکہ ادبی شناخت قائم کی۔ آج کے دور میں جب اردو کو مختلف چیلنجز کا سامنا ہے، ان ادبی مراکز کی روایت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ زبان کی بقا صرف اسی وقت ممکن ہے جب اس میں فکری وسعت، تہذیبی رواداری اور تخلیقی آزادی برقرار رہے۔ اردو ادب کی تاریخ اس بات کی زندہ مثال ہے کہ مختلف زبانیں، ثقافتیں اور تہذیبیں مل کر ایک عظیم ادبی ورثہ تخلیق کر سکتی ہیں۔ یوں اردو زبان و ادب کے یہ تین اہم مراکز نہ صرف ماضی کی یادگار ہیں بلکہ حال اور مستقبل کے لیے بھی فکری رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مراکز کی ادبی خدمات اردو ادب کی تاریخ میں ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی، اور آنے والی نسلیں بھی ان کی تخلیقی روشنی سے اپنے فکری سفر کو منور کرتی رہیں گی۔

10.2.2 : سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

1۔ اردو ادب کے اہم مراکز میں پنجاب کو کس وجہ سے اہمیت حاصل ہوئی ؟

(الف) صرف مذہبی ادب کی وجہ سے (ب) شعری و نثری دونوں اصناف کی ترقی کی وجہ سے

(ج) صرف داستان نگاری کی وجہ سے (د) صرف ترجمہ نگاری کی وجہ سے

2۔ عظیم آباد کا موجودہ نام کیا ہے؟

(الف) دہلی (ب) لکھنؤ

(ج) پٹنہ (د) حیدر آباد

3۔ حیدر آباد دکن میں اردو ادب کو فروغ دینے والی اہم سلطنت کون سی تھی؟

(الف) مغل سلطنت (ب) آصف جاہی سلطنت

(ج) خلجی سلطنت (د) تغلق سلطنت

4۔ پنجاب میں اردو ادب کے فروغ میں کس صنف کو خاص اہمیت حاصل رہی؟

(الف) ناول (ب) غزل اور نظم

(ج) مثنوی (د) داستان

5۔ درج ذیل میں سے کون سا شہر اردو کا ایک اہم ادبی مرکز رہا ہے؟

(الف) عظیم آباد (ب) ممبئی

(ج) کلکتہ (د) مدراس

10.3: عمومی جائزہ

یہ سبق اردو زبان و ادب کی تاریخی تشکیل اور فکری ارتقا کو تین اہم ادبی مراکز کے تناظر میں واضح کرتا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اردو

زبان کسی ایک خطے کی پیداوار نہیں بلکہ مختلف تہذیبی، ثقافتی اور فکری عناصر کے امتزاج سے وجود میں آئی۔ پنجاب، عظیم آباد اور حیدرآباد دکن کو اردو ادب کے وہ مراکز قرار دیا گیا ہے جنھوں نے اردو کو ایک ہمہ گیر ادبی زبان بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ سبق میں حیدرآباد دکن کو اردو کا پہلا باقاعدہ ادبی مرکز قرار دیا گیا ہے جہاں اردو نے اپنی ابتدائی شعری اور نثری روایت قائم کی۔ دکنی شعرا نے اردو کو صوفیانہ رنگ، تہذیبی مٹھاس اور فکری وسعت عطا کی۔ اس کے بعد عظیم آباد کو اردو غزل اور زبان کی شائستگی کا مرکز بتایا گیا ہے جہاں سادگی، صفائی اور فکری توازن کو اہمیت دی گئی۔ پنجاب کو اردو ادب کا جدید اور فکری مرکز قرار دیا گیا ہے جہاں اردو نے انقلابی شعور، جدید نظم، افسانہ اور تنقید کی نئی صورتیں اختیار کیں۔ سبق میں ان تینوں مراکز کے شعرا و ادبا کی ادبی خدمات، ان کے اسالیب اور ان کے فکری اثرات کو واضح کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی نمایاں کی گئی ہے کہ ان مراکز کے درمیان فکری ربط اور ادبی تبادلہ اردو ادب کی وسعت کا سبب بنا۔ سبق کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ اردو ادب کی عظمت اس کے تنوع، اشتراک اور تہذیبی ہم آہنگی میں مضمر ہے۔

10.4: آپ نے کیا سیکھا؟

اس سبق کے مطالعے سے ہمیں یہ شعور حاصل ہوتا ہے کہ اردو زبان و ادب کسی ایک شہر یا ایک مخصوص طبقے کی مرہونِ منت نہیں بلکہ یہ مختلف تہذیبی، ثقافتی اور فکری مراکز کی مشترکہ تخلیقی کاوش کا نتیجہ ہے۔ ہمیں یہ سمجھ آتی ہے کہ حیدرآباد دکن اردو کا پہلا باقاعدہ ادبی مرکز تھا جہاں اردو نے اپنی ابتدائی شعری اور نثری روایت قائم کی، جبکہ عظیم آباد نے اردو زبان کو سادگی، شائستگی اور فکری وقار عطا کیا اور پنجاب نے اردو ادب کو جدید فکری وسعت اور انقلابی شعور سے ہمکنار کیا۔ اس سبق سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اردو ادب کی خوبصورتی اس کے تنوع میں مضمر ہے۔ مختلف علاقوں کے شعرا و ادبا نے اپنے اپنے ماحول، مسائل اور تجربات کو اردو ادب کا حصہ بنا کر اسے ہمہ گیر زبان کی صورت دی۔ ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ زبان کی ترقی صرف تخلیق سے نہیں بلکہ تہذیبی رواداری، فکری مکالمے اور ادبی تبادلے سے ممکن ہوتی ہے۔ یہ سبق ہمیں اپنے ادبی ورثے کی قدر کرنا سکھاتا ہے اور اس بات کا شعور دیتا ہے کہ اردو زبان ہماری تہذیبی شناخت کا اہم حصہ ہے۔ ہمیں یہ بھی سیکھنے کو ملتا ہے کہ اردو ادب نے ہمیشہ انسان دوستی، محبت، اخوت اور فکری آزادی کا پیغام دیا ہے، جس کی حفاظت اور ترویج ہر صاحبِ شعور فرد کی ذمہ داری ہے۔ یوں یہ سبق ہمیں اردو زبان و ادب سے محبت، اس کے تحفظ کے احساس اور اس کے فروغ کے لیے عملی کردار ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

10.5: فرہنگ

تہذیب	:	معاشرتی اقدار، رسم ورواج اور طرزِ زندگی
ارتقا	:	تدریجی ترقی
فکری	:	سوچ اور خیال سے متعلق
تشکیل	:	بننے کا عمل
امتزاج	:	ملاپ، یکجائی
تنوّع	:	مختلف رنگوں کا مجموعہ
شائستگی	:	شرافت اور تہذیب
وقار	:	سنجیدگی اور عزت
صوفیانہ	:	روحانی اور باطنی
انقلابی	:	بڑی تبدیلی پیدا کرنے والا
حقیقت نگاری	:	حقیقت کو جیسا ہے ویسا بیان کرنا
جدیدیت	:	نئے خیالات اور رجحانات
روایت	:	قدیم طریقہ یا رواج
اسلوب	:	اندازِ بیان
تنقید	:	ادبی تجزیہ اور جانچ
شناخت	:	پہچان
ہمہ گیر	:	ہر طرف پھیلا ہوا
فکری ربط	:	خیالات کا باہمی تعلق

تہذیبی ہم آہنگی : مختلف تہذیبوں کا باہمی میل

ورثہ : پچھلی نسلوں سے ملا ہوا سرمایہ

10.6: خود جانچ سوالات

1- اردو زبان وادب کی ترقی میں مختلف ادبی مراکز کا کیا کردار رہا ہے؟

2- حیدرآباد دکن کو اردو کا پہلا ادبی مرکز کیوں کہا جاتا ہے؟

3- عظیم آباد نے اردو غزل اور زبان کو کون سی خصوصیات عطا کیں؟

4- پنجاب نے اردو ادب کو فکری اعتبار سے کس طرح متاثر کیا؟

5- اردو ادب کی خوبصورتی کو تنوع اور اشتراک سے کس طرح جوڑا جا سکتا ہے؟

10.7: مشقی سوالات

1- اردو زبان وادب کے اہم مراکز کے طور پر پنجاب، عظیم آباد اور حیدرآباد کی ادبی خدمات پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

2- عظیم آباد اور حیدرآباد کے ادبی مزاج کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔

3- پنجاب کے ادبی ماحول نے اردو ادب کی جدید صورت گری میں کیا کردار ادا کیا؟

4- اردو ادب میں مختلف ادبی مراکز کے باہمی فکری ربط کی وضاحت کریں۔

5- اس سبق کی روشنی میں اردو زبان کی تہذیبی اہمیت پر مضمون تحریر کریں۔

10.8: جواباتِ سرگرمی

1۔(ب) شعری ونثری دونوں اصناف کی ترقی کی وجہ سے

2۔(ج) پٹنہ

3۔(ب) آصف جاہی سلطنت

4۔(ب)غزل اور نظم

5۔(الف)عظیم آباد

10.8.1: مشقی سوالات کے جوابات

سوال1: اردو زبان وادب کے اہم مراکز کے طور پر پنجاب، عظیم آباد اور حیدرآباد کی ادبی خدمات پر نوٹ لکھیں۔

جواب: حیدرآباد دکن نے اردو کی ابتدائی ادبی روایت قائم کی، عظیم آباد نے زبان کی شائستگی اور غزل کی روایت کو فروغ دیا، جبکہ پنجاب نے اردو ادب کو جدید فکری شعور، انقلابی فکر اور جدید اصناف سے روشناس کرایا۔ ان تینوں مراکز نے مل کر اردو ادب کو ہمہ گیر شناخت عطا کی۔

سوال2: عظیم آباد اور حیدرآباد کے ادبی مزاج کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔

جواب: عظیم آباد کا ادبی مزاج سادگی، شائستگی اور زبان کی صفائی پر مبنی ہے، جبکہ حیدرآباد کا مزاج صوفیانہ، تہذیبی اور رومانوی رنگ لیے ہوئے ہے۔ دونوں نے اردو کو الگ الگ مگر اہم جہتیں عطا کیں۔

سوال3: پنجاب کے ادبی ماحول نے اردو ادب کی جدید صورت گری میں کیا کردار ادا کیا؟

جواب: پنجاب نے اردو ادب میں ترقی پسند تحریک، جدید نظم، حقیقت نگار افسانہ اور فکری تنقید کو فروغ دیا، جس سے اردو ادب جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوا۔

سوال4: اردو ادب میں مختلف ادبی مراکز کے باہمی فکری ربط کی وضاحت کریں۔

جواب: مختلف ادبی مراکز کے ادیب ایک دوسرے کی تحریروں سے متاثر ہوتے رہے، جس سے اردو ادب میں فکری تبادلہ پیدا ہوا اور ادب کو وسعت اور گہرائی حاصل ہوئی۔

سوال5: اس سبق کی روشنی میں اردو زبان کی تہذیبی اہمیت بیان کریں۔

جواب: اردو زبان مختلف تہذیبوں کا حسین امتزاج ہے۔ یہ زبان محبت، رواداری، اخوت اور انسانی اقدار کی نمائندہ ہے اور ہماری تہذیبی شناخت کا اہم حصہ ہے۔

8.9:امدادی کتب

ا۔ تاریخ ادب اردو	—	جمیل جالبی
۲۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو	—	مسعود حسین خان
۳۔ دکنی ادب کی تاریخ	—	عبدالقادر سروری
۴۔ تحسین ادب	—	اعجاز حسین شاہ
۵۔ دکنی اردو: تاریخ اور ساخت	—	رتھ لیلا شمٹ
۶۔ دکن میں اردو شاعری	—	جمیل جالبی

سبق : 11 تحریکِ آزادی اور اردو شاعری

ساخت

11.0 اغراض ومقاصد

11.1 تعارف

11.2 تحریکِ آزادی اور اردو شاعری

11.2.1 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

11.3 عمومی جائزہ

11.4 آپ نے کیا سیکھا؟

11.5 فرہنگ

11.6 خود جانچ سوالات

11.7 مشقی سوالات

11.8 جواباتِ سرگرمی

11.8.1 مشقی سوالات کے جوابات

11.9 امدادی کتب

11.0: اغراض ومقاصد

اس سبق کا بنیادی مقصد آپ کو تحریکِ آزادی اور اردو شاعری کے باہمی تعلق سے آگاہ کرنا ہے تا کہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ ادب محض تفریح کا

ذریعہ نہیں بلکہ ایک مؤثر سماجی اور سیاسی قوت بھی ہوتا ہے۔اس سبق کے ذریعے آپ کو یہ شعور دیا جاتا ہے کہ اردو شاعری نے کس طرح غلامی کے دور میں عوام کے دلوں میں بیداری پیدا کی اور انہیں آزادی کے حصول کے لیے آمادہ کیا۔ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ آپ کو ان شعراء سے متعارف کرایا جائے جنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے قوم کی رہنمائی کی جن میں بہادر شاہ ظفر، مرزا غالب، الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد، علامہ اقبال، چکبست، حسرت موہانی اور جوش ملیح آبادی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ان شعراء کے کلام کے مطالعے سے آپ کو نہ صرف ادبی ذوق میسرّ ہوتا ہے بلکہ آپ کے اندر حب الوطنی، قومی یکجہتی اور قربانی کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔اس سبق کا ایک اور مقصد یہ ہے کہ آپ کو تاریخی شعور فراہم کیا جائے تا کہ آپ تحریکِ آزادی کے مختلف مراحل کو سمجھ سکیں اور یہ جان سکیں کہ کس طرح 1857ء کی جنگِ آزادی سے لے کر بیسویں صدی کی منظّم تحریکوں تک اردو شاعری نے مسلسل اپنا کردار ادا کیا۔اس کے ساتھ ساتھ آپ کو یہ بھی سکھایا جائے گا کہ شاعری کس طرح حالات و واقعات کی عکاسی کرتی ہے اور کس طرح یہ عوام کے جذبات کی ترجمان بنتی ہے۔مزید برآں، اس سبق کے ذریعے آپ کے اندر تنقیدی صلاحیت کو فروغ دینا بھی مقصود ہے تا کہ آپ اشعار کا تجزیہ کر سکیں، ان کے پس منظر کو سمجھ سکیں اور ان میں پوشیدہ پیغام کو دریافت کر سکیں۔ یہ سبق آپ کو یہ احساس بھی دلاتا ہے کہ آزادی ایک عظیم نعمت ہے جس کے حصول کے لیے بے شمار قربانیاں دی گئی ہیں، لہٰذا اس کی قدر کرنا ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔آخر میں اس سبق کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ آپ کے اندر زبان و بیان کی مہارت کو بہتر بنایا جائے اور وہ اردو شاعری کے اسلوب، موضوعات اور فکری جہات سے واقف ہوں تا کہ آپ نہ صرف ایک اچھے قاری بن سکیں بلکہ ایک باشعور شہری بھی بنیں۔

11.1 :تعارف

تحریکِ آزادی برصغیر کی تاریخ کا ایک نہایت اہم، ہمہ گیر اور فیصلہ کن باب ہے، جس نے غلامی کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی ایک قوم کو بیداری، شعور اور حریت کی روشنی سے آشنا کیا۔ یہ تحریک محض سیاسی آزادی کی جدوجہد نہیں تھی بلکہ ایک ہمہ جہت فکری، تہذیبی، سماجی اور جذباتی انقلاب بھی تھی، جس نے نہ صرف انسانوں کو بیرونی غلامی سے نجات دلانے کی کوشش کی بلکہ ان کے اندرونی شعور کو بھی بیدار کیا۔اس تحریک میں جہاں سیاسی رہنماؤں، مجاہدین، علما اور عوام نے عملی میدان میں اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کیں، وہیں ادب، بالخصوص اردو شاعری نے ایک خاموش مگر نہایت مؤثر قوت کے طور پر قوم کے جذبات کو بیدار کرنے، ان کے دلوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کرنے اور انہیں ایک مشترکہ مقصد کے لیے متحد کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

اردو شاعری اپنی ابتدا ہی سے جذبات، احساسات اور انسانی کیفیات کی ترجمان رہی ہے، مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس نے معاشرتی اور سیاسی شعور کو بھی اپنے دامن میں سمو لیا۔ جب برصغیر میں انگریزوں کی حکومت مستحکم ہونے لگی اور عوام پر غلامی کے اثرات گہرے ہونے لگے، تو اردو شاعری نے بھی اپنے موضوعات اور اسلوب میں تبدیلی پیدا کی۔ شاعروں نے اپنے کلام کے ذریعے نہ صرف ان حالات کی عکاسی کی بلکہ عوام کے اندر بیداری پیدا کرنے کی کوشش بھی کی۔ یوں اردو شاعری محض حسن و عشق کے مضامین تک محدود نہ رہی بلکہ اس نے قوم کی اجتماعی زندگی میں ایک فعال کردار ادا کرنا شروع کیا۔ تحریکِ آزادی کا باقاعدہ آغاز 1857ء کی جنگِ آزادی سے ہوتا ہے، جس نے پورے برصغیر کو ایک شدید ہلچل میں مبتلا کر دیا۔ اگرچہ یہ جنگ وقتی طور پر ناکامی سے دوچار ہوئی، مگر اس نے قوم کے ذہن و فکر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور آزادی کی خواہش کو ایک مستقل جذبے میں تبدیل کر دیا۔ اس دور کے شعرا نے اپنے کلام میں اس شکست کے کرب، تباہی، جلاوطنی اور محرومی کے جذبات کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا۔ بہادر شاہ ظفر کے اشعار میں وطن سے جدائی کا درد، جبکہ مرزا غالب کے کلام میں دہلی کی تباہی اور خوف کی کیفیت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ ان شعرا کے کلام نے نہ صرف اس عہد کی تصویر کشی کی بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی اس سانحے سے آگاہ کیا۔

1857ء کے بعد اردو شاعری میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ اب صرف غم و اندوہ کا اظہار کافی نہ تھا بلکہ قوم کو بیدار کرنے اور اس میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حالی، محمد حسین آزاد اور شبلی نعمانی جیسے شعرا نے اصلاحی اور قومی شاعری کو فروغ دیا۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے قوم کو اس کی پستی، زوال اور غلامی کا احساس دلایا اور اسے بیدار ہونے کی تلقین کی۔ ان کی شاعری میں حب الوطنی، اتحاد، خودی اور بیداری کا پیغام نمایاں طور پر موجود ہے۔ انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے آغاز پر اردو شاعری نے ایک نئی فکری جہت اختیار کی، جس میں علامہ محمد اقبال کی شاعری کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اقبال نے نہ صرف تحریکِ آزادی کو ایک واضح فکری بنیاد فراہم کی بلکہ انہوں نے قوم کو خودی، خوداعتمادی اور عمل کا درس بھی دیا۔ ان کی شاعری میں ایک ولولہ، ایک پیغام اور ایک واضح مقصد نظر آتا ہے۔ انہوں نے غلامی کو ایک لعنت قرار دیا اور قوم کو اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی ترغیب دی۔ اقبال کی شاعری نے قوم کے اندر ایک نئی روح پھونک دی اور انہیں اپنی طاقت کا احساس دلایا۔ اسی دور میں دیگر شعرا جیسے اکبر الہ آبادی، چکبست اور اسمٰعیل میرٹھی نے بھی اپنی شاعری کے ذریعے حب الوطنی اور آزادی کے جذبات کو فروغ دیا۔ اکبر الہ آبادی نے طنز و مزاح کے ذریعے انگریزی تہذیب اور غلامانہ ذہنیت پر تنقید کی، جبکہ چکبست نے قومی یکجہتی اور قربانی کا پیغام دیا۔ اسمٰعیل میرٹھی نے سادہ زبان میں آزادی کی اہمیت کو اجاگر کیا، جس کا اثر عوام الناس پر گہرا ہوا۔

تحریکِ آزادی کے عروج کے زمانے میں اردو شاعری نے ایک انقلابی رنگ اختیار کر لیا۔ جوش ملیح آبادی، حسرت موہانی اور مولانا محمد

علی جوہر جیسے شعرا نے اپنی شاعری کے ذریعے عوام کو بیدار کیا اور انہیں آزادی کے لیے جدوجہد پر آمادہ کیا۔ ان کے اشعار میں جوش، ولولہ، بغاوت اور آزادی کی تڑپ نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ حسرت موہانی نے نہ صرف شاعری کے ذریعے بلکہ عملی طور پر بھی تحریک میں حصہ لیا اور مکمل آزادی کا مطالبہ کیا۔ جوش ملیح آبادی کی شاعری میں انقلاب کی گونج سنائی دیتی ہے، جو نوجوانوں کو بیدار کرنے میں نہایت مؤثر ثابت ہوئی۔ بیسویں صدی کے وسط میں ترقی پسند تحریک کے شعرا نے اردو شاعری کو ایک نئی سمت دی۔ اس دور کے شعرا جیسے مجاز لکھنوی، علی سردار جعفری اور فیض احمد فیض نے آزادی کو ایک وسیع سماجی اور معاشرتی انقلاب کے طور پر پیش کیا۔ ان کی شاعری میں نہ صرف سیاسی آزادی بلکہ سماجی انصاف، مساوات اور انسانی حقوق کی بات کی گئی۔ ان شعرا نے عوام کو یہ احساس دلایا کہ حقیقی آزادی صرف سیاسی غلامی سے نجات نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے کا قیام بھی ہے جہاں ہر فرد کو انصاف اور برابری حاصل ہو۔ اس پورے تناظر میں دیکھا جائے تو اردو شاعری نے تحریکِ آزادی میں ایک ہمہ جہت کردار ادا کیا۔ اس نے نہ صرف اس تحریک کی عکاسی کی بلکہ اسے آگے بڑھانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اس نے قوم کے اندر شعور، حوصلہ اور ولولہ پیدا کیا، اور انہیں ایک مشترکہ مقصد کے لیے متحد کیا۔ اردو شاعری نے اس تحریک کو زبان بھی دی اور روح بھی عطا کی، جس کے بغیر اس جدوجہد کو مکمل طور پر سمجھنا ممکن نہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ تحریکِ آزادی اور اردو شاعری ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں۔ اردو شاعری نے نہ صرف اس تحریک کی ترجمانی کی بلکہ اسے قوت، سمت اور توانائی بھی فراہم کی۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی تحریکِ آزادی کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے گا، اردو شاعری کا ذکر لازمی طور پر سامنے آئے گا، کیونکہ یہی وہ آواز تھی جس نے غلامی کے اندھیروں میں امید کے چراغ روشن کیے اور قوم کو آزادی کی منزل تک پہنچنے کا حوصلہ دیا۔

11.2: تحریکِ آزادی اور اردو شاعری

تحریکِ آزادی برصغیر کی تاریخ کا ایک عظیم، درخشاں اور ہمہ گیر باب ہے جس نے صدیوں پر محیط غلامی کے اندھیروں کو چیر کر آزادی کی ایک نئی صبح کو جنم دیا۔ یہ تحریک محض سیاسی جدوجہد نہیں تھی بلکہ ایک فکری، تہذیبی، سماجی اور جذباتی انقلاب بھی تھی جس نے ایک منتشر اور غلام قوم کو متحد کر کے اسے ایک واضح مقصد عطا کیا۔ اس جدوجہد میں جہاں سیاسی رہنماؤں، مجاہدین، علما اور عوام نے عملی میدان میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، وہیں اردو شاعری نے ایک خاموش مگر نہایت طاقتور اور مؤثر قوت کے طور پر قوم کے احساسات کو بیدار کیا، ان کے دلوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کی اور انہیں ایک مشترکہ نصب العین پر جمع کیا۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اردو شاعری کا تعلق صرف مشاعروں، محفلوں اور تفریح سے ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اردو شاعری ہمیشہ اپنے عہد کی آئینہ دار رہی ہے۔ اس نے ہر دور میں معاشرتی، سیاسی اور فکری مسائل کی ترجمانی کی ہے۔ تحریکِ آزادی کے دوران تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی، کیونکہ اس نے ایک فکری ہتھیار کے طور پر کام کیا۔ اس نے عوام کے دلوں میں غلامی کے خلاف نفرت اور آزادی کے لیے بے قراری پیدا کی، اور انہیں عملی جدوجہد کے لیے آمادہ کیا۔ تحریکِ آزادی کا آغاز 1857ء کی جنگِ آزادی سے ہوتا ہے، جو برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے۔ اگرچہ یہ جنگ کامیاب نہ ہوسکی، لیکن اس نے قوم کے اندر آزادی کی خواہش کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔ اس جنگ کے اثرات اردو شاعری میں بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ اس دور کے شعرا نے شکست، بربادی، جلاوطنی اور محرومی کے جذبات کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا۔ بہادر شاہ ظفر، جو اس جنگ کے آخری تاجدار بھی تھے، اپنے کلام میں جلاوطنی اور وطن سے جدائی کا درد یوں بیان کرتے ہیں:

کتنا ہے بدنصیب ظفؔر دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

یہ شعر صرف ایک فرد کا نوحہ نہیں بلکہ ایک پوری غلام قوم کے درد کا اظہار ہے۔ اسی طرح مرزا غالب نے اس دور کے حالات کو اپنے اشعار میں یوں بیان کیا:

گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے　　زہرہ ہوتا ہے آبِ انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے　　گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا

یہ اشعار اس عہد کی تباہی اور خوفناک صورتحال کی عکاسی کرتے ہیں۔ 1857ء کے بعد اردو شاعری میں ایک نئی جہت پیدا ہوئی۔ اب صرف غم واندوہ کا اظہار کافی نہ تھا بلکہ قوم کو بیدار کرنے اور اس میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حالی، محمد حسین آزاد اور شبلی نعمانی جیسے شعرا نے اصلاحی اور قومی شاعری کو فروغ دیا۔ حالی نے اپنی شاعری میں قوم کی زبوں حالی کا ذکر کیا اور انہیں بیدار ہونے کی تلقین کی، جبکہ محمد حسین آزاد نے حب الوطنی کے جذبات کو اجاگر کیا:

کچھ ہو گیا زمانے کا الٹا چلن یہاں
حب الوطن کے بدلے ہے بغض الوطن یہاں

اسی طرح وہ کہتے ہیں:

بن تیرے ملکِ ہند کے گھر بے چراغ ہیں
جلتے عوض چراغوں کے سینے کے داغ ہیں

یہ اشعار قوم کو اپنی حالت پر غور کرنے اور بیدار ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔اسی سلسلے میں اسمٰعیل میرٹھی نے سادہ زبان میں آزادی کی اہمیت بیان کی:

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر
ہے وہ خوف و ذلت کے حلوے سے بہتر

یہ شعر عام انسان کے دل میں آزادی کی قدر پیدا کرتا ہے۔بیسویں صدی کے آغاز پر علامہ محمد اقبال کی شاعری نے تحریکِ آزادی کو ایک نئی فکری سمت عطا کی۔اقبال نے مسلمانوں اور ہندوستانیوں دونوں کو خودی، اتحاد اور عمل کا درس دیا۔ان کا پیغام نہایت واضح اور پر اثر تھا:

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اور غلامی کے خلاف ان کا یہ پیغام انتہائی اہم ہے:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اقبال کی شاعری نے قوم کے اندر خودی کا شعور پیدا کیا اور انہیں اپنی قوت کا احساس دلایا۔اسی دور میں اکبر الہ آبادی نے طنز و مزاح کے ذریعے انگریزی تہذیب اور غلامانہ ذہنیت پر ضرب لگائی۔ان کی شاعری نے قوم کو فکری غلامی سے نجات دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔وہ طنزیہ انداز میں انگریزی نظام پر تنقید کرتے ہیں اور قوم کو اپنی اصل پہچان یاد دلاتے ہیں۔پنڈت برج نارائن چکبست نے حب الوطنی اور قومی یکجہتی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ان کا یہ شعر آزادی کی اہمیت کو واضح کرتا ہے:

طلب فضول ہے کانٹوں کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

ان کے ہاں ہندو مسلم اتحاد کا پیغام بھی نمایاں ہے، جو تحریکِ آزادی کی کامیابی کے لیے نہایت ضروری تھا۔اسی طرح حکیم مومن خان

مومن نے اپنی مثنوی "جہادیہ" میں انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہادت کی آرزو کا اظہار کیا:

الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب

یہ افضل ہے افضل عبادت نصیب

یہ اشعار اس دور کے جذبہ جہاد اور قربانی کی عکاسی کرتے ہیں۔تحریکِ آزادی کے دوران صحافت نے بھی اہم کردار ادا کیا، اور اردو صحافت اس میدان میں سب سے آگے تھی۔مولوی محمد باقر، جنہیں پہلا شہید صحافی کہا جاتا ہے، نے اپنی جان قربان کرکے آزادی کی تحریک کو مضبوط کیا۔ان کی صحافتی خدمات اردو ادب اور تحریکِ آزادی دونوں کے لیے باعثِ فخر ہیں۔ بیسویں صدی میں حسرت موہانی ایک اہم نام کے طور پر سامنے آتے ہیں، جو نہ صرف شاعر تھے بلکہ ایک عملی مجاہد بھی تھے۔انہوں نے "انقلاب زندہ باد" کا نعرہ دیا اور مکمل آزادی کا مطالبہ کیا۔ ان کا یہ شعر ان کے عزم کی عکاسی کرتا ہے:

ہم قول کے صادق ہیں اگر جان بھی جائے

واللہ کبھی خدمتِ انگریز نہیں ہوتی۔

حسرت موہانی کی شاعری اور عملی جدوجہد دونوں تحریکِ آزادی کا اہم حصہ ہیں۔مولانا محمد علی جوہر بھی ایک عظیم رہنما، صحافی اور شاعر تھے۔انہوں نے اپنی تقاریر اور تحریروں کے ذریعے قوم کو بیدار کیا اور انہیں انگریزوں کے خلاف متحد کیا۔ان کی شخصیت ہمہ جہت تھی اور ان کی خدمات تحریکِ آزادی کے لیے نہایت اہم ہیں۔تحریکِ آزادی کے عروج کے زمانے میں جوش ملیح آبادی، حسرت موہانی اور مولانا محمد علی جوہر جیسے شعرا نے اپنی شاعری کے ذریعے عوام کو بیدار کیا اور انہیں آزادی کے لیے جدوجہد پر آمادہ کیا۔ان کے اشعار میں جوش، ولولہ، بغاوت اور آزادی کی تڑپ نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔حسرت موہانی نے نہ صرف شاعری کے ذریعے بلکہ عملی طور پر بھی تحریک میں حصہ لیا اور مکمل آزادی کا مطالبہ کیا۔جوش ملیح آبادی کی شاعری میں انقلاب کی گونج سنائی دیتی ہے، جو نوجوانوں کو بیدار کرنے میں نہایت مؤثر ثابت ہوئی۔

بیسویں صدی کے وسط میں ترقی پسند تحریک کے شعرا نے اردو شاعری کو ایک نئی سمت دی۔اس دور کے شعرا جیسے مجاز لکھنوی، علی سردار جعفری اور فیض احمد فیض نے آزادی کو ایک وسیع سماجی اور معاشرتی انقلاب کے طور پر پیش کیا۔ان کی شاعری میں نہ صرف سیاسی آزادی بلکہ سماجی انصاف، مساوات اور انسانی حقوق کی بات کی گئی۔ان شعرا نے عوام کو یہ احساس دلایا کہ حقیقی آزادی صرف سیاسی غلامی سے نجات نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے کا قیام بھی ہے جہاں ہر فرد کو انصاف اور برابری حاصل ہو۔اس پورے تناظر میں دیکھا جائے تو اردو شاعری نے تحریکِ آزادی

میں ایک ہمہ جہت کردار ادا کیا۔اس نے نہ صرف اس تحریک کی عکاسی کی بلکہ اسے آگے بڑھانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔اس نے قوم کے اندر شعور، حوصلہ اور ولولہ پیدا کیا، اور انہیں ایک مشترکہ مقصد کے لیے متحد کیا۔اردو شاعری نے اس تحریک کو زبان بھی دی اور روح بھی عطا کی، جس کے بغیر اس جدوجہد کو مکمل طور پر سمجھنا ممکن نہیں۔یوں کہا جا سکتا ہے کہ تحریکِ آزادی اور اردو شاعری ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں۔اردو شاعری نے نہ صرف اس تحریک کی ترجمانی کی بلکہ اسے قوت، سمت اور توانائی بھی فراہم کی۔یہی وجہ ہے کہ جب بھی تحریکِ آزادی کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے گا، اردو شاعری کا ذکر لازمی طور پر سامنے آئے گا، کیونکہ یہی وہ آواز تھی جس نے غلامی کے اندھیروں میں امید کے چراغ روشن کیے اور قوم کو آزادی کی منزل تک پہنچنے کا حوصلہ دیا۔

تحریکِ آزادی برصغیر کی تاریخ کا ایک عظیم، درخشاں اور ہمہ گیر باب ہے جس نے صدیوں پر محیط غلامی کے اندھیروں کو چیر کر آزادی کی ایک نئی صبح کو جنم دیا۔یہ تحریک محض سیاسی جدوجہد نہیں تھی بلکہ ایک فکری، تہذیبی، سماجی اور جذباتی انقلاب بھی تھی جس نے ایک منتشر اور غلام قوم کو متحد کر کے اسے ایک واضح مقصد عطا کیا۔اس جدوجہد میں جہاں سیاسی رہنماؤں، مجاہدین، علما اور عوام نے عملی میدان میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، وہیں اردو شاعری نے ایک خاموش مگر نہایت طاقتور اور مؤثر قوت کے طور پر قوم کے احساسات کو بیدار کیا، ان کے دلوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کی اور انہیں ایک مشترکہ نصب العین پر جمع کیا۔عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اردو شاعری کا تعلق صرف مشاعروں، محفلوں اور تفریح سے ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اردو شاعری ہمیشہ اپنے عہد کی آئینہ دار رہی ہے۔اس نے ہر دور میں معاشرتی، سیاسی اور فکری مسائل کی ترجمانی کی ہے۔تحریکِ آزادی کے دوران تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی، کیونکہ اس نے ایک فکری ہتھیار کے طور پر کام کیا۔اس نے عوام کے دلوں میں غلامی کے خلاف نفرت اور آزادی کے لیے بے قراری پیدا کی، اور انہیں عملی جدوجہد کے لیے آمادہ کیا۔

تحریکِ آزادی کا آغاز 1857ء کی جنگِ آزادی سے ہوتا ہے، جو برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے۔اگرچہ یہ جنگ کامیاب نہ ہو سکی، لیکن اس نے قوم کے اندر آزادی کی خواہش کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔اس جنگ کے اثرات اردو شاعری میں بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔اس دور کے شعرا نے شکست، بربادی، جلاوطنی اور محرومی کے جذبات کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا۔

اسی دور میں اکبرالہ آبادی نے طنز و مزاح کے ذریعے انگریزی تہذیب اور غلامانہ ذہنیت پر ضرب لگائی۔ان کی شاعری نے قوم کو فکری غلامی سے نجات دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔وہ طنزیہ انداز میں انگریزی نظام پر تنقید کرتے ہیں اور قوم کو اپنی اصل پہچان یاد دلاتے ہیں۔پنڈت برج نارائن چکبست نے حب الوطنی اور قومی یکجہتی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ان کا یہ شعر آزادی کی اہمیت کو واضح کرتا ہے:

طلب فضول ہے کانٹوں کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

ان کے ہاں ہندو مسلم اتحاد کا پیغام بھی نمایاں ہے، جو تحریکِ آزادی کی کامیابی کے لیے نہایت ضروری تھا۔ مولانا محمد علی جوہر بھی ایک عظیم رہنما، صحافی اور شاعر تھے۔ انہوں نے اپنی تقاریر اور تحریروں کے ذریعے قوم کو بیدار کیا اور انہیں انگریزوں کے خلاف متحد کیا۔ ان کی شخصیت ہمہ جہت تھی اور ان کی خدمات تحریکِ آزادی کے لیے نہایت اہم ہیں۔ تحریکِ آزادی کے عروج کے زمانے میں جوش ملیح آبادی کی شاعری ایک انقلابی آواز بن کر سامنے آئی۔ ان کے اشعار میں جوش، ولولہ اور بغاوت کی جھلک نمایاں ہے:

کیوں ہند کا زنداں کانپ رہا ہے، گونج رہی ہیں تکبیریں
اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں

اور ان کا مشہور نعرہ:

میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب
نوجوانوں کے لیے ایک ولولہ انگیز پیغام بن گیا۔

ترقی پسند تحریک کے شعرا نے آزادی کو ایک وسیع سماجی انقلاب سے جوڑا۔ مجاز لکھنوی، علی سردار جعفری، فیض احمد فیض اور دیگر شعرا نے اپنی شاعری کے ذریعے عوام کو بیدار کیا اور انہیں ظلم کے خلاف کھڑے ہونے کی ترغیب دی۔ مجاز لکھنوی کہتے ہیں:

آؤ مل کر انقلابِ تازہ اک پیدا کریں
دہر پر اس طرح چھا جائیں کہ سب دیکھا کریں

فیض احمد فیض نے بھی اپنی شاعری میں آزادی اور انقلاب کا پیغام دیا، اگرچہ ان کا انداز قدرے نرم اور علامتی تھا، مگر ان کے اشعار میں ایک گہرا درد اور امید کی جھلک موجود ہے۔

علی سردار جعفری نے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اٹھو ہند کے باغبانو اٹھو
اٹھو انقلابی جوانو اٹھو

یہ اشعار اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ اردو شاعری نے ہر طبقے کو مخاطب کیا اور انہیں جدوجہد کے لیے آمادہ کیا۔ اگر ہم مجموعی طور پر دیکھیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اردو شاعری نے تحریکِ آزادی میں ایک فکری، جذباتی اور انقلابی قوت کے طور پر کام کیا۔ اس نے نہ صرف عوام کے دلوں میں آزادی کی خواہش پیدا کی بلکہ انہیں اس جدوجہد کا حصہ بھی بنایا۔ اس نے غلامی کے خلاف نفرت اور آزادی کی محبت کو عام کیا، اور قوم کو ایک مشترکہ مقصد کے لیے متحد کیا۔ اردو شاعری نے اس تحریک کو زبان بھی دی اور روح بھی عطا کی۔ یہی وجہ ہے کہ تحریکِ آزادی کی تاریخ اردو شاعری کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ یہ شاعری اندھیروں میں روشنی، مایوسی میں امید، اور غلامی میں آزادی کا پیغام بن کر ابھری۔ اس نے قوم کو نہ صرف بیدار کیا بلکہ اسے منزل تک پہنچنے کا حوصلہ بھی دیا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اردو شاعری محض ادب نہیں بلکہ ایک زندہ تحریک تھی، ایک انقلابی صدا تھی، جس نے برصغیر کے عوام کو غلامی کی زنجیروں سے نجات دلانے میں ایک ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا۔

11.2.1 : سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

خالی جگہوں کو پُر کیجیے

1 ۔تحریکِ آزادی کا آغاز __________ کی جنگ سے ہوا۔

2 ۔ بہادر شاہ ظفر نے اپنے اشعار میں __________ اور جلاوطنی کا درد بیان کیا۔

3 ۔مرزا غالب نے __________ کی تباہی کو اپنے کلام میں پیش کیا۔

4 ۔حالی اور محمد حسین آزاد نے __________ شاعری کو فروغ دیا۔

5 ۔اسمٰعیل میرٹھی نے آزادی کی __________ کو اپنی شاعری میں بیان کیا۔

6 ۔علامہ اقبال نے قوم کو __________ اور خودی کا درس دیا۔

7 ۔چکبست کی شاعری میں __________ اور قومی یکجہتی کا پیغام ملتا ہے۔

8 ۔جوش ملیح آبادی کی شاعری میں __________ اور بغاوت کا عنصر نمایاں ہے۔

9 ۔حسرت موہانی نے __________ "زندہ باد" کا نعرہ دیا۔

10 ۔اردو شاعری نے تحریکِ آزادی میں ایک __________ قوت کے طور پر کام کیا۔

11.3: عمومی جائزہ

تحریکِ آزادی اور اردو شاعری کا تعلق نہایت گہرا اور مضبوط ہے۔ برصغیر میں جب انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تو رفتہ رفتہ سیاسی، معاشی اور سماجی سطح پر غلامی کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ ایسے حالات میں اردو شاعری نے نہ صرف ان حالات کی عکاسی کی بلکہ قوم کے اندر بیداری اور مزاحمت کا جذبہ بھی پیدا کیا۔ تحریکِ آزادی کا باقاعدہ آغاز 1857ء کی جنگ سے ہوتا ہے، جس نے پورے برصغیر کو ہلا کر رکھ دیا۔ اگرچہ یہ جنگ ناکام رہی، مگر اس نے آزادی کی جدوجہد کے لیے بنیاد فراہم کی۔ اس دور کے شعرا نے اپنے کلام میں اس سانحے کے اثرات کو بڑی شدت سے بیان کیا۔ بہادر شاہ ظفر کے اشعار میں جلاوطنی اور محرومی کا درد نمایاں ہے، جبکہ مرزا غالب نے دہلی کی تباہی اور خوفناک حالات کو اپنے اشعار میں سمو دیا۔ 1857ء کے بعد اردو شاعری میں ایک نئی بیداری پیدا ہوئی۔ اب صرف غم و اندوہ کا اظہار کافی نہ تھا بلکہ قوم کو بیدار کرنے اور اس میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حالی، محمد حسین آزاد اور شبلی نعمانی جیسے شعرا نے اصلاحی اور قومی شاعری کو فروغ دیا۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے حب الوطنی، اتحاد اور بیداری کا پیغام دیا۔

اس کے بعد بیسویں صدی کے آغاز پر علامہ اقبال کی شاعری نے تحریکِ آزادی کو ایک نئی فکری سمت عطا کی۔ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے قوم کو خودی، خود اعتمادی اور عمل کا درس دیا۔ انہوں نے مسلمانوں اور ہندوستانیوں کو یہ پیغام دیا کہ وہ اپنی حالت کو بدلنے کے لیے خود کوشش کریں اور غلامی کی زنجیروں کو توڑ دیں۔ ان کی شاعری نے قوم کے اندر ایک نئی روح پھونک دی اور انہیں بیدار کیا۔ اسی زمانے میں چکبست، اکبر الہ آبادی اور اسمٰعیل میرٹھی جیسے شعرا نے بھی اپنی شاعری کے ذریعے حب الوطنی اور آزادی کے جذبات کو فروغ دیا۔ اکبر الہ آبادی نے طنز و مزاح کے ذریعے انگریزی تہذیب اور غلامانہ ذہنیت پر تنقید کی، جبکہ چکبست نے قومی یکجہتی اور قربانی کا پیغام دیا۔ تحریکِ آزادی کے عروج کے زمانے میں جوش ملیح آبادی، حسرت موہانی اور مولانا محمد علی جوہر جیسے شعرا نے اپنی شاعری اور عملی جدوجہد کے ذریعے قوم کو بیدار کیا۔ جوش ملیح آبادی کی شاعری میں انقلاب کی گونج سنائی دیتی ہے، جبکہ حسرت موہانی نے نہ صرف شاعری کے ذریعے بلکہ عملی طور پر بھی تحریک میں حصہ لیا۔

ترقی پسند تحریک کے دور میں اردو شاعری نے ایک اور نیا رخ اختیار کیا۔ اس دور کے شعرا جیسے مجاز لکھنوی، علی سردار جعفری اور فیض احمد فیض نے آزادی کو ایک وسیع سماجی اور معاشرتی انقلاب کے طور پر پیش کیا۔ ان کی شاعری میں نہ صرف سیاسی آزادی بلکہ سماجی انصاف، مساوات اور انسانی حقوق کی بات کی گئی۔ مجاز لکھنوی نے نوجوانوں کو انقلاب کے لیے آمادہ کیا، جبکہ علی سردار جعفری نے عوام کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔

فیض احمد فیض کی شاعری میں ایک نرم مگر گہرا انقلابی جذبہ پایا جاتا ہے، جو ظلم کے خلاف مزاحمت اور بہتر مستقبل کی امید کو ظاہر کرتا ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اردو شاعری نے تحریکِ آزادی میں ایک فکری، جذباتی اور انقلابی قوت کے طور پر کام کیا۔ اس نے قوم کے اندر شعور، حوصلہ اور ولولہ پیدا کیا، اور انہیں آزادی کے حصول کے لیے متحد کیا۔ اردو شاعری نے نہ صرف اس تحریک کو زبان دی بلکہ اسے روح بھی عطا کی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر اردو شاعری نہ ہوتی تو شاید تحریکِ آزادی کی شدت اور وسعت وہ نہ ہوتی جو ہمیں تاریخ میں نظر آتی ہے۔ اردو شاعری نے قوم کو نہ صرف بیدار کیا بلکہ انہیں ایک روشن مستقبل کی امید بھی دی۔ یہی وجہ ہے کہ تحریکِ آزادی کی تاریخ اردو شاعری کے ذکر کے بغیر نامکمل محسوس ہوتی ہے۔

11.4: آپ نے کیا سیکھا؟

تحریکِ آزادی اور اردو شاعری کے اس سبق کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اردو شاعری نے برصغیر کی آزادی کی جدوجہد میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ شاعروں نے اپنے کلام کے ذریعے عوام کے دلوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کی اور انہیں ظلم و جبر کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا حوصلہ دیا۔ اس دور کی شاعری میں حب الوطنی، قربانی، حوصلہ اور بیداری کے جذبات نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس سبق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال، حسرت موہانی، جوش ملیح آبادی اور فیض احمد فیض جیسے شعراء نے اپنی شاعری کے ذریعے قوم کو بیدار کیا اور آزادی کے جذبے کو مضبوط کیا۔ ان کی شاعری صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں تھی بلکہ ایک ایسی طاقت تھی جس نے لوگوں کو متحد کیا اور انہیں اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے پر آمادہ کیا۔ مزید یہ کہ اس سبق سے ادب اور تاریخ کے گہرے تعلق کا بھی اندازہ ہوتا ہے، کیونکہ شاعری نے نہ صرف اس دور کے حالات کی عکاسی کی بلکہ ایک مثبت تبدیلی لانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ یوں یہ سبق ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ادب، خاص طور پر شاعری، معاشرے کی تعمیر اور قومی شعور کی بیداری میں ایک مؤثر ذریعہ ہوتی ہے۔

11.5: فرہنگ

1۔ تحریک — جدوجہد، کوشش

2۔ حریت — آزادی

3۔ شعور — آگاہی، سمجھ

4۔ بیداری — جاگنا، ہوشیاری پیدا ہونا

5۔ غلامی — محکومی، قید کی حالت

6۔ انقلاب — بڑی تبدیلی

7۔ ولولہ — جوش، جذبہ

8۔ مزاحمت — مخالفت، مقابلہ

9۔ قربانی — اپنی جان یا چیز دینا

10۔ تشخص — پہچان، شناخت

11۔ اصلاح — بہتری، درستگی

12۔ فکری — سوچ سے متعلق

13۔ تہذیبی — تمدن سے متعلق

14۔ ترجمانی — نمائندگی، بیان کرنا

15۔ استعارہ — علامتی انداز میں بات کہنا

16۔ احساس — جذبہ محسوس کرنا

17۔ یکجہتی — اتحاد، ایک ہونا

18۔ استبداد — ظلم، جبر

19۔ انگیز — پیدا کرنے والا (جیسے: ولولہ انگیز = جوش پیدا کرنے والا)

20۔ عزم — پختہ ارادہ

11.6:خود جانچ سوالات

1 . تحریکِ آزادی برصغیر کا مختصر تعارف پیش کریں اور اس کے اہم مراحل بیان کریں۔

2 . اردو شاعری نے تحریکِ آزادی میں کس طرح فکری اور جذباتی کردار ادا کیا؟ تفصیل سے بیان کریں۔

3 . 1857ء کی جنگِ آزادی کے اردو شاعری پر اثرات کا جائزہ لیں۔

4 . بہادر شاہ ظفر اور مرزا غالب کی شاعری میں جنگِ آزادی کے اثرات کو واضح کریں۔

5 . حالی، محمد حسین آزاد اور شبلی نعمانی کی اصلاحی شاعری کا تحریکِ آزادی کے تناظر میں جائزہ لیں۔

11.7:مشقی سوالات

1. علامہ اقبال کی شاعری نے تحریکِ آزادی کو کس طرح نئی فکری جہت عطا کی؟ مثالوں کے ساتھ وضاحت کریں۔

2. چکبست، اکبرالہ آبادی اور اسمٰعیل میرٹھی کی شاعری میں حب الوطنی کے عناصر پر روشنی ڈالیں۔

3. جوش ملیح آبادی اور حسرت موہانی کی انقلابی شاعری کا تنقیدی جائزہ پیش کریں۔

4. ترقی پسند تحریک کے شعرا (مجاز، فیض، علی سردار جعفری) نے آزادی کے تصور کو کس طرح پیش کیا؟

5. اردو شاعری کو تحریکِ آزادی کی "روح" کیوں کہا جاتا ہے؟ مدلل جواب دیں۔

11.8:جواباتِ سرگرمی

1. 1857ء

2 . محرومی

3 . دہلی

4 . اصلاحی

5 . قدر و قیمت

6 . اتحاد

7 . حب الوطنی

8 . انقلاب

9 . انقلاب

10. فکر

8.9: امدادی کتب

۱۔ دکن میں اردو	—	نصیر الدین ہاشمی
۲۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو	—	مسعود حسین خان
۳۔ دکنی ادب کی تاریخ	—	عبدالقادر سروری
۴۔ حیدر آباد دکن میں اردو شاعری (1960 تک)	—	ناہیدہ سلطانہ
۵۔ دکنی اردو: تاریخ اور ساخت	—	رتھ لیلا شمٹ
۶۔ دکن میں اردو شاعری	—	جمیل جالبی

سبق : 12 انجمن پنجاب لاہور

ساخت

12.0 اغراض ومقاصد

12.1 تعارف

12.2 انجمن پنجاب لاہور

12.2.1 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

12.3 عمومی جائزہ

12.4 آپ نے کیا سیکھا؟

12.5 فرہنگ

12.6 خود جانچ سوالات

12.7 مشقی سوالات

12.8 جواباتِ سرگرمی

12.8.1 مشقی سوالات کے جوابات

12.9 امدادی کتب

12.0: اغراض ومقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ انجمن پنجاب لاہور کے تاریخی پس منظر سے بخوبی آگاہ ہو سکیں گے اور اس دور کے سماجی اور سیاسی حالات کو سمجھ سکیں گے جن میں اس انجمن کا قیام عمل میں آیا۔ اس سے آپ کو یہ شعور حاصل ہوگا کہ ادب اور معاشرہ ایک دوسرے سے گہرے طور پر جڑے ہوتے ہیں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ آپ انجمن پنجاب لاہور کی ادبی خدمات کو سمجھ سکیں۔ اس انجمن نے اردو شاعری اور نثر میں جو اصلاحات متعارف کروائیں، ان کا ادراک آپ کے لیے ضروری ہے تاکہ آپ اردو ادب کی ترقی کے مراحل کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔ اس ضمن میں خاص طور پر موضوعاتی مشاعروں کی اہمیت کو اجاگر کرنا مقصود ہے۔ تیسرا مقصد آپ ان اہم شخصیات سے متعارف ہو پائیں گئے جنہوں نے انجمن پنجاب لاہور کے ذریعے اردو ادب کو نئی سمت دی۔ جیسے مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی، جنہوں نے اصلاحی ادب کو فروغ دیا۔ ان شخصیات کے افکار اور خدمات کو سمجھنا آپ کے ادبی شعور کو وسیع کرتا ہے۔ چوتھا مقصد یہ ہے کہ آپ میں تنقیدی اور تجزیاتی صلاحیتوں کو فروغ دیا جائے۔ جب طلبہ اس سبق کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ یہ سیکھتے ہیں کہ کس طرح ادب میں تبدیلیاں آتی ہیں اور کس طرح نئی تحریکیں پرانی روایات کو بدل دیتی ہیں۔ اس سے ان کی سوچ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ پانچواں مقصد آپ کو اردو زبان و ادب کی اہمیت کا احساس دلانا ہے۔ انجمن پنجاب کی خدمات کو جان کر طلبہ میں اپنی زبان کے لیے محبت اور فخر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اردو ادب ایک زندہ اور متحرک روایت ہے جس نے مختلف ادوار میں نئے رجحانات کو قبول کیا ہے۔ اس سبق کے مطالعہ سے آپ اس قابل جائیں گے کہ آپ امتحانات میں اس موضوع پر بہتر انداز میں اظہار کر سکیں گے اور تحقیقی وتنقیدی انداز میں سوالات کے جوابات دے سکیں گے۔

12.1: تعارف

انجمن پنجاب اردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے جس نے انیسویں صدی میں برصغیر کے ادبی، تعلیمی اور فکری ماحول کو نئی جہت عطا کی۔ 1857 کی جنگِ آزادی کے بعد جب ہندوستانی معاشرہ سیاسی وسماجی زوال کا شکار تھا اور مسلمانوں میں مایوسی اور بے سمتی پائی جاتی تھی، اس وقت ایسے اداروں کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو قوم کو علمی، فکری اور ادبی طور پر نئی راہ دکھا سکیں۔ اسی پس منظر میں انجمن پنجاب کا قیام عمل میں آیا۔

اس انجمن کے قیام میں ڈاکٹر گوٹلیب ولیم لائٹنر کا کردار نمایاں تھا، جنہوں نے لاہور میں علمی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے اس

ادارے کی بنیاد رکھی۔ ابتدا میں اس کا مقصد تعلیم، سائنسی علوم اور مختلف زبانوں کے فروغ تک محدود تھا، لیکن جلد ہی یہ انجمن اردو ادب کی اصلاح اور ترقی کا مرکز بن گئی۔ اس نے نہ صرف ادبی سرگرمیوں کو منظّم کیا بلکہ اردو زبان کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس سبق میں انجمن پنجاب کے قیام کے اسباب، اس کے مقاصد، اس کی ادبی خدمات اور اس سے وابستہ اہم شخصیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس طرح اس انجمن نے اردو شاعری کو روایتی موضوعات سے نکال کر حقیقت نگاری، سادگی اور مقصدیت کی طرف مائل کیا۔ اس ضمن میں مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کی خدمات کا ذکر نہایت اہم ہے، جنہوں نے انجمن کے پلیٹ فارم سے اردو ادب میں اصلاحی تحریک کو فروغ دیا۔ انجمن پنجاب کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے مشاعرے اردو ادب کی تاریخ میں ایک انقلابی قدم تھے۔ ان مشاعروں میں شعرا کو مخصوص موضوعات دیے جاتے تھے، جس سے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو ایک نئی سمت ملی اور شاعری میں حقیقت پسندی کا عنصر پیدا ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس انجمن کو اردو ادب میں جدید رجحانات کے آغاز کا نقط ؟ آغاز سمجھا جاتا ہے۔ یہ سبق طلبہ کو نہ صرف انجمن پنجاب کی تاریخی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے بلکہ انہیں اردو ادب کی ارتقائی منازل کو سمجھنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ اس کے ذریعے طلبہ یہ جانتے ہیں کہ کس طرح ادبی تحریکیں معاشرتی تبدیلی کا سبب بنتی ہیں اور ادب کس طرح قوم کی فکری رہنمائی کرتا ہے۔ اس طرح یہ سبق اردو ادب کی تفہیم میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

12.2: انجمن پنجاب لاہور

انجمن پنجاب لاہور اردو ادب کی تاریخ میں ایک نہایت اہم اور مؤثر ادبی و ثقافتی انجمن تھی جس نے برصغیر کے ادبی، سماجی اور فکری رجحانات کو نئی سمت عطا کی۔ یہ انجمن محض ایک تنظیم نہیں بلکہ ایک تحریک تھی جس نے اردو زبان و ادب کو قدیم روایتی دائرے سے نکال کر جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ انیسویں صدی کا وسط برصغیر کی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ 1857 کی جنگِ آزادی کے بعد برصغیر کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی فضا یکسر بدل گئی۔ مسلمانانِ ہند کو زوال، شکست اور مایوسی کا سامنا تھا جبکہ انگریز حکومت نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے مختلف اصلاحی اور تعلیمی اقدامات شروع کیے۔ اسی دور میں جدید تعلیم، سائنسی فکر اور مغربی تہذیب کے اثرات نے برصغیر کی فکری دنیا میں ہلچل پیدا کی۔ ان حالات میں اہلِ علم و ادب کے سامنے یہ سوال تھا کہ اردو زبان اور اس کی ادبی روایت کو کس طرح نئی دنیا کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر انجمن پنجاب کا قیام عمل میں آیا۔

انجمن پنجاب کا قیام 1865ء میں لاہور میں عمل میں آیا۔ اس کے قیام میں انگریز افسران کے ساتھ ساتھ مقامی اہلِ علم نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ خاص طور پر ڈاکٹر گوٹلیب ولیم لائٹنر کا نام اس سلسلے میں نمایاں ہے جنہوں نے لاہور میں علمی و ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ انجمن کا بنیادی مقصد پنجاب میں تعلیم و ادب کو فروغ دینا، جدید علوم کی ترویج کرنا اور مختلف زبانوں کے علمی ذخیرے کو عام کرنا تھا۔ ابتدا میں اس انجمن کی سرگرمیاں محض تعلیمی اور سائنسی موضوعات تک محدود تھیں، لیکن جلد ہی اس نے ادبی میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دینا شروع کر دیں۔ انجمن پنجاب کے قیام کا ایک اہم پس منظر یہ بھی تھا کہ اس زمانے میں اردو ادب زیادہ تر روایت پرستی، تصنع اور مبالغہ آرائی کا شکار ہو چکا تھا۔ خاص طور پر شاعری میں خیالی مضامین، محبوب کی بے وفائی، حسن و عشق کے روایتی تصورات اور فرسودہ تشبیہات کا غلبہ تھا۔ زندگی کی حقیقتوں، معاشرتی مسائل اور جدید فکر کی عکاسی نہ ہونے کے برابر تھی۔ انجمن پنجاب نے اس جمود کو توڑنے کا بیڑا اٹھایا اور ادب کو حقیقت نگاری، سادگی اور مقصدیت کی طرف راغب کیا۔ انجمن پنجاب کی سب سے نمایاں خدمت اس کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے مشاعرے تھے جنہوں نے اردو شاعری میں ایک نئی روایت قائم کی۔ ان مشاعروں کو ''موضوعاتی مشاعرے'' کہا جاتا تھا کیونکہ ان میں شعرا کو پہلے سے ایک موضوع دیا جاتا تھا جس پر انہیں اپنی تخلیقات پیش کرنی ہوتی تھیں۔ یہ روایت اردو شاعری میں ایک انقلابی قدم تھا کیونکہ اس سے شعرا کو محض خیالی دنیا سے نکل کر حقیقی مسائل پر غور کرنے کی ترغیب ملی۔ ان مشاعروں کے ذریعے شاعری میں مقصدیت، حقیقت پسندی اور سادگی کو فروغ ملا۔

ان مشاعروں میں جن شعرا نے شرکت کی ان میں مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا محمد حسین آزاد انجمن پنجاب کے روحِ رواں تھے اور انہوں نے اردو ادب میں اصلاحی تحریک کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ان کی تصنیف ''آبِ حیات'' اردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ آزاد نے شاعری میں سادگی، فطرت نگاری اور حقیقت پسندی کی وکالت کی اور روایتی تصنع سے نجات دلانے کی کوشش کی۔ الطاف حسین حالی بھی انجمن پنجاب کے مشاعروں سے متاثر ہو کر اصلاحی شاعری کی طرف مائل ہوئے۔ ان کی مشہور نظم ''مد و جزرِ اسلام'' (مسدس حالی) اسی تحریک کا نتیجہ ہے جس میں انہوں نے مسلمانوں کے زوال اور ان کے اسباب کا تجزیہ کیا اور اصلاحِ احوال کی ضرورت پر زور دیا۔ حالی نے شاعری کو محض تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک سنجیدہ اور بامقصد فن قرار دیا۔ انجمن پنجاب کی خدمات صرف شاعری تک محدود نہیں تھیں بلکہ اس نے نثر کے میدان میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کے زیرِ اہتمام مختلف موضوعات پر لیکچرز، مباحثے اور علمی نشستیں منعقد کی جاتی تھیں جن میں تاریخ، سائنس، فلسفہ اور سماجی علوم پر گفتگو ہوتی تھی۔ اس سے نہ صرف علمی شعور میں اضافہ ہوا بلکہ اردو نثر کو بھی وسعت اور گہرائی ملی۔

انجمن پنجاب نے ترجمے کے میدان میں بھی اہم خدمات انجام دیں۔مغربی علوم وفنون کواردو میں منتقل کرنے کے لیے مختلف کتابوں کے تراجم کیے گئے تا کہ عام لوگ جدید علم سے مستفید ہوسکیں۔اس عمل نے اردوزبان کوایک جدیداور علمی زبان بنانے میں مدد دی۔اس کے ساتھ ساتھ انجمن نے مقامی زبانوں اور ثقافت کے فروغ پر بھی توجہ دی اور ایک ہمہ جہت علمی ماحول پیدا کیا۔انجمن پنجاب کے زیرِ اثر جوادبی تحریک پروان چڑھی اسے اردوادب میں''اصلاحی تحریک''کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس تحریک کا بنیادی مقصدادب کومعاشرتی اصلاح کا ذریعہ بنانا تھا۔اس کے تحت شعرااور ادبا کو یہ احساس دلایا گیا کہ ان کی ذمہ داری محض حسن وعشق کے قصے بیان کرنا نہیں بلکہ معاشرے کی اصلاح،اخلاقی تربیت اور قومی شعور کی بیداری بھی ہے۔اس انجمن سے وابستہ دیگراہم شخصیات میں شبلی نعمانی اوراکبرالہ آبادی جیسے نام بھی شامل کیے جاسکتے ہیں، اگر چہ ان کا براہِ راست تعلق انجمن سے کم تھا لیکن وہ اسی فکری فضا کے زیرِ اثر تھے جو انجمن پنجاب نے پیدا کی۔شبلی نعمانی نے تحقیق وتنقید کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں جبکہ اکبرالہ آبادی نے طنزومزاح کے ذریعے مغربی تہذیب کے اثرات اورسماجی مسائل پرروشنی ڈالی۔انجمن پنجاب کی ایک اوراہم خدمت یہ تھی کہ اس نے ادب میں جمہوری رجحان کوفروغ دیا۔اس سے پہلے ادب ایک مخصوص طبقے تک محدود تھا لیکن انجمن کے مشاعروں اور علمی نشستوں نے عام لوگوں کو بھی ادب سے جوڑ دیا۔اس سے اردوادب کا دائرہ وسیع ہوا اور نئے لکھنے والوں کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع ملا۔مزید برآں،انجمن پنجاب نے زبان وبیان کی اصلاح پر بھی زور دیا۔اس نے سادہ اور عام فہم زبان کے استعمال کوفروغ دیا تا کہ ادب زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے۔اس کے نتیجے میں اردونثر اور شاعری میں ایک نئی سادگی اورروانی پیدا ہوئی جو آج بھی اردوادب کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔

اگرانجمن پنجاب کی مجموعی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اس نے اردوادب کوایک نئے دور میں داخل کیا۔اس نے ادب کو محض تفریحی سرگرمی سے نکال کرایک سنجیدہ، بامقصداور معاشرتی طور پرمؤثرفن بنادیا۔اس کے زیرِ اثر پیدا ہونے والی اصلاحی تحریک نے اردوشاعری اورنثر دونوں کو نئی جہتیں عطا کیں۔انجمن پنجاب کے اثرات بعد کی ادبی تحریکوں میں بھی واضح طور پرنظر آتے ہیں۔چاہے وہ سرسید تحریک ہو یا ترقی پسند تحریک،سب نے کسی نہ کسی حد تک انجمن پنجاب کی فکری بنیادوں سے استفادہ کیا۔اس انجمن نے جوشعور پیدا کیا وہ اردو ادب کی ترقی میں ایک مستقل اور دیرپا کردار ادا کرتا رہا۔آخر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انجمن پنجاب لاہوراردوادب کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔اس نے نہ صرف اپنے عہد میں ادب کونئی زندگی بخشی بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایک مضبوط بنیاد فراہم کی۔اس کی خدمات،اس سے وابستہ شعراوادبا کی کاوشیں اوراس کے فکری اثرات آج بھی اردوادب میں زندہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔

12.2.1 : سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

1۔ انجمن پنجاب کا قیام ______ میں عمل میں آیا۔

2۔ انجمن پنجاب کا مرکز شہر ______ تھا۔

3۔ انجمن کے قیام میں ______ کا کردار اہم تھا۔

4۔ موضوعاتی مشاعروں کا آغاز ______ نے کیا۔

5۔ مولانا محمد حسین آزاد ایک معروف ______ تھے۔

6۔ الطاف حسین حالی کی مشہور نظم ______ ہے۔

7۔ انجمن پنجاب نے اردو شاعری میں ______ کو فروغ دیا۔

8۔ انجمن پنجاب نے ______ کے میدان میں بھی خدمات انجام دیں۔

9۔ انجمن پنجاب اردو ادب کی ______ تحریک سے وابستہ ہے۔

12.3: عمومی جائزہ

انجمن پنجاب کا عمومی جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ ادارہ اردو ادب کی اصلاح اور ترقی میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا قیام ایسے وقت میں عمل میں آیا جب اردو ادب روایت پرستی اور فرسودہ موضوعات کا شکار تھا۔ اس انجمن نے ادب کو ایک نئی سمت دی اور اسے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ انجمن پنجاب کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کے مشاعرے تھے، جنھیں موضوعاتی مشاعرے کہا جاتا تھا۔ ان مشاعروں میں شعرا کو پہلے سے ایک موضوع دیا جاتا تھا، جس پر انہیں اپنی شاعری پیش کرنی ہوتی تھی۔ اس سے شاعری میں مقصدیت اور حقیقت نگاری کو فروغ ملا۔ یہ ایک انقلابی قدم تھا جس نے اردو شاعری کو ایک نئی جہت عطا کی۔ اس انجمن سے وابستہ اہم شخصیات میں مولانا محمد حسین آزاد کا نام سرِ فہرست ہے، جنھوں نے انجمن کے ذریعے اردو ادب میں اصلاحی تحریک کو فروغ دیا۔ ان کے ساتھ الطاف حسین حالی نے بھی

شاعری میں مقصدیت اور حقیقت پسندی کو عام کیا۔ حالی کی نظم ''مدو جزرِ اسلام'' اس تحریک کی ایک نمایاں مثال ہے۔ انجمن پنجاب نے نثر کے میدان میں بھی اہم خدمات انجام دیں۔ اس کے زیرِ اہتمام مختلف علمی و ادبی مجالس منعقد ہوتی تھیں جن میں مختلف موضوعات پر گفتگو کی جاتی تھی۔ اس سے اردو نثر کو وسعت ملی اور اس میں علمی گہرائی پیدا ہوئی۔ مزید برآں، انجمن نے ترجمے کے میدان میں بھی نمایاں کام کیا۔ مغربی علوم کو اردو میں منتقل کرنے سے نہ صرف علم کا دائرہ وسیع ہوا بلکہ اردو زبان بھی ایک جدید اور ترقی یافتہ زبان کے طور پر سامنے آئی۔ اس عمل نے اردو کو ایک علمی زبان بنانے میں مدد دی۔ انجمن پنجاب کے اثرات بعد کی ادبی تحریکوں میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس نے اردو ادب میں جو اصلاحی رجحانات متعارف کروائے، وہ بعد میں مختلف ادبی تحریکوں کی بنیاد بنے۔ اس طرح یہ انجمن اردو ادب کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

12.4: آپ نے کیا سیکھا؟

اس سبق کے مطالعہ سے یہ سیکھا گیا ہے کہ انجمن پنجاب نے اردو ادب کی ترقی میں نہایت اہم کردار ادا کیا اور ادب کو محض روایتی اور خیالی موضوعات تک محدود رکھنے کے بجائے اسے حقیقت، مقصدیت اور اصلاحِ معاشرہ کی طرف راغب کیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ادب صرف تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک مؤثر سماجی اور فکری قوت بھی ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ 1857 کے بعد کے حالات نے اہلِ علم کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ ادب کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ چنانچہ انجمن پنجاب کے ذریعے جدید رجحانات کو فروغ ملا اور اردو شاعری میں موضوعاتی مشاعروں کی روایت قائم ہوئی، جس سے شاعری میں سنجیدگی اور مقصدیت پیدا ہوئی۔ اس سبق سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ بڑی ادبی تبدیلیاں اجتماعی کوششوں سے جنم لیتی ہیں۔ جیسے مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی نے اپنی تحریروں اور خیالات کے ذریعے اردو ادب کو نئی سمت دی اور اصلاحی ادب کو فروغ دیا۔ مزید یہ کہ اس سبق سے طلبہ میں اردو زبان و ادب کی اہمیت کا شعور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ادب معاشرے کی عکاسی بھی کرتا ہے اور اس کی اصلاح کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ اس طرح یہ سبق ہمیں فکری بیداری، تنقیدی سوچ اور اپنی ادبی روایت سے آگاہی فراہم کرتا ہے۔

12.5: فرہنگ

پس منظر — کسی واقعے یا موضوع کے پیچھے موجود حالات

اصلاحی	—	بہتری لانے سے متعلق
تحریک	—	کسی مقصد کے لیے چلائی جانے والی منظّم کوشش
روایت پرستی	—	پرانی روایات کو بغیر تبدیلی کے اپنانا
حقیقت نگاری	—	سچائی اور اصل حالات کی عکاسی
مقصدیت	—	کسی واضح مقصد کا ہونا
فکری	—	سوچ اور خیال سے متعلق
ادبی	—	ادب سے متعلق
مبالغہ آرائی	—	بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا
تنقیدی	—	تجزیہ اور پرکھ کرنے والا
سادگی	—	آسانی اور بے تکلفی
ترجمہ	—	ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا
شعور	—	سمجھ بوجھ یا آگاہی
جمود	—	ٹھہراؤ یا تبدیلی کا نہ ہونا
معاشرتی	—	معاشرے سے متعلق

12.6: خود جانچ سوالات

1 ۔ انجمن پنجاب کے اثرات اردو ادب پر کیسے مرتب ہوئے؟

2 ۔ انجمن پنجاب کے پس منظر پر تفصیلی نوٹ لکھیے ۔

3۔ اردو نثر کی ترقی میں انجمن پنجاب کا کردار بیان کریں۔

4۔ انجمن پنجاب اور اصلاحی تحریک کا باہمی تعلق واضح کریں۔

5۔ انجمن پنجاب کی مجموعی اہمیت پر اظہارِ خیال کریں۔

12.7: مشقی سوالات

1۔ انجمن پنجاب کے قیام کے اسباب بیان کیجیے۔

2۔ انجمن پنجاب کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

3۔ موضوعاتی مشاعروں کی اہمیت بیان کریں۔

4۔ مولانا محمد حسین آزاد کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

5۔ الطاف حسین حالی کی اصلاحی شاعری پر بحث کریں۔

12.8: جواباتِ سرگرمی

1۔ 1865ء

2۔ لاہور

3۔ ڈاکٹر گوٹلیب ولیم لائٹنر

4۔ انجمن پنجاب

5۔ ادیب/نقاد

6۔ مدوجزرِ اسلام

7۔ حقیقت نگاری

8۔ ترجمہ

9۔ اصلاحی

12.8.1: مشقی سوالات کے جوابات

جواب 1 : انجمن پنجاب کا قیام انیسویں صدی کے ان حالات کا نتیجہ تھا جب برصغیر ایک بڑے سیاسی، سماجی اور تہذیبی بحران سے

گزر رہا تھا۔ 1857 کی جنگ کے بعد مسلمانانِ ہند زوال، مایوسی اور پسماندگی کا شکار ہو گئے تھے۔ انگریز حکومت کے زیرِ اثر نئی تعلیمی پالیسیوں، سائنسی علوم اور مغربی افکار کا فروغ ہو رہا تھا، مگر مقامی آبادی خصوصاً مسلمان ان تبدیلیوں سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہو پا رہے تھے۔ ایسے حالات میں ایک ایسے ادارے کی ضرورت محسوس ہوئی جو تعلیم، ادب اور فکر کو ایک نئی سمت دے۔ چنانچہ انجمن پنجاب کا قیام عمل میں آیا، جس میں ڈاکٹر گوٹلیب ولیم لائٹنر نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اس کا بنیادی مقصد علمی بیداری پیدا کرنا، جدید علوم کو فروغ دینا اور اردو ادب کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا تھا۔

جواب 2 : انجمن پنجاب کی ادبی خدمات نہایت وسیع اور ہمہ جہت ہیں۔ اس ادارے نے اردو ادب کو روایت پرستی اور فرسودگی سے نکال کر ایک نئے دور میں داخل کیا۔ اس کے زیرِ اہتمام علمی مجالس، لیکچرز اور مباحثے منعقد کیے جاتے تھے جن میں مختلف علمی و ادبی موضوعات پر گفتگو ہوتی تھی۔ اس سے نہ صرف علمی شعور میں اضافہ ہوا بلکہ اردو نثر کو بھی وسعت ملی۔ انجمن نے ترجمے کے میدان میں بھی اہم خدمات انجام دیں اور مغربی علوم کو اردو میں منتقل کیا، جس سے زبان کی ترقی اور علمی دائرے کی توسیع ممکن ہوئی۔ سب سے بڑھ کر، اس نے ادب کو اصلاحِ معاشرہ کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی، جو اس کی سب سے بڑی ادبی خدمت ہے۔

جواب 3 : موضوعاتی مشاعرے انجمن پنجاب کا ایک انقلابی کارنامہ تھے۔ اس سے پہلے اردو شاعری زیادہ تر روایتی مضامین جیسے عشق، محبوب، اور خیالی تصورات تک محدود تھی۔ انجمن نے اس روایت کو بدلنے کے لیے مشاعروں میں شعرا کو پہلے سے ایک خاص موضوع دیا، جس پر انہیں اپنی شاعری پیش کرنی ہوتی تھی۔ اس سے شاعری میں حقیقت نگاری، سنجیدگی اور مقصدیت پیدا ہوئی۔ شعرا نے معاشرتی مسائل، اخلاقی اصلاح اور قومی بیداری جیسے موضوعات کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ اس طرح موضوعاتی مشاعروں نے اردو شاعری کو ایک نئی سمت دی اور اسے زندگی کے حقیقی مسائل سے جوڑ دیا۔

جواب 4 : مولانا محمد حسین آزاد انجمن پنجاب کے روحِ رواں تھے اور انہوں نے اردو ادب کی اصلاح میں بنیادی کردار ادا کیا۔ وہ ایک بلند پایہ ادیب، نقاد اور مورخ تھے۔ ان کی مشہور تصنیف ''آبِ حیات'' اردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ آزاد نے شاعری میں سادگی، فطرت نگاری اور حقیقت پسندی کی وکالت کی۔ انہوں نے شعرا کو تلقین کی کہ وہ محض خیالی دنیا میں نہ رہیں بلکہ حقیقی زندگی اور معاشرتی مسائل کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنائیں۔ ان کی کاوشوں سے اردو ادب میں ایک نئی فکری بیداری پیدا ہوئی۔

جواب 5: الطاف حسین حالی اردو ادب کے عظیم مصلح شاعر تھے جنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی

نظم "مدوجزرِ اسلام" (مسدس حالی) اردو شاعری کا ایک شاہکار ہے جس میں انہوں نے مسلمانوں کے زوال کے اسباب بیان کیے اور انہیں بیدار ہونے کا پیغام دیا۔ حالی نے شاعری کو اخلاقی اور سماجی اصلاح کا ذریعہ بنایا اور سادگی، خلوص اور حقیقت پسندی کو فروغ دیا۔ ان کی شاعری میں دردِ دل، قومی شعور اور اصلاحی جذبہ نمایاں نظر آتا ہے۔ اس طرح حالی کی اصلاحی شاعری نے اردو ادب کو ایک نئی روح بخشی اور اسے زندگی کے قریب تر کر دیا۔ ان تمام نکات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انجمن پنجاب اور اس سے وابستہ شخصیات نے اردو ادب کو ایک نئی جہت دی، جس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

8.9: امدادی کتب

۱۔ انجمن پنجاب تاریخ و خدمات	—	صفیہ بانو
۲۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو	—	مسعود حسین خان
۳۔ دکنی ادب کی تاریخ	—	عبدالقادر سروری
۴۔ حیدرآباد دکن میں اردو شاعری (1960 تک)	—	ناہیدہ سلطانہ
۵۔ دکنی اردو: تاریخ اور ساخت	—	رتھ لیلا شمٹ
۶۔ انجمن پنجاب لاہور کے مشاعرے	—	عارف ثاقب

سبق : 13 اردو شاعری اور قومی یکجہتی

ساخت

13.0 اغراض و مقاصد
13.1 تعارف
13.2 اردو شاعری اور قومی یکجہتی
13.2.1 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)
13.3 عمومی جائزہ
13.4 آپ نے کیا سیکھا؟
13.5 فرہنگ
13.6 خود جانچ سوالات
13.7 مشقی سوالات
13.8 جواباتِ سرگرمی
13.8.1 مشقی سوالات کے جوابات
13.9 امدادی کتب

13.0: اغراض و مقاصد

اس سبق کا بنیادی مقصد آپ کو اردو شاعری کی اس اہم خصوصیت سے روشناس کرانا ہے کہ یہ صرف جمالیاتی اظہار نہیں بلکہ ایک سماجی

اوراخلاقی قوت بھی ہے۔آپ کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اردو شاعری نے ہمیشہ انسان دوستی، محبت اور اتحاد کا پیغام دیا ہے۔ایک اہم مقصد یہ ہے کہ آپ کو قومی یکجہتی کے تصور سے آگاہ کیا جائے اور بتایا جائے کہ مختلف مذاہب، ثقافتوں اور زبانوں کے باوجود ایک قوم کیسے متحد رہ سکتی ہے۔اردو شاعری اس اتحاد کو فروغ دینے میں کس طرح مددگار ثابت ہوئی، اس کا شعور پیدا کرنا بھی اس سبق کا حصہ ہے۔اس کے علاوہ آپ میں تاریخی شعور پیدا کرنا بھی اس سبق کا مقصد ہے تاکہ آپ مختلف ادوار میں اردو شاعری کے کردار کو سمجھ سکیں۔صوفی دور، دکنی دور، کلاسیکی دور، تحریک آزادی اور ترقی پسند تحریک۔ان سب ادوار میں قومی یکجہتی کے فروغ میں شاعری کے کردار کو اجاگر کرنا اس سبق کا اہم ہدف ہے۔آپ میں تنقیدی سوچ پیدا کرنا بھی اس سبق کا ایک اہم مقصد ہے تاکہ آپ شاعری کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ کرسکیں اور اس کے سماجی اثرات کو سمجھ سکیں۔یہ سبق آپ میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے بھی ترتیب دیا گیا ہے۔مختلف شعرا کی شاعری کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ وطن سے محبت اور اس کی ترقی کے لیے کام کرنا ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔مزید برآں، اس سبق کا مقصد آپ میں رواداری اور برداشت کا جذبہ پیدا کرنا ہے تاکہ آپ ایک کثیر الثقافتی معاشرے میں پرامن طریقے سے رہ سکیں۔آخر میں، اس سبق کا مقصد یہ بھی ہے کہ آپ اردو ادب کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کے مطالعہ میں دلچسپی لیں تاکہ وہ اپنے ادبی ورثے کو محفوظ رکھ سکیں۔

13.1: تعارف

اردو شاعری برصغیر کی تہذیبی، سماجی اور فکری تاریخ کا ایک نہایت اہم حصہ ہے، جس نے اپنے آغاز ہی سے انسان دوستی، رواداری، اخوت اور اتحاد جیسے آفاقی تصورات کو فروغ دیا۔یہ شاعری محض جذبات کے اظہار تک محدود نہیں رہی بلکہ اس نے ایک مضبوط سماجی قوت کے طور پر مختلف مذاہب، ثقافتوں اور طبقات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔اردو زبان خود مختلف تہذیبوں کے امتزاج کا نتیجہ ہے، جس میں فارسی، عربی، ترکی اور مقامی ہندی عناصر شامل ہیں۔یہی تنوع اردو شاعری میں بھی وحدت کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ابتدائی دور میں صوفیاء کرام نے اردو شاعری کو انسانیت، محبت اور مساوات کا پیغام دینے کا ذریعہ بنایا۔ان کے کلام میں مذہبی رواداری اور انسانی یکجہتی کا تصور نمایاں نظر آتا ہے۔انہوں نے انسان کی اصل پہچان کو اس کے کردار اور اخلاق سے جوڑا، نہ کہ اس کے مذہب یا ذات سے۔یہی فکر قومی یکجہتی کی بنیاد ہے۔

دکن کے شعرا نے اردو شاعری کو فروغ دیتے ہوئے اس میں محبت، بھائی چارے اور ثقافتی ہم آہنگی کے عناصر شامل کیے۔بعد ازاں

دہلی کے شعرانے ان روایات کو آگے بڑھایا اور شاعری کو ایک وسیع انسانی تجربے کے طور پر پیش کیا۔ کلاسیکی دور میں بھی اردو شاعری میں انسان دوستی اور باہمی احترام کا جذبہ نمایاں رہا۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں اردو شاعری نے قومی شعور کو بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس دور کے شعرانے غلامی کے خلاف آواز اٹھائی اور عوام کو اتحاد اور آزادی کا پیغام دیا۔ تحریک آزادی کے دوران شاعری ایک مؤثر ہتھیار بنی جس نے لوگوں میں حوصلہ اور یکجہتی پیدا کی۔ ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری کو ایک نئی جہت دی، جس میں معاشرتی انصاف اور برابری کو اہمیت دی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ مذہبی رواداری، ثقافتی یکجہتی اور حب الوطنی کے جذبات کو بھی فروغ ملا۔ معاصر دور میں بھی اردو شاعری اپنی اثر انگیزی برقرار رکھے ہوئے ہے اور جدید مسائل کو اجاگر کرتے ہوئے امن، بھائی چارے اور اتحاد کا پیغام دے رہی ہے۔ اس طرح اردو شاعری نہ صرف ماضی میں بلکہ حال اور مستقبل میں بھی قومی یکجہتی کے فروغ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

13.2: اردو شاعری اور قومی یکجہتی

اردو شاعری اپنی ابتداء ہی سے انسان دوستی، رواداری، اخوت اور اتحاد جیسے آفاقی تصورات کی ترجمان رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کی تہذیبی تاریخ میں اردو شاعری کو محض اظہارِ جذبات کا وسیلہ نہیں بلکہ ایک مضبوط سماجی قوت کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے، جو مختلف طبقات، مذاہب اور ثقافتوں کو ایک لڑی میں پروتی رہی ہے۔ اردو زبان خود ایک ایسی زبان ہے جو مختلف تہذیبوں کے امتزاج سے وجود میں آئی۔ اس میں فارسی، عربی، ترکی اور مقامی ہندی بولیوں کا حسین سنگم پایا جاتا ہے۔ یہی کثرت میں وحدت کا تصور اردو شاعری کی روح میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ جب ہم اردو شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس میں ایک ایسا آفاقی شعور دکھائی دیتا ہے جو انسان کو انسان سے جوڑنے، دلوں کو قریب لانے اور معاشرتی فاصلے مٹانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ یہی عناصر قومی یکجہتی کی بنیاد بنتے ہیں۔ ابتدائی اردو شاعری میں صوفیاء کرام کا کردار بہت اہم ہے۔ صوفی شعراء نے اپنے کلام کے ذریعے محبت، بھائی چارہ اور انسانی مساوات کا پیغام عام کیا۔ ان کے نزدیک انسان کی پہچان اس کے مذہب، ذات یا رنگ سے نہیں بلکہ اس کے کردار اور انسانیت سے ہوتی ہے۔ یہی فکر قومی یکجہتی کے تصور کو مضبوط کرتی ہے۔ صوفی شاعری میں ایک ایسا عالمگیر پیغام موجود ہے جو ہر دور اور ہر معاشرے کے لیے قابلِ قبول ہے۔ یہ شاعری انسان کو تفرقہ بازی سے نکال کر وحدت کی طرف لے جاتی ہے۔

اردو شاعری کے کلاسیکی دور میں بھی ہمیں قومی یکجہتی کے واضح آثار ملتے ہیں۔ اس دور کے شعراء نے اپنے کلام میں انسان کے باہمی

رشتوں، سماجی انصاف اوراخلاقی قدروں کوموضوع بنایا۔ اگر چہ اس زمانے کی شاعری زیادہ تر عشقیہ مضامین پر مشتمل تھی ،لیکن اس میں بھی انسان دوستی اور باہمی احترام کا جذبہ نمایاں تھا۔عشق کو محض ایک ذاتی جذبہ نہیں بلکہ ایک وسیع انسانی تجربے کے طور پر پیش کیا گیا، جو انسان کو خود غرضی سے نکال کر دوسروں کے لیے جینے کا درس دیتا ہے۔اردوادب کے گہوارہ دکن میں سلاطین نے بھی اردو زبان وادب کی خوب سرپرستی کی۔ چناں چہ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر سلطان قلی قطبؔ شاہ کے دکنی اردو دیوان میں قومی یگانگت کی فضا ٔاخوت ومحبت اور جذبہ ؟ ایثار کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ مذہبی رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا یہ پہلو نصرتی ،غواصیؔ، ابن نشاطی ملا وجہیؔ وغیرہ کے پاس بھی ملتا ہے۔ ولی اورنگ آبادی نے دکن سے اردو شاعری کا جو تحفہ ''دیوان ولیؔ'' کی صورت میں دہلی والوں کی خدمت میں پیش کیا اُس میں مذہبی قرابت داری، لسانی وثقافتی رشتوں کی پائیداری، تہذیبی ہم آہنگی اوراخوت و بھائی چارے کے مختلف رنگ نمایاں ہیں۔ دیوان ولیؔ کا اثر ہم عصر شعراء پر اس طرح ہوا کہ دہلی کے نامی گرامی شعراء جیسے حاتمؔ، آبروؔ، ناجیؔ وغیرہ نے نہ صرف اردو شاعری میں عشق ومحبت کے جذبات عام کیے بلکہ تہذیبی واخلاقی قدروں کی فضا بھی بہر حال قائم کی۔ انہی خوشگوار روایات کو میر تقی میرؔ اور مرزا محمد رفیع سوداؔ کے یہاں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

کعبہ پہنچا تو کیا ہوا اے شیخ
سعی کر ٹک پہنچ کسی دل تک (میرؔ)

اُسی دور کے دوسرے شعراء خواجہ میر دردؔ، میر سوزؔ، قائم چاندی پوری کے یہاں بھی قومی اتحاد وہم آہنگی کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ بعد کے زمانے میں خواجہ حیدر علی آتشؔ، امام بخش ناسخ، انشاء اللہ خان انشاء، غلام ہمدانی مصحفیؔ، مرزا غالبؔ، مومن خان مومنؔ، شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ ' اور بہادر شاہ ظفرؔ نے پیشرو شعراء کی وسیع المشربی، صلح کل کی پالیسی اور مذہبی رواداری کی صالح روایات کو اپنایا۔ مراز غالبؔ کے درج ذیل اشعار انہی خیالات کی غمازی کرتے ہیں۔

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں
نہیں کچھ سبحہ و زنا ر کے پھندے میں گیر ائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

ہندوستان جنت نشاں بہ لحاظِ آبادی دنیا کا پہلا بڑا ملک ہے' جہاں بھانت بھانت کی قومیں رہتی بستی ہیں' جن کے مذاہب اور رنگ و نسل میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔جن کی زبانیں الگ الگ' رسوم و رواج علاحدہ اور تہذیب و ثقافت میں رنگا رنگی اور بوقلمونی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔اس کی مثال ایک ایسے گلستان کی سی ہے جہاں مختلف مذاہب اخلاقیات کا گلدستہ بنے ہوئے ہیں۔عقائد و مسالک' فلسفہ و نظریات کے گلہائے خوش رنگ اپنی بہار دکھاتے ہیں۔بقولِ ذوقؔ دہلوی

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن
اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

حب الوطنی' قومی یک جہتی' اتحاد و اتفاق اور امن و اماں کا تصور پختہ ہونے لگا۔اس سلسلے میں غالب کا درجِ ذیل شعر ملاحظہ ہو:

وفاداری بشرط اُستواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

انیسویں صدی میں جب برصغیر میں سیاسی، سماجی اور تعلیمی تبدیلیاں رونما ہوئیں تو اردو شاعری نے بھی ایک نئی سمت اختیار کی۔اس دور کے شعراء نے قومی شعور کو بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔انہوں نے غلامی کے خلاف آواز بلند کی اور عوام کو اپنی شناخت، اپنی ثقافت اور اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کرنے کا پیغام دیا۔اس دور کی شاعری میں اتحاد، قربانی اور مشترکہ جدوجہد کے عناصر نمایاں ہیں، جو قومی یکجہتی کے بنیادی ستون ہیں۔بیسویں صدی میں اردو شاعری نے اپنے عروج کو پہنچتے ہوئے قومی یکجہتی کے تصور کو مزید وسعت دی۔تحریکِ آزادی کے دوران شاعری ایک طاقتور ذریعہ بنی، جس کے ذریعے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا گیا۔شاعروں نے اپنے کلام کے ذریعے عوام میں حوصلہ، امید اور اتحاد کا جذبہ پیدا کیا۔ان کی شاعری نے لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ وہ ایک مشترکہ مقصد کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں اور ان کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے رہیں۔

اردو شاعری میں بیسویں صدی کا آفتاب شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ کی صورت میں سرور جہاں آبادیؔ، برج نارائن چکبستؔ' تلوک چند محرومؔ جیسی کرنوں کو اپنے جلو میں لے کر طلوع ہوا جن کی قومی شاعری کی کرنوں نے پورے ملک کو روشن کر دیا۔علامہ اقبالؔ نے ہمالیہ' ایک آرزو' چاند، ابر کہسار، تصویر درد، ترانہ ہندی بچوں کا ہندوستانی گیت، نیا شوالہ جیسی نظمیں لکھ کر ملک اور قوم کی محبت کا ثبوت دیا۔تو دوسری طرف ابوبکر صدیقؓ حضرت بلالؓ اور فاطمہ زہرہ کے ساتھ ساتھ گرونانک، سوامی رامانند تیرتھ جیسی نظمیں لکھیں جو جذبہ حب الوطنی کی نایاب مثالیں

ہیں۔ 'تصویر درد' کا ہر شعر جذبہ حب الوطنی سے سرشار دکھائی دیتا ہے۔

وطن کی کر فکر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاوگے اے ہندوستان والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

جبکہ نیا شوالہ، میں ایک ایسا شوالہ تیار کرنے کی خواہش ملتی ہے، جس کا تیرتھ دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو، جس کی سرزمیں کا ایک ایک ذرہ دیوتا سمجھا جائے۔ ہر صبح میٹھے میٹھے منتر گائے جائیں اور سبھی قومیں پریت کی مئے پی کر سرشار ہو جائیں:

آ غیریت کے پردے اک بار پھر اُٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں ' نقشِ دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے ' مدت سے دل کی بستی
آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملا دیں
ہر صبح اُٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مئے پیت کی پلا دیں

ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس تحریک کے شعراء نے معاشرتی ناانصافی، طبقاتی فرق اور استحصالی نظام کے خلاف آواز اٹھائی۔ ان کے نزدیک قومی یکجہتی صرف نعروں تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کا تعلق معاشی اور سماجی برابری سے بھی تھا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک معاشرے کے تمام افراد کو برابر کے حقوق حاصل نہیں ہوں گے، اس وقت تک حقیقی یکجہتی ممکن نہیں۔ اس فکر نے اردو شاعری کو ایک انقلابی رنگ دیا اور اسے عوام کے قریب تر کر دیا۔

اردو شاعری میں مذہبی رواداری بھی قومی یکجہتی کا ایک اہم پہلو ہے۔ مختلف شعراء نے اپنے کلام میں اس بات کو اجاگر کیا کہ تمام مذاہب

کا بنیادی پیغام محبت، امن اور انسانیت ہے۔ انھوں نے مذہبی اختلافات کو نفرت کا سبب بنانے کے بجائے ایک دوسرے کو سمجھنے اور قبول کرنے کا ذریعہ بنایا۔ یہ رویہ ایک کثیر المذاہب معاشرے میں نہایت اہمیت رکھتا ہے، جہاں مختلف عقائد کے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں، اردو شاعری نے ثقافتی یکجہتی کو بھی فروغ دیا ہے۔ اس میں مختلف علاقوں، زبانوں اور رسم و رواج کا ذکر ملتا ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ اردو شاعری نے ہمیشہ تنوع کو قبول کیا ہے۔ یہ شاعری ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ اختلافات کے باوجود ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی سے رہ سکتے ہیں۔ یہی پیغام قومی یکجہتی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اردو شاعری میں وطن سے محبت کا جذبہ بھی نمایاں طور پر موجود ہے۔ حب الوطنی کے موضوع پر لکھی گئی شاعری نے لوگوں میں اپنے ملک کے لیے فخر اور وابستگی کا احساس پیدا کیا۔ یہ شاعری نہ صرف وطن کی خوبصورتی اور عظمت کو بیان کرتی ہے بلکہ اس کی حفاظت اور ترقی کے لیے قربانی دینے کا جذبہ بھی پیدا کرتی ہے۔ حب الوطنی کا یہی جذبہ قومی یکجہتی کو مضبوط بناتا ہے، کیونکہ جب لوگ اپنے وطن سے محبت کرتے ہیں تو وہ اس کی سلامتی اور خوشحالی کے لیے متحد ہو جاتے ہیں۔

فراق گورکھپوری نے اپنی شاعری سے یقینی طور پر ایک دنیا آباد کی ہے۔ ان کے یہاں وطن پرستی اور حب الوطنی کے نادر نمونے ملتے ہیں۔ ان کی مشہور نظم ''ہنڈولے'' اس وقت بے اختیار یاد آتی ہے۔ جس میں فراق نے ہندوستانی تہذیب اور معاشرت کی جس حسین پیرایہ میں عکاسی کی ہے۔ وہ بلا مبالغہ آفاقیت عطا کرتی ہے۔ یہ پوری نظم ہندوستان کی شاندار روایت اور گنگا جمنی تہذیب کی خوشبو سے معطر ہے۔ اس کے چند بند دیکھئے۔ ؎

دیار ہند گہوارہ یاد ہے ہمدم بہت زمانہ ہوا کس کے کس کے بچپن کا
اسی زمین پہ کھیلا ہے رام کا بچپن اسی زمین پہ ننھے ننھے ہاتھوں نے
کسی سمئے دھنش بان کو سنبھالا تھا اسی دیار نے دیکھی کرشن کی لیلا
اسی زمین سے اٹھے تان سین اور اکبر رحیم و نانک و چیتنیہ اور چشتی
انھیں فضاو ?ں میں بچپن کے دن گزارے تھے اہلیا بائی، دمن، پدمنی و رضیہ نے
یہیں کے پیڑوں کی شاخوں پہ ڈالے تھے جھولے اسی فضا میں بڑھائی تھی پینگ بچپن کی
انھیں فضاوں میں گونجی تھی توتلی بولی کبیر داس، تکا رام، سور و میرا کی

اسی ہنڈولے میں ودیا پتی کا کنٹھ کھلا　　اسی زمین کے تھے لال میر و غالبؔ
یہیں سے اُٹھے تھے تہذیب ہند کے معمار　　اسی زمین نے دیکھا تھا بالپن ان کا

فراقؔ کی اس نظم میں بقول خود فراق ہندوستانی تہذیب کی رنگارنگای نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ایسی نظمیں اردو شاعری کے خزانے کا بہت اہم اور قیمتی سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔وطن سے جنون کی حد تک عشق میں حفیظ جالندھری بھی گرفتار رہے۔اپنے وطن کی مٹّی ،ندیاں، پربت، باغ، پھول سے والہانہ لگاو؟ ان کے عشق کا بے حد خوبصورت اظہار ہے۔حُب الوطنی پر مبنی ان کی بہت ساری نظمیں ہیں، جن میں نیرنگ فرہنگ،اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے،میر جوانی،خون کے چراغ وغیرہ ایسی نظمیں ہیں، جو آج بھی لوگ بھول نہیں پائے ہیں اور جب کبھی حُب اوطنی میں ڈوبی نظموں کا ذکر آتا ہے۔ان کی ان نظموں کو ضرور یاد کیا جاتا ہے۔ان میں سے اپنے وقت کی بے حد مشہور اور مقبول ایک نظم ''اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے'' کا کچھ حصّہ دیکھئے اور انھیں داد دیں۔۔۔۔۔۔۔

اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے
اپنے وطن میں دن رات پیارے
وہ چاند سورج نوری غبارے
وہ ندیاں ہیں امرت کے دھارے
دنیا سے اونچے پربت ہمارے
باغ اور آکاش پھول اور تارے
سب منتظر ہیں ہمارے تمہارے
اپنے وطن مین سب کچھ ہے پیارے

معاصر دور میں بھی اردو شاعری قومی یکجہتی کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔آج کے شعراء اپنے کلام میں جدید مسائل کو موضوع بناتے ہوئے معاشرتی ہم آہنگی،امن اور بھائی چارے کا پیغام دے رہے ہیں۔وہ شدت پسندی،تعصب اور نفرت کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اور لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کی شاعری میں ایک ایسا شعور پایا جاتا ہے جو انسان کو اپنی ذمہ داریوں کا

احساس دلاتا ہے اور اسے ایک بہتر معاشرہ تشکیل دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ اردو شاعری کی ایک اہم خصوصیت اس کی اثر انگیزی ہے۔ یہ شاعری نہ صرف دل کو متاثر کرتی ہے بلکہ ذہن کو بھی بیدار کرتی ہے۔ اس میں موجود سادگی، روانی اور موسیقیت اسے عام لوگوں کے لیے قابلِ فہم بناتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری نے ہمیشہ عوامی سطح پر گہرا اثر ڈالا ہے اور قومی یکجہتی کے فروغ میں ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوئی ہے۔ قومی یکجہتی کے حوالے سے اردو شاعری کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انسان کو اس کی مشترکہ شناخت کا احساس دلایا۔ اس نے یہ پیغام دیا کہ ہم سب ایک ہی معاشرے کا حصہ ہیں اور ہماری خوشحالی ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہے۔ اگر ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں، ایک دوسرے کا احترام کریں اور اختلافات کو برداشت کریں تو ہم ایک مضبوط اور متحد قوم بن سکتے ہیں۔

آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو شاعری قومی یکجہتی کا ایک طاقتور ذریعہ رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ یہ شاعری ہمیں محبت، رواداری، اتحاد اور اخوت کا درس دیتی ہے اور ہمیں ایک بہتر انسان اور ایک بہتر شہری بننے کی ترغیب دیتی ہے۔ موجودہ دور میں جب دنیا مختلف قسم کے چیلنجز سے دوچار ہے، اردو شاعری کا یہ پیغام پہلے سے زیادہ اہم ہو گیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس ادبی ورثے کو نہ صرف محفوظ رکھیں بلکہ اسے فروغ دیں تاکہ ہماری آنے والی نسلیں بھی اس سے رہنمائی حاصل کر سکیں اور ایک پرامن اور متحد معاشرہ تشکیل دے سکیں۔ اردو شاعری کی تاریخ میں قومی یکجہتی کا تصور ہمیشہ ایک بنیادی اور مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور اس تصور کو فروغ دینے میں کئی عظیم شعرا نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ نظیر اکبر آبادی، خواجہ الطاف حسین حالی اور پنڈت برج نارائن چکبست کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان شعرا نے اپنے اپنے عہد کے سماجی، تہذیبی اور سیاسی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ایسی شاعری تخلیق کی جو نہ صرف انسان دوستی کا درس دیتی ہے بلکہ مختلف طبقات، مذاہب اور ثقافتوں کے درمیان ہم آہنگی اور اتحاد کو بھی فروغ دیتی ہے۔ سب سے پہلے اگر نظیر اکبر آبادی کا جائزہ لیا جائے تو وہ اردو شاعری میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کو محض درباری یا اشرافیہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ عام انسان کے مسائل، اس کی زندگی، اس کی خوشیوں اور غموں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں ایک وسیع انسانی شعور پایا جاتا ہے جو قومی یکجہتی کے لیے نہایت اہم ہے۔ نظیر کے ہاں انسان کی پہچان اس کی انسانیت ہے، نہ کہ اس کا مذہب یا ذات۔ انہوں نے ہندو، مسلمان، سکھ اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو ایک ہی انسانی برادری کا حصہ قرار دیا۔ ان کی نظموں میں میلے، تہوار، موسم اور روزمرہ زندگی کے مناظر اس انداز سے پیش کیے گئے ہیں کہ ایک مشترکہ ثقافتی فضا کا احساس ہوتا ہے۔

13.2.1 : سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

1۔ اردو زبان کن زبانوں کے امتزاج سے بنی؟

الف) فارسی و عربی ب) ترکی و ہندی

ج) سب درست د) کوئی نہیں

2۔ صوفی شاعری کا بنیادی پیغام کیا ہے؟

الف) جنگ ب) محبت و انسانیت

ج) سیاست د) تجارت

3۔ دکن کے پہلے صاحب دیوان شاعر کون تھے؟

الف) ولی ب) قلی قطب شاہ

ج) غالب د) میر

4۔ ترقی پسند تحریک کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

الف) تفریح ب) معاشرتی انصاف

ج) تجارت د) سیاست

5۔ حب الوطنی کیا پیدا کرتی ہے؟

الف) نفرت ب) اتحاد

ج) غصہ د) اختلاف

13.3: عمومی جائزہ

اردو شاعری کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اس نے ہر دور میں قومی یکجہتی کو فروغ دیا ہے۔ ابتدائی دور میں صوفی شعرا نے محبت اور انسانیت کا درس دیا، جس نے معاشرے میں بھائی چارے کو فروغ دیا۔ دکن کے شعرا نے اردو زبان و ادب کو پروان چڑھایا اور اپنی

شاعری میں مذہبی رواداری اور ثقافتی ہم آہنگی کو نمایاں کیا۔ بعدازاں دہلی کے شعرانے ان روایات کو آگے بڑھایا اور شاعری کو ایک وسیع انسانی تجربے کے طور پر پیش کیا۔ کلاسیکی دور میں اگرچہ عشق کو مرکزی موضوع بنایا گیا، لیکن اس کے ذریعے بھی انسان دوستی اور ایثار کا پیغام دیا گیا۔ اس دور کے شعرانے اخلاقی اقدار اور سماجی انصاف کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ انیسویں صدی میں اردو شاعری نے اصلاحی اور قومی رنگ اختیار کیا۔ شعرانے قوم کو بیدار کرنے اور اتحاد کا پیغام دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ بیسویں صدی میں تحریک آزادی کے دوران شاعری نے عوام کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ شعرانے اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں میں حوصلہ، امید اور اتحاد پیدا کیا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری کو ایک انقلابی رنگ دیا اور معاشرتی انصاف، مساوات اور انسانی حقوق کو موضوع بنایا۔ اس تحریک نے قومی یکجہتی کو ایک عملی تصور کے طور پر پیش کیا۔ مذہبی رواداری بھی اردو شاعری کا ایک اہم پہلو رہی ہے۔ شعرانے مختلف مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کو فروغ دیا اور نفرت کے بجائے محبت کا پیغام دیا۔ ثقافتی یکجہتی کے حوالے سے بھی اردو شاعری نے اہم کردار ادا کیا۔ اس میں مختلف تہذیبوں اور روایات کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ حب الوطنی اردو شاعری کا ایک نمایاں موضوع ہے، جس نے لوگوں میں اپنے وطن کے لیے محبت اور قربانی کا جذبہ پیدا کیا۔ معاصر دور میں بھی اردو شاعری معاشرتی مسائل کو اجاگر کرتے ہوئے امن، اتحاد اور بھائی چارے کا پیغام دے رہی ہے۔

13.4: آپ نے کیا سیکھا؟

اس سبق کے مطالعہ سے یہ سیکھا گیا کہ اردو شاعری محض ادبی اظہار نہیں بلکہ ایک طاقتور سماجی ذریعہ ہے، جس نے ہمیشہ انسان دوستی، محبت، رواداری اور اتحاد کا پیغام دیا ہے۔ اس نے مختلف مذاہب، ثقافتوں اور طبقات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی اور قومی یکجہتی کو فروغ دیا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ مختلف ادوار میں شعرانے اپنے کلام کے ذریعے قوم کو بیدار کیا اور انہیں ایک مشترکہ مقصد کے لیے متحد ہونے کی ترغیب دی۔ اس سبق نے آپ کو یہ سبق دیا کہ ایک مضبوط معاشرہ صرف اتحاد، احترام اور محبت کی بنیاد پر قائم ہوسکتا ہے۔ مزید یہ کہ اردو شاعری ہمیں اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنے کا درس دیتی ہے جو آج کے دور میں نہایت ضروری ہے۔

13.5: فرہنگ

1۔ آفاقی	—	عالمی
2۔ رواداری	—	برداشت

3۔اخوت	—	بھائی چارہ
4۔امتزاج	—	ملاپ
5۔ہم آہنگی	—	مطابقت
6۔مساوات	—	برابری
7۔تفرقہ	—	اختلاف
8۔ایثار	—	قربانی
9۔اصلاحی	—	بہتری لانے والا
10۔انقلابی	—	تبدیلی لانے والا
11۔استحصال	—	ظلم
12۔بوقلمونی	—	رنگارنگی
13۔قرابت	—	نزدیکی

13.6:خود جانچ سوالات

1۔ اردو شاعری میں قومی یکجہتی کے تصور کی وضاحت کریں۔

2۔ صوفی شعرا نے قومی یکجہتی کے فروغ میں کیا کردار ادا کیا؟

3۔ دکن کے شعرا کی خدمات پر روشنی ڈالیں۔

4۔ کلاسیکی اردو شاعری میں انسان دوستی کے عناصر بیان کریں۔

5۔ تحریک آزادی میں اردو شاعری کے کردار کو واضح کریں۔

13.7: مشقی سوالات

1۔ ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری کو کس طرح متاثر کیا؟

2۔ اردو شاعری میں مذہبی رواداری کی مثالیں دیں۔

3۔ حب الوطنی اور قومی یکجہتی کا باہمی تعلق بیان کریں۔

4۔ نظیر اکبرآبادی کی شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر بیان کریں۔

5۔ حالی اور چکبست کی شاعری کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔

13.8: جواباتِ سرگرمی

1۔(ج) سب درست

2۔(ب) محبت وانسانیت

3۔(ب) قلی قطب شاہ

4۔(ب) معاشرتی انصاف

5۔(ب) اتحاد

13.8.1: مشقی سوالات کے جوابات

1۔ ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری کو کس طرح متاثر کیا؟۔

جواب: ترقی پسند تحریک اردو ادب کی ایک اہم اور مؤثر تحریک تھی، جس نے اردو شاعری کے موضوعات، اسلوب اور فکر میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں۔اس تحریک کا آغاز بیسویں صدی کے ابتدائی دور میں ہوا اور اس کا بنیادی مقصد معاشرتی ناانصافی، طبقاتی تفریق اور استحصالی نظام کے خلاف آواز بلند کرنا تھا۔ترقی پسند شعرا نے شاعری کو محض حسن وعشق کے محدود دائرے سے نکال کر عوامی مسائل کا ترجمان بنایا۔ انہوں نے مزدوروں، کسانوں، غریبوں اور مظلوم طبقے کی زندگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔اس طرح اردو شاعری ایک عملی اور حقیقت

پسندانہ رنگ اختیار کر گئی۔اس تحریک نے قومی یکجہتی کے تصور کو بھی نئی جہت دی۔ترقی پسند شعرا کے نزدیک حقیقی یکجہتی اس وقت ممکن ہے جب معاشرے میں مساوات ہو۔انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک معاشی اور سماجی انصاف قائم نہیں ہوگا،اس وقت تک اتحاد محض ایک نعرہ ہی رہے گا۔ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری میں انقلابی شعور پیدا کیا۔شعرا نے ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھائی اور عوام کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ان کی شاعری میں احتجاج،مزاحمت اور تبدیلی کی خواہش نمایاں نظر آتی ہے۔اس تحریک کا ایک اہم اثر یہ بھی تھا کہ شاعری عوام کے قریب ہوگئی۔زبان سادہ اور عام فہم ہوگئی تاکہ ہر شخص اسے سمجھ سکے۔اس طرح شاعری ایک وسیع طبقے تک پہنچی اور اس کا اثر زیادہ گہرا ہوگیا۔مختصر یہ کہ ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری کو ایک نئی سمت دی،اسے حقیقت سے جوڑا اور اسے معاشرتی تبدیلی کا ایک مؤثر ذریعہ بنا دیا۔

2۔ اردو شاعری میں مذہبی رواداری کی مثالیں پیش کریں۔

جواب: اردو شاعری میں مذہبی رواداری ایک بنیادی اور نمایاں عنصر کے طور پر موجود رہی ہے۔مختلف شعرا نے اپنے کلام کے ذریعے یہ پیغام دیا کہ تمام مذاہب کا بنیادی مقصد انسانیت،محبت اور امن ہے۔ابتدائی دور میں صوفی شعرا نے مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دیا۔انہوں نے انسان کو مذہب،ذات اور رنگ سے بالاتر ہو کر دیکھا۔ان کے نزدیک اصل اہمیت انسانیت کی تھی۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں ہر مذہب کے لیے احترام پایا جاتا ہے۔کلاسیکی شعرا میں بھی ہمیں مذہبی رواداری کی جھلک ملتی ہے۔انہوں نے مختلف مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کو فروغ دیا اور تعصب کی مخالفت کی۔ان کے اشعار میں انسان دوستی اور وسیع المشربی نمایاں ہے۔بیسویں صدی میں شعرا نے مذہبی اختلافات کو ختم کرنے اور اتحاد پیدا کرنے پر زور دیا۔انہوں نے یہ واضح کیا کہ مذہب کو نفرت کا ذریعہ نہیں بلکہ محبت اور بھائی چارے کا وسیلہ بنانا چاہیے۔مثال کے طور پر کئی شعرا نے ہندو،مسلم،سکھ اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو ایک ہی قوم کا حصہ قرار دیا۔ان کی شاعری میں مختلف مذاہب کے تہواروں اور روایات کا ذکر بھی ملتا ہے،جو ثقافتی ہم آہنگی کی علامت ہے۔مذہبی رواداری اردو شاعری میں صرف نظریاتی بات نہیں بلکہ ایک عملی پیغام کے طور پر پیش کی گئی ہے،جو آج بھی معاشرے کے لیے نہایت اہم ہے۔

3۔ حب الوطنی اور قومی یکجہتی کا باہمی تعلق بیان کریں؟۔

جواب: حب الوطنی اور قومی یکجہتی ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔حب الوطنی کا مطلب اپنے وطن سے محبت کرنا اور اس کی ترقی و خوشحالی کے لیے کام کرنا ہے،جبکہ قومی یکجہتی کا مطلب قوم کے تمام افراد کا باہمی اتحاد اور ہم آہنگی ہے۔جب کسی معاشرے میں حب الوطنی کا

جذبہ موجود ہوتا ہے تو لوگ اپنے ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر قومی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہی رویہ قومی یکجہتی کو مضبوط بناتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور مشکلات کا مل کر مقابلہ کرتے ہیں۔ اردو شاعری میں حب الوطنی کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ شعرا نے وطن کی خوبصورتی، اس کی عظمت اور اس سے محبت کو بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے قربانی، اتحاد اور بھائی چارے کا درس بھی دیا ہے۔ حب الوطنی کا جذبہ لوگوں کو ایک مشترکہ شناخت فراہم کرتا ہے۔ مختلف مذاہب، زبانوں اور ثقافتوں کے باوجود لوگ خود کو ایک قوم کا حصہ سمجھتے ہیں۔ یہی احساس قومی یکجہتی کی بنیاد بنتا ہے۔ تحریک آزادی کے دوران حب الوطنی نے قومی یکجہتی کو فروغ دیا۔ لوگوں نے ایک مشترکہ مقصد کے لیے جدوجہد کی اور ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے رہے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ حب الوطنی قومی یکجہتی کو مضبوط بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

4۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر بیان کریں؟۔

جواب: نظیر اکبر آبادی اردو شاعری کے ایک منفرد اور عوامی شاعر ہیں، جن کی شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر نمایاں طور پر موجود ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کو عام انسان کی زندگی سے جوڑا اور اس میں مختلف طبقات اور مذاہب کے لوگوں کی نمائندگی کی۔ نظیر کی شاعری میں انسان دوستی کا جذبہ بہت مضبوط ہے۔ انہوں نے انسان کو مذہب، ذات اور طبقے سے بالاتر ہو کر دیکھا۔ ان کے نزدیک سب انسان برابر ہیں اور سب کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور احترام سے رہنا چاہیے۔ انہوں نے اپنی نظموں میں مختلف تہواروں جیسے ہولی، دیوالی اور عید کا ذکر کیا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ ایک کثیر الثقافتی معاشرے کے نمائندہ شاعر تھے۔ انہوں نے ان تہواروں کو صرف مذہبی نہیں بلکہ سماجی اور ثقافتی خوشی کے مواقع کے طور پر پیش کیا۔ نظیر کی شاعری میں ہمیں ایک مشترکہ ثقافت کا تصور ملتا ہے، جہاں مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خوشی اور غم میں شریک ہوتے ہیں۔ یہی رویہ قومی یکجہتی کو فروغ دیتا ہے۔ ان کی زبان سادہ اور عام فہم ہے، جس کی وجہ سے ان کی شاعری عوام میں مقبول ہوئی اور اس کا پیغام زیادہ وسیع پیمانے پر پھیلا۔ مختصر یہ کہ نظیر اکبر آبادی کی شاعری قومی یکجہتی، انسان دوستی اور ثقافتی ہم آہنگی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

5۔ حالی اور چکبست کی شاعری کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔

جواب: خواجہ الطاف حسین حالؔی اور پنڈت برج نارائن چکبستؔ اردو شاعری کے دو اہم شعرا ہیں، جنہوں نے قومی یکجہتی کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا، اگرچہ ان کے انداز اور موضوعات میں کچھ فرق بھی پایا جاتا ہے۔ حالؔی کی شاعری اصلاحی اور فکری نوعیت کی ہے۔ انہوں نے اپنی

شاعری کے ذریعے قوم کو بیدار کرنے اور اس میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کی مشہور نظم "مسدس حالی" میں انہوں نے قوم کے عروج و زوال کا تجزیہ کیا اور اتحاد، اخلاق اور تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ دوسری طرف چکبست کی شاعری میں حب الوطنی اور قومی شعور زیادہ نمایاں ہے۔ انہوں نے ہندوستان کو ایک مشترکہ وطن کے طور پر پیش کیا اور یہ پیغام دیا کہ مذہبی اختلافات کے باوجود ہم سب ایک قوم ہیں۔ حالؔی کا انداز نصیحت آموز اور اصلاحی ہے، جبکہ چکبست کا انداز جذباتی اور ولولہ انگیز ہے۔ حالؔی زیادہ تر مسلمانوں کی اصلاح پر توجہ دیتے ہیں، جبکہ چکبست تمام قوم کے اتحاد کی بات کرتے ہیں۔ دونوں شعرا میں ایک قدر مشترک ہے، اور وہ ہے قومی یکجہتی کا پیغام۔ دونوں نے اپنے اپنے انداز میں محبت، اتحاد اور ہم آہنگی کو فروغ دیا۔ نتیجتاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ حالؔی اور چکبستؔ دونوں اردو شاعری کے اہم ستون ہیں، جنہوں نے قومی یکجہتی کے فروغ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

8.9: امدادی کتب

۱۔ دکن میں اردو	—	نصیر الدین ہاشمی
۲۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو	—	مسعود حسین خان
۳۔ دکنی ادب کی تاریخ	—	عبدالقادر سروری
۴۔ حیدرآباد دکن میں اردو شاعری (1960 تک)	—	ناہیدہ سلطانہ
۵۔ دکنی اردو: تاریخ اور ساخت	—	رتھ لیلا شمٹ
۶۔ دکن میں اردو شاعری	—	جمیل جالبی
۷۔ اردو شاعری اور قومی یکجہتی	—	بانو سرتاج
۸۔ اردو شاعری میں قومی یکجہتی کی روایت	—	رام آسرا رازؔ

سبق۔ 14 قومی یکجہتی کے علمبردار
(نظیرؔ، حالیؔ اور چکبستؔ)

ساخت

14.0 اغراض ومقاصد

14.1 تعارف

14.2 اردو شاعری اور قومی یکجہتی (نظیرؔ، حالیؔ اور چکبستؔ)

13.2.1 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

14.3 عمومی جائزہ

14.4 آپ نے کیا سیکھا؟

14.5 فرہنگ

14.6 خود جانچ سوالات

14.7 امتحانی سوالات

14.8 جواباتِ سرگرمی

14.8.1 مشقی سوالات کے جوابات

14.9 امدادی کتب

14.0 اغراض ومقاصد

اس سبق کے اغراض ومقاصد یہ ہیں کہ طلبہ کواردو شاعری کے اس اہم پہلو سے آگاہ کیا جائے جس میں قومی یکجہتی اور انسان دوستی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔اس کے ذریعے طلبہ میں یہ شعور پیدا کیا جاتا ہے کہ شاعری محض تفریح یا جذباتی اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ معاشرتی اصلاح اور قومی بیداری کا مؤثر وسیلہ بھی ہے۔اس سبق کے مطالعے سے طلبہ مختلف شعرا کے افکار، اسلوب اور نظریات کو سمجھنے کے قابل ہوتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ادب کس طرح معاشرے میں مثبت تبدیلی لاسکتا ہے۔مزید برآں، اس سبق کا مقصد طلبہ کے اندر رواداری، بھائی چارہ، برداشت اور باہمی احترام جیسے اوصاف کو فروغ دینا بھی ہے، جو کسی بھی مہذب اور ترقی یافتہ معاشرے کی بنیاد ہوتے ہیں۔طلبہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے باوجود ایک قوم کے طور پر متحد رہنا کس قدر ضروری ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ سبق ان میں حب الوطنی کے جذبات کو بھی بیدار کرتا ہے اور انہیں اپنے ملک اور معاشرے کے لیے مثبت کردار ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔آخر میں، یہ سبق طلبہ کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اردو شاعری کے سماجی اور فکری پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ لے سکیں اور اسے اپنی عملی زندگی میں بروئے کار لا کر ایک بہتر، پرامن اور متحد معاشرے کے قیام میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔

14.1 تعارف

اردو شاعری برصغیر کی تہذیبی، سماجی اور فکری تاریخ کا نہایت اہم حصہ ہے، جس نے مختلف ادوار میں انسان دوستی، محبت، رواداری اور قومی یکجہتی جیسے اعلیٰ اقدار کو فروغ دیا۔ یہ شاعری محض جذباتی اظہار تک محدود نہیں رہی بلکہ اس نے معاشرتی شعور کو بیدار کرنے اور مختلف طبقات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ برصغیر ایک ایسا خطہ رہا ہے جہاں مختلف مذاہب، زبانوں اور ثقافتوں کے لوگ صدیوں سے ایک ساتھ رہتے آئے ہیں، اور اردو شاعری نے اس تنوع کو یکجہتی میں بدلنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اس حوالے سے نظیر اکبرآبادی، الطاف حسین حالی اور پنڈت برج نارائن چکبست کی خدمات نہایت اہم اور قابلِ ذکر ہیں۔نظیر اکبر آبادی نے اپنی شاعری میں عوامی زندگی، میلوں ٹھیلوں، تہواروں اور روزمرہ کے معمولات کو موضوع بنایا اور اس طرح مختلف طبقوں کے درمیان قربت اور یگانگت کو فروغ دیا۔ان کی شاعری میں ہندو مسلم مشترکہ ثقافت کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے، جس سے قومی ہم آہنگی کو تقویت ملتی ہے اسی طرح الطاف حسین حالی نے اردو شاعری کو ایک نئی فکری سمت عطا کی۔انہوں نے اپنی نظموں اور مسدس میں اصلاحِ معاشرہ، اخلاقی

بیداری اور قومی شعور کو اجاگر کیا۔ حالی کی شاعری میں اتحاد، تعلیم اور بیداری کا پیغام ملتا ہے، جو کسی بھی قوم کی ترقی کے لیے ناگزیر عناصر ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو زوال سے نکلنے اور ایک مضبوط، متحد قوم بننے کی تلقین کی، جو بالواسطہ طور پر پورے معاشرے میں یکجہتی کے فروغ کا باعث بنی۔ پنڈت برج نارائن چکبست بھی اردو شاعری میں قومی یکجہتی کے علمبرداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک ہندو شاعر ہونے کے باوجود انہوں نے اردو زبان اور اس کی تہذیب کو اپنایا اور اپنی شاعری کے ذریعے حب الوطنی، قومی اتحاد اور بھائی چارے کا پیغام عام کیا۔ ان کی نظموں میں وطن سے محبت اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ہم آہنگی کا جذبہ واضح طور پر جھلکتا ہے۔ ان تینوں شعرا کی شاعری اس بات کا ثبوت ہے کہ ادب، خاص طور پر شاعری، معاشرتی ہم آہنگی اور قومی یکجہتی کو فروغ دینے کا ایک طاقتور ذریعہ ہے۔ ان کے افکار آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں اور ہمیں ایک متحد اور پرامن معاشرے کی تشکیل کی ترغیب دیتے ہیں۔

14.2 اردو شاعری اور قومی یکجہتی (نظیؔر، حالؔی اور چکبستؔ)

نظیؔر اکبر آبادی کی شاعری میں ہمیں دیوالی، ہولی، عید اور دیگر تہواروں کا ذکر ملتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک کثیر الثقافتی معاشرے کے نمائندہ شاعر تھے۔ وہ ان تہواروں کو کسی ایک مذہب تک محدود نہیں رکھتے بلکہ انہیں انسانی خوشی اور میل جول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہی رویہ قومی یکجہتی کی بنیاد ہے، جہاں مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں۔ نظیر کی شاعری ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ اختلافات کے باوجود ہم ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور احترام کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد خواجہ الطاف حسین حالی کا ذکر آتا ہے، جنہوں نے اردو شاعری کو ایک اصلاحی اور فکری جہت عطا کی۔ حالی نے اپنی شاعری کے ذریعے قوم کو بیدار کرنے، اس میں خودی، اتحاد اور اخلاقی اقدار کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ ان کی مشہور نظم "مد و جزرِ اسلام" (مسدس حالی) دراصل ایک ایسی تخلیق ہے جس میں انہوں نے قوم کے عروج و زوال کا تجزیہ کرتے ہوئے اتحاد اور یکجہتی کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ حالی کے نزدیک کسی بھی قوم کی ترقی کا دار و مدار اس کے افراد کے باہمی اتحاد، اخلاقی بلندی اور مشترکہ مقصد پر ہوتا ہے۔ حالی کی شاعری میں ہمیں ایک واضح اصلاحی پیغام ملتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں کا احساس دلاتے ہیں اور انہیں اس بات کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں آپس کے اختلافات کو ختم کر کے متحد ہونا ہوگا۔ اگرچہ حالی کا خطاب زیادہ تر مسلمانوں سے ہے، لیکن ان کی فکر میں ایک وسیع انسانی ہمدردی بھی شامل ہے۔ وہ ایک ایسے معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں جہاں انصاف، مساوات اور بھائی چارہ ہو۔ یہی عناصر قومی یکجہتی کی بنیاد بنتے ہیں۔

حالؔی کی شاعری کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے تعلیم، اخلاق اور شعور کو قومی ترقی کے لیے ضروری قرار دیا۔ ان کے نزدیک جہالت اور تفرقہ بازی قوم کو کمزور کرتی ہے، جبکہ علم اور اتحاد اسے مضبوط بناتے ہیں۔ ان کی شاعری میں یہ پیغام بار بار ملتا ہے کہ ایک قوم اسی وقت ترقی کر سکتی ہے جب اس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور مشترکہ مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیں۔ پنڈت برج نارائن چکبست اردو شاعری میں قومی یکجہتی کے ایک نہایت اہم شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ وہ ایک ہندو شاعر تھے، لیکن ان کی شاعری میں حب الوطنی، قومی شعور اور اتحاد کا جذبہ اس قدر مضبوط ہے کہ وہ تمام مذاہب کے لوگوں کے لیے یکساں طور پر قابلِ قبول ہے۔ چکبست نے اپنی شاعری کے ذریعے ہندوستانی قومیت کے تصور کو فروغ دیا اور یہ پیغام دیا کہ مذہب کے اختلافات کے باوجود ہم سب ایک ہی وطن کے باشندے ہیں۔ چکبست کی شاعری میں وطن کی محبت ایک مرکزی موضوع ہے۔ وہ ہندوستان کو ایک مشترکہ گھر کے طور پر دیکھتے ہیں، جہاں مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے لوگ مل جل کر رہتے ہیں۔ ان کی نظموں میں ہمیں ایک ایسا تصورِ قومیت ملتا ہے جو مذہبی بنیادوں پر تقسیم نہیں بلکہ مشترکہ تاریخ، ثقافت اور سرزمین پر مبنی ہے۔ یہی تصور قومی یکجہتی کا اصل جوہر ہے۔

چکبستؔ نے اپنی شاعری میں نہ صرف حب الوطنی کو اجاگر کیا بلکہ آزادی، انصاف اور اتحاد کے پیغام کو بھی عام کیا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اگر قوم کے افراد آپس میں متحد ہوں گے تو وہ ہر مشکل کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک ایسا ولولہ اور جذبہ پایا جاتا ہے جو لوگوں کو ایک مشترکہ مقصد کے لیے اکٹھا ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان تینوں شعرا کا اگر مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ ان کے اسلوب، موضوعات اور انداز میں فرق ہے، لیکن ان کا بنیادی مقصد ایک ہی ہے، اور وہ ہے انسانوں کے درمیان اتحاد، محبت اور ہم آہنگی کو فروغ دینا۔ نظیر اکبرآبادی نے عوامی سطح پر ثقافتی یکجہتی کو اجاگر کیا، حالی نے اصلاحی اور فکری انداز میں اتحاد کی ضرورت کو بیان کیا، جبکہ چکبست نے حب الوطنی اور مشترکہ قومیت کے تصور کو مضبوط کیا۔ یہ تینوں شعرا اپنے اپنے انداز میں قومی یکجہتی کے علمبردار ہیں۔ ان کی شاعری ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ایک مضبوط قوم کی بنیاد صرف سیاسی یا معاشی طاقت پر نہیں بلکہ اس کے افراد کے درمیان محبت، احترام اور اتحاد پر ہوتی ہے۔ ان کا پیغام آج بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا ان کے زمانے میں تھا، بلکہ موجودہ دور میں جب دنیا مختلف قسم کے تعصّبات اور تقسیم کا شکار ہے، ان کی شاعری کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ نظیر اکبرآبادی، خواجہ الطاف حسین حالی اور پنڈت برج نارائن چکبست کی شاعری اردو ادب کا ایک قیمتی سرمایہ ہے، جو قومی یکجہتی، انسان دوستی اور رواداری کا درس دیتی ہے۔ ان کی شاعری نہ صرف ہمارے ادبی شعور کو بلند کرتی ہے بلکہ ہمیں ایک بہتر اور متحد معاشرہ تشکیل دینے کی راہ بھی دکھاتی ہے۔ اگر ہم ان کے پیغام کو سمجھیں اور اپنی زندگیوں میں اس پر عمل کریں تو ہم ایک ایسی قوم

بن سکتے ہیں جو اتحاد، محبت اور ہم آہنگی کی روشن مثال ہو۔

14.2.1 سرگرمی (آو! اپنی معلومات کو جانچیں)

1۔ نظیر اکبرآبادی کی شاعری کا نمایاں موضوع کیا تھا؟

(الف) صرف عشق و محبت　(ب) عوامی زندگی اور تہذیب

(ج) درباری زندگی　(د) فلسفہ

2۔ الطاف حسین حالی نے اپنی شاعری میں کس چیز پر زیادہ زور دیا؟

(الف) تفریح　(ب) اصلاحِ معاشرہ

(ج) داستان گوئی　(د) رومانویت

3۔ پنڈت برج نارائن چکبست کی شاعری میں کون سا جذبہ نمایاں ہے؟

(الف) طنز و مزاح　(ب) حب الوطنی اور قومی یکجہتی

ج) صوفیانہ خیالات　د) داستانی عناصر

4۔ اردو شاعری قومی یکجہتی کے فروغ میں کس طرح مدد دیتی ہے؟

الف) صرف تفریح فراہم کر کے　ب) مختلف طبقات میں ہم آہنگی پیدا کر کے

ج) صرف تاریخی واقعات بیان کر کے　د) صرف ذاتی جذبات بیان کر کے

5۔ حالی کی مشہور نظم "مسدس" کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

(الف) کہانی سنانا　(ب) اصلاح اور بیداری پیدا کرنا

(ج) تفریح فراہم کرنا　(د) مزاح پیدا کرنا

14.3 عمومی جائزہ

اردو شاعری کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اس نے ہر دور میں قومی یکجہتی کو فروغ دیا ہے۔ ابتدائی دور میں صوفی شعرا نے محبت اور انسانیت کا درس دیا، جس نے معاشرے میں بھائی چارے کو فروغ دیا۔ دکن کے شعرا نے اردو زبان وادب کو پروان چڑھایا اور اپنی شاعری میں مذہبی رواداری اور ثقافتی ہم آہنگی کو نمایاں کیا۔ بعد ازاں دہلی کے شعرا نے ان روایات کو آگے بڑھایا اور شاعری کو ایک وسیع انسانی تجربے کے طور پر پیش کیا۔ کلاسیکی دور میں اگرچہ عشق کو مرکزی موضوع بنایا گیا، لیکن اس کے ذریعے بھی انسان دوستی اور ایثار کا پیغام دیا گیا۔ اس دور کے شعرا نے اخلاقی اقدار اور سماجی انصاف کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ انیسویں صدی میں اردو شاعری نے اصلاحی اور قومی رنگ اختیار کیا۔ شعرا نے قوم کو بیدار کرنے اور اتحاد کا پیغام دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ بیسویں صدی میں تحریک آزادی کے دوران شاعری نے عوام کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ شعرا نے اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں میں حوصلہ، امید اور اتحاد پیدا کیا۔ ترقی پسند تحریک نے اردو شاعری کو ایک انقلابی رنگ دیا اور معاشرتی انصاف، مساوات اور انسانی حقوق کو موضوع بنایا۔ اس تحریک نے قومی یکجہتی کو ایک عملی تصور کے طور پر پیش کیا۔ مذہبی رواداری بھی اردو شاعری کا ایک اہم پہلو رہی ہے۔ شعرا نے مختلف مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کو فروغ دیا اور نفرت کے بجائے محبت کا پیغام دیا۔ ثقافتی یکجہتی کے حوالے سے بھی اردو شاعری نے اہم کردار ادا کیا۔ اس میں مختلف تہذیبوں اور روایات کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ حب الوطنی اردو شاعری کا ایک نمایاں موضوع ہے، جس نے لوگوں میں اپنے وطن کے لیے محبت اور قربانی کا جذبہ پیدا کیا۔ معاصر دور میں بھی اردو شاعری معاشرتی مسائل کو اجاگر کرتے ہوئے امن، اتحاد اور بھائی چارے کا پیغام دے رہی ہے۔

14.4 آپ نے کیا سیکھا؟

اس سبق کے مطالعہ سے آپ نے اردو شاعری کے اس اہم پہلو کو سمجھا کہ یہ محض جذبات کے اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک مضبوط سماجی اور قومی قوت بھی ہے۔ آپ نے یہ سیکھا کہ نظیرؔ اکبرآبادی، الطاف حسین حالیؔ اور پنڈت برج نارائن چکبستؔ جیسے شعراء نے اپنی شاعری کے ذریعے معاشرے میں اتحاد، بھائی چارے اور رواداری کے جذبات کو فروغ دیا۔ عزیز طلبہ آپ کو یہ ادراک حاصل ہوا کہ مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے باوجود ایک قوم کے طور پر متحد رہنا نہایت ضروری ہے اور اس مقصد کے حصول میں ادب اہم کردار ادا کرتا ہے۔

مزید برآں، اس سبق سے آپ میں یہ شعور بھی بیدار ہوا کہ شاعری اصلاحِ معاشرہ کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ انھوں نے یہ جانا کہ حالی

نے اخلاقی اور تعلیمی بیداری پر زور دیا، نظیر نے عوامی زندگی اور مشترکہ ثقافت کو اجاگر کیا، جبکہ چکبست نے حب الوطنی اور قومی یکجہتی کو اپنی شاعری کا محور بنایا۔ اس کے نتیجے میں طلبہ کے اندر برداشت، باہمی احترام اور ہم آہنگی جیسے اوصاف پیدا ہوئے۔ آخر کار، اس سبق نے آپ کو اس قابل بنایا کہ آپ اردو شاعری کے فکری اور سماجی پہلوؤں کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور اپنی عملی زندگی میں ان اصولوں کو اپنا کر ایک پر امن اور متحد معاشرے کے قیام میں مثبت کردار ادا کریں۔

14.5 فرہنگ

تہذیبی — ثقافت اور تمدن سے متعلق

رواداری — برداشت، دوسروں کے عقائد کو قبول کرنے کا جذبہ

یکجہتی — اتحاد، مل جل کر رہنے کی حالت

ہم آہنگی — باہمی میل جول اور مطابقت

اصلاحِ معاشرہ — معاشرے کی بہتری اور درستگی کا عمل

اخلاقی اقدار — اچھے اخلاق سے متعلق اصول

شعور — آگاہی، سمجھ بوجھ

بیداری — جاگنے یا آگاہ ہونے کی کیفیت

حب الوطنی — وطن سے محبت

تنقیدی جائزہ — کسی چیز کو پرکھنے اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کا مطالعہ

افکار — خیالات، نظریات

اسلوب — اندازِ بیان یا طرزِ تحریر

مشترکہ ثقافت — مختلف گروہوں کی ملی جلی تہذیب

ترغیب — حوصلہ افزائی، کسی کام پر آمادہ کرنا

معاشرتی ہم آہنگی — سماج میں باہمی اتفاق اور میل جول کی فضا۔

14.6 خود جانچ سوالات

1۔ نظیر اکبرآبادی کی شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

2۔ الطاف حسین حالی کی شاعری کے اصلاحی پہلوؤں کا جائزہ لیں۔

3۔ پنڈت برج نارائن چکبست کی شاعری میں حب الوطنی اور قومی یکجہتی کے تصورات کو واضح کریں۔

4۔ اردو شاعری قومی یکجہتی کے فروغ میں کس طرح کردار ادا کرتی ہے؟ مثالوں کے ساتھ وضاحت کریں۔

5۔ نظیر اکبرآبادی، حالی اور چکبست کی شاعری کا تقابلی جائزہ پیش کریں اور ان کی خدمات کو بیان کریں۔

14.7 امتحانی سوالات

1۔ نظیؔر اکبرآبادی کی شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر بیان کریں۔

2۔ حالؔی اور چکبستؔ کی شاعری کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔

3۔ اردو شاعری میں مذہبی رواداری کی مثالیں دیں۔

4۔ نظیؔر اور حالؔی کی شاعری کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔

14.8 جواباتِ سرگرمی

1۔ نظیر اکبرآبادی کی شاعری کا نمایاں موضوع کیا تھا؟

جواب: ب) عوامی زندگی اور تہذیب

2۔ الطاف حسین حالی نے اپنی شاعری میں کس چیز پر زیادہ زور دیا؟

جواب: ب) اصلاحِ معاشرہ

3۔ پنڈت برج نارائن چکبست کی شاعری میں کون سا جذبہ نمایاں ہے؟

جواب: ب) حب الوطنی اور قومی یکجہتی

4۔ اردو شاعری قومی یکجہتی کے فروغ میں کس طرح مدد دیتی ہے؟

جواب: ب) مختلف طبقات میں ہم آہنگی پیدا کر کے

5۔ حالی کی مشہور نظم "مسدس" کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

جواب: ب) اصلاح اور بیداری پیدا کرنا

14.8.1 خود جانچ سوالات کے جوابات

سوال 1۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

جواب: نظیر اکبر آبادی کی شاعری عوامی زندگی کی عکاس ہے۔ انہوں نے میلوں، تہواروں، روزمرہ معمولات اور عام انسان کے مسائل کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔ ان کی شاعری میں ہندو مسلم مشترکہ ثقافت کی جھلک نمایاں ہے، جس سے قومی یکجہتی کو فروغ ملتا ہے۔ وہ طبقاتی فرق کے بجائے انسانیت اور برابری پر زور دیتے ہیں، جس سے معاشرے میں بھائی چارہ اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

سوال 2۔ الطاف حسین حالی کی شاعری کے اصلاحی پہلوؤں کا جائزہ لیں۔

جواب: حالی کی شاعری اصلاحِ معاشرہ کا بہترین نمونہ ہے۔ انہوں نے اپنی نظموں، خاص طور پر "مسدس حالی" میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب بیان کیے اور انہیں بیدار ہونے کی تلقین کی۔ حالی نے تعلیم، اخلاقیات اور اتحاد پر زور دیا۔ ان کی شاعری میں مقصدیت اور سنجیدگی پائی جاتی ہے، جو معاشرتی اصلاح اور قومی ترقی کے لیے نہایت اہم ہے۔

سوال 3۔ پنڈت برج نارائن چکبست کی شاعری میں حب الوطنی اور قومی یکجہتی کے تصورات کو واضح کریں۔

جواب: چکبست کی شاعری میں حب الوطنی اور قومی اتحاد نمایاں ہیں۔ انہوں نے اردو زبان کو اپنایا اور اپنی نظموں کے ذریعے وطن سے محبت اور قوم کے اتحاد کا پیغام دیا۔ ان کی شاعری میں مختلف مذاہب کے درمیان ہم آہنگی اور بھائی چارے کا جذبہ جھلکتا ہے، جو ایک مضبوط قوم کی تشکیل کے لیے ضروری ہے۔

سوال 4۔ اردو شاعری قومی یکجہتی کے فروغ میں کس طرح کردار ادا کرتی ہے؟ مثالوں کے ساتھ وضاحت کریں۔

جواب: اردو شاعری مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے درمیان پل کا کام کرتی ہے۔ یہ محبت، رواداری اور بھائی چارے کا پیغام دیتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے عوامی ثقافت کو اجاگر کیا، حالی نے اصلاح اور بیداری کا درس دیا، جبکہ چکبست نے حب الوطنی کو فروغ دیا۔ اس طرح شاعری لوگوں کو قریب لاتی ہے اور قومی یکجہتی کو مضبوط بناتی ہے۔

سوال 5۔ نظیر اکبر آبادی، حالی اور چکبست کی شاعری کا تقابلی جائزہ پیش کریں اور ان کی خدمات کو بیان کریں۔

جواب: ان تینوں شعرا نے اردو شاعری کو مختلف پہلوؤں سے مالا مال کیا۔ نظیر اکبر آبادی نے عوامی زندگی اور مشترکہ ثقافت کو موضوع بنایا، حالی نے اصلاحِ معاشرہ اور اخلاقی بیداری پر زور دیا، جبکہ چکبست نے حب الوطنی اور قومی یکجہتی کو اپنی شاعری کا مرکز بنایا۔ اگرچہ ان کے انداز اور موضوعات مختلف ہیں، مگر تینوں کا مقصد ایک بہتر، متحد اور مہذب معاشرہ تشکیل دینا تھا۔

14.9: امدادی کتب

۱۔ دکن میں اردو — نصیر الدین ہاشمی

۲۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو — مسعود حسین خان

۳۔ دکنی ادب کی تاریخ — عبدالقادر سروری

۴۔ حیدرآباد دکن میں اردو شاعری (1960 تک) — ناہیدہ سلطانہ

۵۔ دکنی اردو: تاریخ اور ساخت — رتھ لیلا شمٹ

۶۔ دکن میں اردو شاعری — جمیل جالبی

۷۔ اردو شاعری اور قومی یکجہتی — بانو سرتاج

۸۔ اردو شاعری میں قومی یکجہتی کی روایت — رام آسرا راز

MODEL QUESTION PAPER

FOR

M.A.URDU

Semester :- I

Session :-2025 Onwards

COURSE- NO. URD 101

(History of Urdu Literature)

Time Allowed:- 2½ hours | Maximum Marks:-70

نوٹ: تمام سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ نمبرات سامنے درج ہیں۔

1۔ جنوبی ہند میں اردو شاعری کے آغاز و ارتقاء پر مختصر روشنی ڈالئے۔ 7

یا

اردو شاعری کے فروغ میں علی گڑھ تحریک کے کردار پر روشنی ڈالئے۔

2۔ بھگتی تحریک نے اُردو نثر و شاعری پر کیا اثرات مرتب کئے؟ 7

یا

دلی کالج کی ادبی خدمات پر بحث کیجئے۔

3۔ عظیم آباد کے اُردو ادبی مرکز کی نمایاں خصوصیات بیان کیجئے۔ 7

یا

دبستان لکھنو کی زبان و بیان کی نمایاں خصوصیات لکھئے۔

4۔ حالی کی شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر پر روشنی ڈالئے۔ 7

یا

انجمن پنجاب کی تعلیمی و ادبی خدمات پر مختصر نوٹ لکھئے۔

5۔ دبستان دلی اور دبستان لکھنو کے اسلوبی امتیازات کا تقابلی جائزہ لیجیے۔ 14

یا

تحریک آزادی کے دور میں اُردو شاعری کے قومی وفکری رجحانات پر مفصل نوٹ لکھئے۔

6۔ اردو شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر پر حالی، نظیر اور اکبر الہ آبادی کے حوالے سے بحث کیجئے۔ 14

یا

تحریک آزادی اور اردو شاعری کے باہمی تعلق کا تجزیہ پیش کیجئے۔

7۔ ذیل میں شامل معروضی سوالوں کے درست جواب کا انتخاب کیجئے۔ تمام سوالات کے نمبرات مساوی ہیں۔ 14

(i) دبستانِ دلی کے مشہور شاعر کون تھے؟

(a) میرؔ (b) حالیؔ (c) اقبالؔ (d) ناصر کاظمی

(ii) دبستان لکھنو کی زبان کیسی تھی؟

(a) سادہ (b) بناوٹی (c)) مشکل (d) فصیح

(iii) پنجاب کا سب سے مشہور اُردو مرکز کون سا تھا؟

(a) لاہور (b) دہلی (c) لکھنو (d) پٹنہ

(iv) انجمن پنجاب کی بنیاد کس نے رکھی؟

(a) محمد حسین آزادؔ (b) حالیؔ (c) شبلیؔ (c) سرسید

(v) مدوجزر اسلام کس کی نظم ہے؟

(a) اقبالؔ (b) حالیؔ (c) چکبستؔ (d) نظیرؔ

(vi) چکبستؔ کی شاعری کا موضوع کیا تھا؟

(a) وطن پرستی (b) عشق (c) مذہب (d) طنز

(vii) مقدمہ شعروشاعری کس نے لکھا؟

(a) حالؔی (b) سرسید (c) شبلؔی (d) آزادؔ

(vii) عظیم آباد آج کل کیا کہلاتا ہے؟

(a) پٹنہ (b) دہلی (c) لاہور (d) بنارس

(ix) ناسخ کس دبستان سے تعلق رکھتے تھے؟

(a) لکھنو (b) دہلی (c) دکن (d) حیدرآباد

(x) انجمن پنجاب کا مقصد کیا تھا؟

(a) ادب کی اصلاح (6) سیاست (0) تجارت (d) مذہب

(x) نظیرا کبرآبادی کو کیا کہا جاتا ہے؟

(a) عوام کا شاعر (b) مذہبی شاعر (c) انقلابی شاعر (d) غمگین شاعر

(ii) حالی کا تعلق کسی شہر سے تھا؟

(a) پانی پت (b) لاہور (c) دہلی (d) علی گڑھ

(xiii) حیدرآباد کس علاقے میں ہے؟

(a) وکن (b) شمال (c) پنجاب (d) بنگال

(xiv) دبستان دلی کے شعراء زیادہ تر کس موضوع پر لکھتے تھے؟

(a) عشق (b) سیاست (c) مذہب (d) طنز

Course Contributors and Content Editing:

Dr. Ajaz Hussain Shah
Assistant Professor,
Govt.PG College Rajouri

Dr. Barkat Ali
Assistant Professor
GDC Doda

Content Editing/ Proof reading:

Dr. Parshotam Paul Singh
Assistant Professor in Urdu. CDOE, Jammu
CDOE, University of Jammu, Jammu 2025

© Centre for Distance & online Education, University of Jammu, 2026

* All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mimeograph or any other means, without permission in writing from the CDOE, University of Jammu.
* The script writer shall be responsible for the lesson/script submitted to the CDOE and any plagiarism shall be his/her entire responsibility.

Printed By : Classic Printers/ 2026/50

CENTRE FOR DISTANCE & ONLINE EDUCATION
UNIVERSITY OF JAMMU

SELF LEARNING MATERIAL
FOR
M.A. URDU

SEMESTER - I

SESSION - 2025 ON WARDS

SUBJECT: HISTORY OF URDU LITERATURE	UNIT I-IV
COURSE CODE URD - 101	LESSON: 1-14

PROF. (DR.) SHOHAB INAYAT MALIK
COORDINATOR P.G. URDU

DR. PARSHOTAM PAUL SINGH
TEACHER INCHARGE

http:/www.distanceeducationju.in

Printed and published on behalf of the centre for Distance & Online Education, University of Jammu by the Director, CDOE, University of Jammu.